بسم الله الرحمن الرحیم

مقالات
خطیب الاسلام

رشحاتِ قلم

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ قدس سرہ الاحسن

ترتیب و تدوین

علامہ محمد سعید احمد مجددی

ناشر

المجدد اکیڈمی

ماڈل ٹاؤن بی بلاک. گوجرانوالہ

Marfat.com

86546

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	مقالات خطیب الاسلام
تصنیف	خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب و تدوین	ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی
ٹائٹل	عرفان احمد قریشی
کمپوزنگ	معیار کمپوزرز سیٹ لائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ فون ۲۵۱۲۴۸
بار	اول
سال	۱۹۹۵ء
تعداد	۱۱۰۰
صفحات	۳۶۸
قیمت	۱۰۰ روپے
ناشر	المجدد اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ بی بلاک ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ فون: ۸۱۰۶۰

ملنے کے مراکز

مکتبہ تنظیم الاسلام مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ بی بلاک ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

مکتبہ غوثیہ، مغل مارکیٹ اردو بازار گوجرانوالہ ○○ مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوجرانوالہ

مکتبہ ضیاء القرآن، گنج بخش روڈ لاہور ○○ مکتبہ نوریہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور

القمر بک کارپوریشن گنج بخش روڈ لاہور ○○ مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ

مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ ○○ نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ گجرات

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

خطیب الاسلام' شیخ طریقت حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن قدس سرہ العزیز (تاجدار مسند آلو مہار شریف) کی ہمہ جہت عبقری شخصیت اہل پاکستان کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں' زمانہ آپ کی' علمی' فکری' روحانی اور سیاسی عظمتوں کا معترف ہے۔ مگر آپ کی شاعری اور نثر نگاری کی لازوال رفعتوں سے ابھی زیادہ لوگ باخبر نہیں ہیں متعدد تحریکوں کی قیادت اور تبلیغی سرگرمیوں کی مصروفیات کے سبب آپ کی زندگی ریل یا جیل میں گذری' کبھی کبھار فرصت کے لمحات میں کچھ لکھ بھی لیا کرتے تھے مگر عدیم الفرصتی نظر ثانی سے بھی مانع رہتی۔

پیش نظر مقالات کا یہ مجموعہ "مقالات خطیب الاسلام" کے نام سے ایسے وقت میں شائع ہو رہا ہے کہ آپ ظاہری حیات کے ساتھ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں

"حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد"

حضرت خطیب الاسلام کے چند مقالات متعدد احباب کی طرف سے مختلف اوقات میں منتشر اوراق کی صورت میں حاصل ہوئے' کچھ بکھری ہوئی تحریریں حضرت صاحبزادہ سید خالد حسن علیہ الرحمتہ نے مجھے عطا فرمائیں' ظاہر ہے کہ یہ مقالات حضرت خطیب الاسلامؒ کی مطلوبہ ترتیب اور نظر ثانی کے مرحلوں سے نہیں گذر سکے۔

Marfat.com

تاہم اس کے باوجود یہ تحریریں، فکر و فن اور ذوق و ادب کی معراج نظر آتی ہیں گویا ایک تختۂ چمن ہے جو دینی، تحقیقی، روحانی، ادبی اور نفسیاتی گلہائے رنگا رنگ سے لالہ فام ہے، ہر حرف عقیدت میں گندھا ہوا، ہر لفظ محبت میں ڈوبا ہوا، قلم کے وقار اور کلام کے نکھار کا شہکار معلوم ہوتا ہے۔

قحط الرجال کے اس دور میں آپ کے یہ مقالات ارباب ذوق کے لیے عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں خصوصاً" مغربی علوم اور مادی فلسفوں سے مرعوب و متاثر افراد کے لیے "دبھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم" لے چلنے کا باعث ثابت ہوں گے۔

گو یہ مقالات مختلف الانواع مضامین پر مشتمل ہیں اور تقریبات و محرکات کے لحاظ سے ان میں تفاوت و تنوع ہے لیکن اس کثرت میں ایک ہی وحدت کا رنگ غالب ہے اور وہ یہ کہ ان سب کا تعلق ذات نبوت علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے ہے۔

حضرت خطیب الاسلام" کے بلند پایہ علمی اور فکری مقالات کی ترتیب و تسوید، میرے لیے خاصا مشکل مرحلہ تھا، میں اپنے محسن و محترم جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید صاحب صدر شعبہ اردو گورنمنٹ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے فکری اور فنی تعاون سے نوازا اور "مقالات خطیب الاسلام" کے لیے "اعتراف" کے عنوان سے ایک خوبصورت، علمی، ادبی تعارفی ابتدایہ بھی تحریر فرمایا۔

نیز اس سلسلے میں علامہ محمد نوید اقبال مجددی، صاحبزادہ سید احمد فاروق شاہ مجددی، علامہ بشارت علی مجددی اور علامہ تنویر حسین مجددی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مجموعہ کی ترتیب و تسوید، تزئین و تنظیم، پروف ریڈنگ، اور دیگر طباعتی و اشاعتی مرحلوں میں مخلصانہ تعاون کے ذریعے محبت و مروت کا حق ادا فرمایا۔

جزاهم الله احسن الجزاء

المجدد اکیڈمی گوجرانوالہ کی طرف سے یہ تیسری پیشکش ہدیہ ناظرین ہے۔

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ اگر اس مجموعہ میں کوئی لفظی یا معنوی سقم یا کوئی فروگذاشت پائیں تو نشاندہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی صلاح کر دی جائے۔

Marfat.com

نیز قارئین کرام سے پر خلوص درخواست ہے کہ "مقالات خطیب الاسلام" کا مطالعہ کرتے وقت حضرت خطیب الاسلامؒ قدس سرہ کے لیے دعائے خیر و ایصال ثواب کا اہتمام ضرور فرمائیں۔ اور اس بندہ ناچیز (مرتب) کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم و صلے اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وعلی الہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

العبد المذنب الفقیر الراجی الی عفو ربہ القدیر

محمد سعید احمد مجددی غفرلہ
مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ
ماڈل ٹاؤن بی بلاک
گوجرانوالہ
بروز جمعۃ المبارک ۱۵ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ
مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۹۵ء

Marfat.com

مندرجات

صفحہ	عنوانات
	تشکر
۹	پروفیسر اقبال جاوید
	اعتراف
۱۰	پروفیسر اقبال جاوید
	حضرت خطیب الاسلامؒ کا سوانحی خاکہ
۳۰	علامہ محمد سعید احمد مجددی
۳۹	حمد و ثنا
۴۱	کلمہ طیبہ
۴۵	ربوبیت
۵۱	نیاز و ناز
۵۳	عصمت نبوت

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۶۲
ارتقائے انسانی اور اسوہ مصطفیٰ	۷۱
رسول رحمت اور اصول جنگ	۷۸
عقیدت وارادت	۸۹
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	۹۱
امام حسین اور سنت رسول	۱۰۴
کربلا میں کون جیتا، کون ہارا	۱۱۰
جذب وجنوں	۱۱۷
تصوف کا اجمالی تعارف	۱۱۹
گوش سے آغوش تک	۱۲۵
مراقبہ	۱۵۹
قلب بیدار	۱۹۵
مرشد کی ضرورت واہمیت	۲۱۱
تعلیمات امام ربانی	۲۲۵
روحانی مکاشفات	۲۳۹
فکر ونظر	۲۴۳
حقیقت کائنات	۲۴۵
بطلان مادیت اور عرفان حقیقت	۲۶۰
شعور ذات اور شفائے امراض	۲۶۷

Marfat.com

صفحہ	عنوانات
۲۷۲	قرب ذات یا منزل فنا
۲۷۸	منزل صبر
۲۸۴	فلسفہ دعا
۲۹۱	ذکر سے اطمینان ملتا ہے
۲۹۸	احترام والدین
۳۰۵	احترام استاد
۳۱۱	ارض پاک
۳۱۳	پاکستان میں نفاذ اسلام کیسے ممکن ہے؟
۳۲۶	اسلامی آئین کے پیش نظر امیر کا مقام
۳۳۱	اسلامی اتحاد کے وسائل
۳۴۳	نفسیات
۳۴۵	بھول جایئے
۳۴۹	غم کا نفسیاتی علاج
۳۵۵	پریشانیوں کا نفسیاتی علاج
	سیر و سفر اور صحت مند کھیلیں
۳۶۲	ـــــــــ ایک نفسیاتی تجزیہ

Marfat.com

☆

تشکر

میری نیاز مندیاں حضرت ابو البیان علامہ محمد سعید احمد مجددی مدظلہ 'کی اقبال نوازیوں کے لیے ممنون احسان ہیں کہ انہوں نے "مقالات خطیب الاسلام" کے تعارف کے لیے 'احقر کو منتخب کیا' جبکہ اس کا دامن علم اور عمل دونوں سے خالی ہے۔ تعمیل ارشاد صرف اس بنا پر ہو رہی ہے کہ حضرت خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن مرحوم کے ہم پر بہت سے علمی اور روحانی احسان ہیں اور یہ اظہار تشکر کی ایک ناچیز کاوش ہے کیا معلوم حضرت خطیب الاسلام کی روح یہیں کہیں موجود اپنے مخصوص لہجے میں کہہ رہی ہو۔

اک حرف دل نشیں ہوں مجھے بھولیے نہیں
آواز دوستاں ہوں' مجھے یاد کیجئے
وہ کاروان شوق جو رستے میں لٹ گیا
میں اس کا اک نشاں ہوں مجھے یاد کیجئے

(پروفیسر) محمد اقبال جاوید

Marfat.com

اعتراف

پروفیسر محمد اقبال جاوید
صدر شعبہ اردو گورنمنٹ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ

اہل نقد و نظر کا خیال ہے کہ اسلوب' فکر اور جذبے کے اظہار کا نام ہے۔ خیالات عام فہم پیرائے میں ادا ہو جائیں تو اسے نثر کہیں گے اور جذبات ایک مترنم ہیئت کے سانچے میں ڈھل جائیں تو وہ نظم کہلائیں گے۔ نثر میں براہ راست نوعیت کی ایک واضح اور قطعی صورت ہوتی ہے تاکہ بات جلد سے جلد قاری کے ذہن تک پہنچ جائے' جبکہ شعر میں ایک رومانی فضا ابھارنے کے لیے ابہام و ایہام کی بلاغت' بحور و قوافی کی نغمگی اور بیان و بدیع کی مجاز آفرینی سے اس لیے کام لیا جاتا ہے کہ جذباتی کیفیت سے قاری کا وجدان تاثر قبول کرے مگر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خیال اور جذبہ الگ الگ نہیں رہ سکتے بلکہ اس انداز سے گھل مل جاتے ہیں جیسے کسی نے دودھ اور شہد کو ملا کر جام زمردیں میں ڈال دیا ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کسی کی نثر میں شعر کے تیور آ جاتے ہیں اور کسی کی نظم پر نثر کا گمان گزرتا ہے۔

"یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ وہ ادبی تخلیق جس کو ہم ہیئت کے اعتبار

Marfat.com

سے نظم کہتے ہوں' شعریت سے بالکل محروم ہو اور اس کے برخلاف وہ شہ پارہ ادب جو ظاہری خد و خال کے لحاظ سے نثر کے زمرے میں آتا ہو' زبان و بیان کی لطافتوں کے باعث ہزاروں شعروں پر بھاری ہو" اے

اسی نوع کی وہ آراستہ نثر تھی کہ اسے دیکھ کر حسرت موہانی کہہ اٹھے تھے کہ

اب

ع نظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

"مقالات خطیب الاسلام " کی خوبصورت نثر اسی خیال کی موید ہے اور یہی خیال احقر کے اشہب قلم کے لیے مہمیز کا کام دے رہا ہے۔

مرے لہجے میں آئی ہے حلاوت
جمال ہم نشیں تیرے اثر سے

خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسنؒ' برصغیر کی اس تابناک تاریخ کا ایک ورق ہیں جس پر فکر و نظر اور شعر و ادب کی کہکشاں بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔ تب علامہ اقبال کی مفکرانہ عظمتوں' مولانا ابوالکلام آزاد کی عالمانہ وجاہتوں' مولانا ظفر علی خاں کی ادیبانہ رفعتوں اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خطیبانہ زمزموں سے برصغیر گونج رہا تھا۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہؒ نے ان دیو قامت شخصیتوں کے ہالے میں اپنی انفرادیت کو منوایا۔ وہ ان شخصیتوں سے یقیناً" متاثر بھی ہوئے مگر رنگ' ڈھنگ اور آہنگ ان کا اپنا رہا۔ بلکہ اپنی گفتار اور اپنے کردار سے انہیں بھی متاثر کیا۔

وہ ایک خطیب تھے کہ بولتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ ایک تختہ چمن کھلا ہوا ہے اور رنگا رنگ پھول شاخ گفتار سے جھڑتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک ادیب تھے کہ قلم اٹھاتے تھے تو لولوئے لالا بکھرتے چلے جاتے تھے' ایک طبیب تھے کہ اللہ تعالی نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھ دی تھی' ایک شاعر تھے کہ جب بھی خلوت میسر آتی تھی تو جملوں کی موزونیت' مصرعوں میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ ایک صوفی تھے کہ عالم کثرت میں' حسن وحدت کے تمنائی اور تماشائی رہتے تھے' وہ خانقاہی مزاج رکھنے کے باوجود' وقت کی ہر کربلا میں رسم شبیری ادا کرنا فرض سمجھتے تھے

Marfat.com

ع اک شخص جس میں جمع تھا گلزار اب کہاں

وہ برصغیر کی سیاسی اور دینی تحریکوں میں حسن استقامت کے والہانہ پن کے ساتھ شریک رہے۔ ان کی سوچ سے اختلاف تو ہو سکتا ہے مگر ان کے خلوص عمل اور جوش عمل دونوں سے انکار مشکل ہے۔ اختلاف کے باوصف' عظمت کا اعتراف' خود عظمت کی دلیل ہوا کرتا ہے۔

زیر نظر اوراق میں ان کی تقریریں بھی ہیں اور تحریریں بھی۔ یہ ادب پارے ایک دینی اور سیاسی شخصیت کی ادبی اور فکری زندگی کا ایک گراں بہا ورثہ ہیں۔ اس ورثے میں وقعت بھی ہے اور وقار بھی' لطف بھی ہے اور لطافت بھی' شستگی بھی ہے اور شائستگی بھی اور دور حاضر کی بے ذوق فضا کو فی الواقع اس ادبی فیضان کی ضرورت تھی کہ نسل نو روز بروز اسلاف کے نقوش پا کی تابانیوں سے محروم اور بیگانہ ہوتی جا رہی ہے۔ ان اوراق میں خطیبانہ انوار اور ادیبانہ افکار' حرف حرف لو دے رہے ہیں۔ دلیل کا حسن ہے کہ لفظوں کو دل میں اتارتا چلا جارہا ہے۔ ان تحریروں میں خبرو نظر اور جذب و جنوں کا ایک کیف افزا امتزاج ہے۔ حق یہ ہے کہ صاحب تحریر نے ایک طویل دور کو متاثر کیا۔ وہ عہد آفرین اور ہمہ جہت وجود تھے۔ اور ظاہر ہے کہ صرف لفظوں کی شطرنج سے ایک عرصے تک ساحری قائم نہیں رہ سکتی۔ اور نہ محض مقفی عبارت کی جادوگری سے قلوب مسخر ہو سکتے ہیں۔ جب تک زبان' دل کی رفیق نہ ہو' بات میں قلندری کے انداز نہیں آیا کرتے۔

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک' خیال بلند و ذوق لطیف

فنی طور پر لفظوں کو دل کی دھڑکنیں اعجاز بنایا کرتی ہیں۔ بانسری تو لکڑی ہی کی ہوتی ہے مگر یہ بجانے والے کا دل ہے کہ نغمے کی شکل میں پھوٹتا' ابھرتا اور ابلتا ہے اور سامعین کو یوں متاثر کرتا ہے جس طرح شاخ گل میں باد سحرگاہی کا نم سما جاتا ہے۔ ساز کی رگوں میں جب تک صاحب ساز کا لہو رواں دواں نہ ہو' فن' معجزہ نہیں بنا کرتا۔ ان اوراق میں انشائے لطیف کے بہت سے ایسے شہ پارے ہیں کہ ان سے

Marfat.com

ذوق سلیم مدتوں مسحور لذت رہ سکتا ہے۔ وہ برجستہ اشعار سے اپنی نثر کی لے تیز کر دیتے ہیں۔ اور کہیں تو یوں لگتا ہے کہ ان کے حسن استعمال سے خود اشعار کو شگفتگی مل گئی ہے اور وہ اس سے پہلے اپنے مفہوم' موقع اور محل کی تلاش میں تھے' وہ اکثر اقبال کے اشعار سے اپنے جملوں کو اس قدر جاندار اور توانا بنا دیتے ہیں کہ وہ ایک مردانہ وقار اور ایک چھا جانے والی ادا کے ساتھ قاری کے دل اور جگر دونوں کو رضا مند کر جاتے ہیں۔ تیر نیم کش کی یہ صلاحیت' اقبال کے تاثر کا ایک دل آویز نتیجہ ہے کہ اقبال' بلال مشرق بھی ہے اور کلیم ایشیا بھی۔ اس کی فکر اسی لیے انقلاب آفرین ہے کہ اس کی فکر کا محور اسلام ہے اور ۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں' لا الہ الا اللہ

یہی وہ بنیادی خصوصیت ہے جس نے ان تحریروں کو ایک سرمدی کیف اور ایک ابدی سرور عطا کر دیا ہے سچی بات یہ ہے کہ

"ہر تعمیر و تخلیق کا سرچشمہ مذہب ہی رہا ہے۔ خواہ وہ تعمیر و تخلیق کسی نام سے کسی وقت آئی ہو" ۲۔

چونکہ اسلام آخری ضابطہ حیات ہے اس لیے اس کا انقلاب آفرین ہونا لازم ہے۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن کی تحریر اور تقریر کی ایک نمایاں خصوصیت خوبصورت لفظی مترادفات کا ایک رواں دواں دھارا ہے۔ اس دھارے کی روانی اور خروش دیکھ کر وہ دریا یاد آ جاتے ہیں جو سنگلاخ راستوں میں بھی موج خرام یار کی طرح گل کترتے چلے جاتے ہیں۔ لفظوں میں شبنم کی لطافت اور تلوار کی کاٹ اس وقت تک نہیں آ سکتی جب تک وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ کسی نگاہ کا فیض شامل نہ ہو۔ محض مکتب کی پابندی تو آداب فرزندی نہیں سکھایا کرتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ شاہ صاحب کی ہر تحریر کسی نہ کسی رنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے مستنیر ہے۔ بلکہ یہی ایک حوالہ' پھلتے' پھولتے اور پھیلتے ہوئے ایک نورانی ہالہ بن کر ہر شے

Marfat.com

کو محیط ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ فیض ہے اس ذات گرامی قدر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا' جس سے ہر دور کی ہر فکر کو رعنائی' ہر بات کو دانائی اور ہر ذات کو توانائی ملتی رہی ہے۔ حسن' جہاں بھی ہے جس شکل میں ہے' وہ اسی بارگاہ ناز کا مرہون منت ہے۔

ہر کجا بنی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نور مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

انسان اپنے بڑوں اور ہم عصروں سے تاثر ضرور لیتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ خطیب الاسلام نے اپنے ماضی اور حال کے اکابرین سے استفادہ ضرور کیا مگر افصح العربؐ کی مکمل تقلید اور کامل محبت ہی نے ان کے لفظوں کو جمال و کمال کے وہ سانچے دیئے کہ ان کی نثر کے سامنے' وہ شاعری بھی شرمندہ ہے جس کا کام ہی موسیقیت کی میزان میں تل کر' سحر حلال بننا ہے۔ ماننا پڑتا ہے کہ۔

شعر و ادب بھی' آہ و فغاں بھی ہے ان کا فیض
پیش حضورؐ اپنی متاع ہنر کریں

یہ فیصلے بھی بڑے کرم کے ہیں اور یہ بات بھی بڑے نصیب کی ہے۔ ورنہ منافق کو توفیق ثنا ملتی ہی کب ہے' وہاں تو کوشش کے باوجود زبان گنگ اور ہاتھ شل رہتے ہیں کہ منافقت فکر و عمل کی وہ دھند ہے جو تاریکی سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اور احقر کے نزدیک حمد و نعت کے میدان میں زبان بعد میں کھلتی اور قلم بعد میں اٹھتا ہے اور منظوری پہلے ہو جاتی ہے۔

نعت میں کیسے کہوں ان کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینا ہے ثنا سے پہلے

حقیقت یہ ہے کہ سید فیض الحسن شاہ کی یہ تحریریں' قبولیت کے شرف سے مشرف ہیں اور اسی شرف نے صاحب تحریر کو خاصان بارگاہ میں سے بنا دیا ہے۔

قلم نے چوما جب امیؐ لقب کے ہاتھوں کو

Marfat.com

صحیفہ ہائے ادب نے بلاغتیں پائیں
دلوں نے سوز' دماغوں نے سوچ' ذہن نے لفظ
زباں نے صوت' خیالوں نے حرمتیں پائیں

تصوف کی گھلاوٹ صاحب موصوف کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کی فطرت کا ایک گراں بہا عنصر تھی' نتیجہ معلوم کہ ان کے سیمابی پیکر کو طمانیت کی وہ عظمت مل گئی جہاں دنیا بھر کی محبتیں' ایک محبت میں ضم ہو جاتی اور جگر کے زخم کیف دینے لگ جاتے ہیں۔

سرشت عشق طلب اور حسن بے پایاں
حصول تشنہ لبی ہے شدید تشنہ لبی

اس عشق طلب فطرت کو "جمال ختم نبوت" نے یوں جلا بخشی کہ وہ عمر بھر انگریز اور اس کے خود کاشتہ پودے کا تعاقب کرتے رہے۔

پہلے ہی خاک دل تھی مری فخر کائنات
اب پوچھنا ہی کیا کہ تری رہگذر میں ہے

سارقین نبوت اور ان کے سرپرستوں کے لیے ان کا شعلہ گفتار ہر آن بھڑکتا اور لپکتا رہا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم المرسلینی کا پرچم بے روک ٹوک لہرانے لگا "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہمارا قبلہ مراد اور کعبہ ذوق ہے۔ انؐ کی ختم المرسلینی پر ساڑھے تیرہ سو برس میں کئی رہزنوں نے دست درازی کرنا چاہی لیکن وقت کی غیرت نے انہیں نقش آب کی طرح محو کر دیا' اور ان کی قبروں کے نشان فطرت کی دستبرد سے غبار معصیت ہو کر اڑ گئے" (۳) یہ ایک بے غبار صداقت ہے کہ اسی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سید مرحوم کی ذات کو وقار اور ان کی بات کو اعتبار عطا کر رکھا تھا۔ کہ یہی جذبہ' وجہ وجود کائنات ہے اور اسی اساس پر ہمارے ایمان کے ایوان قائم ہیں ورنہ

ع رکھا ہی کیا ہے جہان خراب میں

خطیب الاسلام صاحبزادہ فیض الحسن کی بے ساختہ نثر میں بھی اس قدر منطقی ربط ہے کہ ہر

Marfat.com

لفظ اپنے اپنے مقام پر ایک نگینہ ہے کسی حک و اضافے اور تغیرو تبدل سے کسی مزید خوشنمائی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ وہ لفظ اسی مقام کے لیے آسمان سے اترا تھا۔ آپ کے لفظی مترادفات اور تراکیب میں کوئی مشکل پسند پیچیدگی نہیں ہے۔ بلکہ ایک نوع کا نغماتی حسن ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تغزل اور ایمائیت نے ان کی نثر کے تیور سنوار دیئے ہیں۔ اسے شعر منثور کہہ لیجئے یا نثری نظم کا نام دے لیجئے۔ ان کے ہاں آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔ لفظوں کی مترنم شگفتگی اور جملوں کا صوتی حسن' بات بات میں اک بات پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی لب اعجاز پر نطق ناز کیا کرتا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے حسن نگارش کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے نیاز فتحپوری ایسا ادیب و نقاد بے ساختہ کہہ اٹھا تھا کہ

"آپ کا لب و لہجہ' آپ کا انداز بیان' واللہ مجھ سے تو وداع جاں چاہتا ہے۔ اگر آپ کی زبان میں کوئی گالیاں دے تو میں اس کو ہر وقت چھیڑا کروں کہ

ع　　کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں"۴۔

خطیب الاسلام فیض الحسن شاہ نے بھرپور سیاسی زندگی گزاری' دینی تحریکوں میں بھی حصہ لیا' ظاہر ہے کہ ان میدانوں میں ہر مکتب فکر' ساتھ نہیں دیا کرتا۔ لوگ مخالف بھی ہوتے ہیں' یہاں اظہار کی معمولی سی شدت اور بیان کی ہلکی سی حدت بھی دست و بازو کے تصادم تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر شاہ صاحب نے اس میدان میں بھی قدم قدم لفظ کی عصمت اور زبان کی آبرو کو قائم رکھا۔ نہ زبان کو بے اعتبار ہونے دیا نہ بیان کو بے وقار۔ انہوں نے مخالفت میں بھی شرافت کے معیار کو قائم رکھا۔ اور کہیں بھی لفظوں کو خفیف نہیں ہونے دیا۔ گالیاں سن کر وہ بے مزہ ضرور ہوتے تھے کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ مگر گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہر مقام پر اعتدال کے حسن کو قائم رکھا وہ خوب سمجھتے تھے کہ بے اعتدالیاں انسان اور زبان دونوں کو سبک بنا دیتی ہیں۔ الفاظ خود نہ بر محل ہوتے ہیں نہ بے محل نہ فصیح نہ بلیغ' طرز استعمال انہیں سلیقہ اور قرینہ عطا کرتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ

Marfat.com

لفظی رعنائیوں میں الجھ کر' قلم مفاہیم و مطالب نظرانداز کر جاتا ہے۔ مگر سید فیض الحسنؒ کے ہاں خوبصورت الفاظ کے خزانے بھی ہیں اور دلائل و براہین کے انبار بھی۔ اور انہی کے امتزاج سے ان کی تحریر و تقریر' قلب و نظراور ہوش و خرد شکار کرتی ہے۔ ان کے ہاں جوش کے ساتھ ساتھ تاثیر بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ الگ بات کہ لفظی شکوہ سے مسحور ہو کر قاری یا سامع دلائل کی طرف متوجہ نہیں ہوتا غالباً" یہی وجہ ہے کہ بطور مقرر تو انہیں ایک دنیا جانتی اور پہچانتی ہے۔ مگر بطور ادیب و شاعر ان سے بہت کم لوگ متعارف ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ

"بعض جامع الصفات شخصیات اپنے تمام تر علمی تبحراور فضیلت کے باوجود ایک المیے سے دوچار رہتی ہیں وہ یہ کہ ان شخصیات کا وہ پہلو جو دوسرے پہلوؤں کی نسبت زیادہ فعال اور پر اثر ہوتا ہے۔ اس قدر غالب حیثیت اختیار کر جاتا ہے کہ دوسرے پہلو شخصیت کی صدائے بازگشت بن کر رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ غالب تاثیر رکھنے والے پہلو سے دب جانے والے دوسرے پہلو بھی اپنے اپنے مقام پر جامعیت اور ہمہ گیری کے حامل ہوتے ہیں" ص ۵۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ صلاحیت عطا کی تھی کہ وہ خشک سے خشک موضوعات کو بھی حسن ادا سے رعنا بنا سکتے تھے ان کی خطابت میں ایک امنڈتے ہوئے سیلاب' ایک لپکتی ہوئی بجلی اور ایک برستے ہوئے بادل کی سی کیفیت ہوتی تھی ان کی طنزوں میں شگوفوں کی چٹک اور جملوں میں گیسوؤں کی گندھاوٹ ہوتی تھی۔ گو ذاتی طور پر وہ ایک نغمے کی طرح سلگتے رہتے تھے' زمانے کی ناقدری کے پیش نظر آخری عمر میں سوچا کرتے تھے کہ اب وہ محض ماضی کی ایک سبکدوش عظمت ہیں۔ مولا کریم نے انہیں ذہانت و خطابت کے بہت سے جوہر کچھ ایسے تناسب سے دیئے تھے کہ اب ان جیسا لانے کے لیے زمانے کو صدیوں کا سفر طے کرنا پڑے گا۔ وہ اپنی انفرادیت کا جمال' آنکھوں اور کانوں کے راستے دلوں تک اتار دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے۔ وہ لوگ جو انہیں صرف ایک شعلہ نوا خطیب ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان تحریروں

Marfat.com

کی روشنی میں انہیں ایک سحر طراز قلمکار کے اعتبار سے بھی پہچاننے لگ جائیں گے تصوف کے موضوعات پر ان کی تحریریں محض مطالعاتی نہیں ہیں بلکہ کیفیاتی اور ذاتی محسوس ہوتی ہیں' جب تک واردات جسم و جاں پر نہ بیت جائیں' بات نور و سرور سے محروم رہتی ہے۔

ان تحریروں میں بہت سے ایسے جملے ہیں جن میں فصاحت' بلاغت کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ ان فقروں میں تاریخ کی واقعیت' ادا کا حسن' شعر کی ایمائیت اور ادب کی زیبائی منتہائے کمال پر پہنچ کر ہم آہنگ ہو گئی ہے۔ انہیں پڑھ کر اس امر پر یقین سا آ جاتا ہے کہ

"شعرو ادب' گفتار و کردار کا جمال و کمال ہے"۶۔

سچ یہ ہے کہ اظہار و ادا کا کوئی میدان ہو' بندش الفاظ' نگوں کا جڑنا ہے۔ اور فن تحریر فی الواقع مرصع سازی ہے۔ اب لفظی مرصع سازی کے کچھ آویزے بھی دیکھیے اور ان سے ان کے باقی رشحات خامہ کے حسن ادا اور قوت استدلال کا اندازہ کیجئے میں نے چند مثالوں پر اکتفا کی ہے۔ زیادہ مثالوں سے قاری کے ذوق کی حق تلفی نہیں کی۔

حق و صداقت جب مجسم بن کر سامنے آتے ہیں تو پیکر نبوت بن جاتے ہیں

نبی کی خلوت اللہ کی دید اور اس کی جلوت اللہ کی شنید ہوتی ہے

محبت بغیر ادب و احترام کے نا تمام اور اطاعت بغیر محبت کے جسم بے جان سے زیادہ نہیں

عشق نبویؐ کا انداز ان سے سیکھیں' جن کے عشق کی تادیب خود حسن نے فرمائی

عالم شریعت میں اسؐ کی اطاعت' عالم طریقت میں اس کی محبت اور عالم معرفت

Marfat.com

میں اسی کی کیفیت مقصود مومن ہے۔

اس ؐ کی داستان حسین دنیائے باطن کے لیے وجہ تسکین اور عالم ظاہر کے لیے وجہ تزئین ہے۔

قطرے اسی نسبت سے بحر زخار اور ذرے اسی تجلی سے آفتاب نصف النہار بن گئے

خالق کائنات نے اسی گل رعنا کی نمود کے لیے مرغزار وجود کو سجایا

عشق و محبت' محویت مقصد کا نام ہے

رحمتہ اللعالمینؐ' ربوبیت کی انتہا ہے' اس لیے یہی وجہ بقا و ارتقاء ہے۔

حصول کمال کے لیے تصور کمال ضروری ہے

کائنات کی بقا اور ارتقا اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں خیر شر پر اور تعمیر' تخریب پر غالب ہے' یہاں تخریب بھی کسی نئی تعمیر کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

علامہ اقبال نے حواس پر مبنی عقل جزئی کے نتائج کو ہمیشہ مشکوک قرار دیا ہے۔ اس کو جویائے راہ تو سمجھا ہے لیکن دانائے راہ کبھی نہیں مانا۔

عارف کا نفس مطمئنہ جنت معرفت میں مقیم ہوتا ہے جہاں پھول ہی پھول ہوتے ہیں اور ریب یا عیب کا کوئی کانٹا موجود نہیں ہوتا۔

Marfat.com

وادی منیٰ سے لیکر وادی کربلا تک امت مسلمہ کو خوگر تسلیم و رضا بننے ہی کا سبق دیا گیا ہے۔

عقل جزئی' کنیز حیات تو ہے' دانائے ذات نہیں ہے

عقل بتاتی ہے۔ وجدان دکھاتا ہے۔ عقل سنگ میل تک جاتی ہے تو وجدان دیار حبیب تک پہنچاتا ہے۔

وحدت عمل سے مساوات وجود میں آتی ہے اور باہمی تعاون سے اخوت ابھرتی ہے۔

خارجی تخریب سے بچنے کے لیے داخلی تنظیم ضروری ہوتی ہے۔

صبر ایک حکیمانہ انتظار اور ایک مدبرانہ اعتبار ہے۔

آپ شب دیجور کی ظلمتوں کے باوجود طلوع سحر کے انتظار میں ہنس کھیل کر' ظلمتوں سے نباہ کرتے جائیں تو اس افتاد مزاج اور طرز کردار کو ہم صبر کے نام سے موسوم کریں گے۔

بیج سے لے کر ثمر تک اور آہ سے لے کر اثر تک قدرت کا اٹل ضابطہ قوانین کارفرما ہے۔

فتح کی مسرتوں میں دوسروں کو بھی شریک کیجئے اور شکست کی تلخیوں پر خود ہی مسکرا کر اسے گوارا بنا لیجئے

Marfat.com

نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں چلنا سعادت ہے۔ تھک کے گر جانا شہادت ہے اور منزل پر پہنچ جانا معراج ہے۔

ناتمامی، نقص یا عیب، دراصل عقل جزئی کی غلط بینی کی وجہ سے ہے کہ چشم احول کو اشیاء دو دو نظر آتی ہیں اور یرقان کا مریض ہر چیز کو زرد ہی دیکھتا ہے۔ پس دید سے پہلے تطہیر لازم ہے۔ اور تطہیر نگاہ کے بعد ہی کثرت میں وحدت اور جز میں کل کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ذکر یاد جمال اور تصور کمال کا نام ہے۔ ذکر کی مشق سے محبت پروان چڑھتی، بڑھتی اور ابھرتی ہے۔

تزکیہ، فطرت انسانی کی بیداری اور قبول حق کے لیے تیاری کا نام ہے۔

تعلیم و تربیت کا بنیادی اصول ابتدا میں صرف مرشد اور مربی کی ذات پر اعتماد ہے۔ تنقید اس راہ کا حجاب ہے اور تسلیم پر حصول فیض کا مدار ہے۔

قحط الرجال کے اس دور پر آشوب میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب تو شاید وہ قلم ہی ٹوٹ گئے ہیں جن کی نوک پر اس نوع کا حسن مچلتا تھا۔ اب تو ان اقدار کو بھی بے اعتبار بنایا جا رہا ہے جن سے لو لگا کر فکر و عمل بیدار و بالیدہ ہوا کرتے تھے۔

ادیب و شاعر عموماً" وقتی ہنگاموں اور سیاسی آویزشوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ وہ ایک گوشہ عافیت ہی میں انجمن بسائے رکھتے اور خود کو محشر خیال سمجھتے ہیں لیکن صاحبزادہ سید فیض الحسن کی زندگی انتہائی ہنگامہ خیز رہی۔ وہ اپنے پورے خطیبانہ شکوہ کے ساتھ استعماری اور لادینی قوتوں سے ٹکراتے رہے انہیں ہنگاموں میں بھی خلوت کا لطف ملتا رہا۔ اور انہی ہنگاموں میں ان کا ادب نکھرتا اور فکر سنورتا رہا۔ وہ بجا طور

Marfat.com

پر یہ کہہ سکتے تھے کہ۔

اپنی تقریروں کو سوزِ جاودانی بخش کر
پانچ دریاؤں کے پانی کی روانی بخش کر
میں نے شاہوں کے تخت روند ڈالے دوستو
میں نے تاج و تخت نیزوں پر اچھالے دوستو

ان کے ہاں ایک عجیب بے قراری کی سی کیفیت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو دلِ حساس اور دیدہ بیدار عطا ہوا ہو اور منزل کا نور بھی دور نظر آ رہا ہو تو رگ رگ میں ایک سیمابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حسرت موہانی نے گفتارِ محبوب میں جس "تاثیرِ برقِ حسن" کا ذکر کیا ہے وہ تاثیر شاہ صاحب کو ودیعت ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ایک ایسی "لرزشِ خفی" بھی عنایت ہوئی تھی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو اس کے اندر ہے
اک رقص تو ہے، اک وجد تو ہے، بے چین سہی، برباد سہی

یاد رہے کہ صحرائے نجد کی ساری آبرو ایسے بے چین بگولوں ہی کا فیض تھا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے علامہ اقبال کے بارے میں لکھا تھا کہ

"مرحوم کو صرف شاعر سمجھ لینا، یا یہ کہ ان کے خیالات یا تصورات تمام کے تمام ان کے کلام میں مقید ہو چکے ہیں، بڑی غلطی ہے۔ مرحوم کی فکر و نظر کا بہت کم حصہ ان کے کلام میں منتقل ہوا ہے۔ وہ بہت کچھ جانتے تھے اور یہی نہیں بلکہ اکثر کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے بعض بالکل ہی نئی باتیں دورانِ گفتگو میں ان پر کسی کوشش کے بغیر منکشف ہو گئیں۔"

بعینہ حضرت خطیب الاسلام صاحبزادہ فیض الحسن شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں یہ تصور کہ ان کا مبلغ علم ان کی صرف چند تقریروں تک محدود تھا، نا انصافی ہے۔ ان سے مل کر اور انہیں سن کر (اور اب انہیں پڑھ کر) ان کے فکری بلوغ اور علمی رسوخ کا اندازہ ہوتا تھا اور بعض اوقات یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا

86546

Marfat.com

وجود عناصر اربعہ سے نہیں' فنون لطیفہ سے بنا ہوا ہے۔ ان کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگا لیجئے کہ وہ قرآن و حدیث کے غائر مطالعے کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی شعر و ادب کا ایک قابل قدر ذوق رکھتے تھے۔ اور یہ بات قارئین کے لیے خوشگوار حیرت کا باعث ہوگی کہ وہ بدو شعور ہی سے انگریزی ادب بالخصوص فکشن کے مطالعہ کے انتہائی شائق تھے۔ ایک بار جب ان سے اس بارے میں استفسار کیا گیا ۸۔

تو انہوں نے فرمایا کہ انگریزی فکشن میں منظر کشی کا کمال مجھے دوران تقریر میں' انتہائی مدد دیا کرتا ہے۔ گویا ان میں "مطالعاتی تعصب" نہیں تھا بلکہ وہ ہر حکمت کے شیدائی تھے۔ جہاں بھی ہو' جس رنگ اور جس شکل میں ہو۔ وہ اسے اپنا ہی ورثہ سمجھتے تھے۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا ایں خیر را بنی بگیر

مطالعہ کے اسی تنوع کا فیض تھا کہ وہ جدید معاشی' سائنسی اور نفسیاتی مسائل سے کما حقہ' آگاہ تھے۔ اسی لیے ان کی خطابت کے مواد اور انداز دونوں میں یکسانیت نہیں ہوتی تھی بلکہ موقع اور محل کے مطابق ان میں بو قلمونی' رعنائی اور کشش ہوتی تھی۔ ان کا طرز تخاطب' مساجد میں عالمانہ' حکماء کی محفل میں فلسفیانہ' کالجوں میں فاضلانہ اور سیاسی جلسوں میں والہانہ ہوا کرتا تھا۔ وہ حاضرین کی نگاہوں کے زاویوں سے مضمون چنتے اور ان کی جبینوں کی سلوٹوں سے اپنی تقریر کا تار و پود تیار کرتے تھے۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ وہ مقرر ہی کیا جو خود موقع کے مطابق ڈھل کر سامعین کو اپنے ذوق کے مطابق ڈھالنا نہ جانتا ہو۔

"ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بچوں کی معصوم مسکراہٹ لو دیتی تھی۔ ان کے فقروں میں برنائی اور رعنائی ہوتی تھی جیسے کسی نے مروارید کی لڑیاں پرو دی ہوں ان کی ہر تقریر کہکشاں معلوم ہوتی تھی۔ الفاظ قوس قزح' مطالب عقد ثریا' وہ سامعین کو سوچنے کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے۔ جس تیزی سے خود بہتے' اسی تیزی سے سامعین کو ساتھ لے جاتے تھے۔

Marfat.com

وہ دماغوں کو پرستش نہیں' پرستش سکھاتے تھے' ان کے ہاں عقیدہ غالب تھا اور اس عقیدے ہی کے زور پر وہ دلوں کو شکار کرتے ہوئے' ایک شہسوار کی طرح اڑے چلے جاتے تھے' ان کی زبان ادیب کی' لہجہ خطیب کا اور اسلوب شاعر کا تھا" ص ۹

آج فارسی اور عربی کا ذوق ناپید ہے' نتیجہ معلوم کہ اردو بھی فصاحت سے محروم ہوگئی ہے' اب جا' کل آ' ڈرمت قسم کی زبان فضیلت کا نشان بنی ہوئی ہے۔ زبان ہی نہیں ذہن بھی بگڑ چکے ہیں۔ اور خود غلط' املا غلط' انشاء غلط" قسم کے لوگ "سجان وقت" بنے ہوئے ہیں۔

آج دانشور "کا لفظ اپنا مفہوم کھو چکا ہے۔ ہر وہ شخص جو فکری صالحیت سے تہی اور اعتدال و احتیاط کے تقاضوں سے بے نیاز ہو' دانشور کہلا رہا ہے۔ لبرل ازم کی آڑ میں اسلام اور شعائر اسلام کی توہین نا بغہ ہونے کی دلیل بنی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے ہی بے دین و دانش لوگ' سیرت خیرا لبشر صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نکتہ چیں رہے اور اہل مغرب کے ہاں "ابو الحکم" سمجھے جاتے ہیں۔ نتیجہ بہرکیف دنیاوی اور اخروی رسوائی ہے۔ یہ بے بصر' آنکھیں رکھتے تو دیکھتے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت دیکھ کر تو خود عظمت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ اسی عظیم و جلیل شخصیت نے دانش و حکمت کے بارے میں فرمایا ہے۔

راس الحکمتہ مخافتہ اللہ

گویا دانش کی اصل اور اس کا سرچشمہ' اللہ کا خوف ہے۔ دانشوری اسی سے پھوٹتی اور اسی سے بال و پر لیتی ہے۔ یہ حدیث ہے۔ اس زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے جو ہمیشہ سچائیوں ہی کے لیے کھلتی تھی۔ گویا دانشور وہ ہے جس کی نگاہوں میں حیا کی معصومیت' دل میں ایمان کی حلاوت اور اعمال میں خشیت الٰہی کی جھلک موجود ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ ماضی میں حمد و نعت کو صنف سخن بھی نہیں سمجھا جاتا تھا اور اسلامی ادب کو رجعت پسندی قرار دیا جاتا تھا خواہ اس میں فکر کی کتنی ہی لطافتیں اور انشاء کی کتنی ہی نظافتیں موجود ہوں۔ مقام شکر ہے کہ آج ہر قلم حمد و نعت کی توفیق مانگ رہا

Marfat.com

ہے۔ حق یہ ہے کہ "دانشور" وہی ہے جو قلم کی عصمت کو قائم رکھتا اور لفظوں کو بے آبرو ہونے سے بچاتا ہے۔ کیونکہ خدا کا خوف' قلم اور قدم دونوں کو بے مہار نہیں ہونے دیتا۔

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کے رشحات خامہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے لبریز ہیں۔ ان میں بیان حسن بھی ہے اور حسن بیان بھی' اکثر مقامات پر لفظ ماء تسنیم میں ڈوبے ہوئے اور آب کوثر سے دھلے ہوئے لگتے ہیں۔ فکر کی یہ کشود اور لفظوں کی یہ کشید' انفرادی کاوش کا نتیجہ کم اور عطائے محبوب زیادہ ہے۔

لفظ جب تک وضو نہیں کرتے
ہم تری گفتگو نہیں کرتے

اور جسے نگاہ ناز' آشنائے راز بنا لے' اس کی خوبی قسمت میں کون سا شک باقی رہ جاتا ہے۔ ولولہ اور جذبہ' عشق اور آشفتگی ہی سے پروان چڑھتا ہے۔ کہیں آشفتگی' مجاز کی پر فریب وادیوں میں بھٹک کر' عمر بھر بے مزہ رہ کر دم توڑ دیتی ہے اور کہیں حقیقت کی ایک جھلک پا کر' ایمان و ایقان کی دلیل بن جاتی ہے۔ کہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتی اور اسیر و نخچیر ہو کر بھی یوں پر سکون رہتی ہے۔

ع جیسے اک زخمی پرندہ آشیاں تک آ گیا

"عشق کے مذہب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ خلا میں معلق نہیں رہ سکتا۔ اس کو اپنی نمود کے لیے کسی نشانے یا موضوع کی ضرورت ناگزیر ہے۔ اسی سے ان تمام پرستشوں اور عبادتوں کا آغاز ہوا' جو مختلف مسلکوں اور مشربوں سے وابستہ ہیں۔ مجازی دل بستگیوں سے لے کر عشق حقیقی کی انتہائی چسپدگیوں تک اس راستے میں اتنی رنگا رنگیاں ہیں کہ قلم ان کے استقصا پر قادر نہیں" ص ۱۰

"عشق کے اسی جذبے نے سید فیض الحسن شاہؒ صاحب کو عمر بھر بے چین رکھا اور بالآخر عمر بھر کی بے قراری کو گنبد خضریٰ ہی کے خنک سائے میں قرار آیا اور وہ ہر

Marfat.com

ساعت اس بات کے آرزو مند رہے کہ سکون و عافیت کے اس ماخذ تک ہر ایک کی رسائی ہو جائے اور ہر زخم خوردہ کو یہ احساس ہو جائے کہ یہی وہ دیوار ہے جس سے ہر دکھتی ہوئی پیٹھ ٹیک لگا سکتی ہے۔"۱۰

خود وقت کو ملتا ہے سکوں ان کی گلی میں
سنتے ہیں وہاں گردش ایام نہیں ہے

ان مضامین میں مغربی حکماء کے حوالے بھی ملیں گے اور اس امر کا ثبوت بھی کہ ان کی سرگرداں عقل جس منزل تک آج پہنچی ہے۔ اس کی نشاندہی صدیوں پہلے عرب کے اس عظیم و جلیل امی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کر دی تھی جو فی الحقیقت علم کا شہر تھا۔ جو مقام تکمیل سے بولتا تھا۔ اور جس کی بات کو کسی مشاہدے' کسی تجربے اور کسی نتیجے کی حاجت نہ تھی' ان مضامین میں دور حاضر کی فلسفیانہ موشگافیوں پر شریعت و طریقت کا تفوق' مغلوب گماں دلوں کو یقین کی سرخوشی عطا کرتا ہوا ملے گا۔ صاحب تحریر کی سعی یہی ہے کہ تن کی دنیا میں الجھے ہوئے لوگوں کو' من کی دنیا کے اس سرور سے آشنا کیا جائے جو دنیاوی رعنائی اور اخروی سرخروئی کا دیباچہ ہے۔

اشک عنابی سلامت' چشم پر خوں چاہیے
غازہ جاں کی بدولت چہرہ گلگوں چاہیے

یہ امر وجہ انبساط ہے کہ جس طرح زندگی میں سبھی مکاتب فکر' صاحبزادہ سید فیض الحسنؒ کے قدر دان تھے۔ اسی طرح ان کے یہ مقالات بھی' اپنے اندر کوئی ایسی اختلافی بات نہیں رکھتے جس سے کسی جبیں پر کوئی شکن ابھرے۔ انہوں نے کہیں بھی حکایت کو شکایت نہیں بننے دیا ------ جہاں تک طریقت کا تعلق ہے' سچے تصوف کا منکر کوئی بھی نہیں ہے' کیونکہ راستہ دکھانے والے کی ضرورت ہر دور کے ہر مسافر کو رہی ہے سبھی کے اسلاف' مرشد کی ضرورت' ذکر کی اہمیت' مراقبے کی محویت اور عرفان کی عظمت کے گرویدہ رہے ہیں۔ افسوس کہ شوق بے معرفت نے ذوق حقیقت کو دھندلا دیا ہے۔ اور سچ کی پہچان بھی مشکل ہو گئی ہے۔

Marfat.com

کسی کی زلف پریشاں‘ کسی کا دامن چاک
جنوں کو لوگ تماشا بنائے پھرتے ہیں

بات اسی تماشے سے بگڑی ہے۔ اور رد عمل بسا اوقات شدت اختیار کر جاتا ہے۔ ورنہ حق‘ حسن اور خوشبو کو کسی اشتہار کی حاجت نہیں ہوتی کہ

ع قبائے گل میں‘ گل بوٹا کہاں ہے

"مقالات خطیب الاسلام" کی بیشتر تحریریں اپنے اندر روا روی اور بے ساختگی کی کیفیت لیے ہوئے ہیں‘ محسوس ہوتا ہے کہ دل میں کوئی لہر اٹھتی ہے اور کاغذ پر نقش ہو جاتی ہے۔ لوگ انہیں اصرار کے ساتھ لے جاتے تھے تو ہزاروں دل ان کی گفتار کے نرغے میں ہوتے تھے وہ بات سے بات پیدا کر کے سامعین کو ہنساتے‘ رلاتے اور تڑپاتے چلے جاتے تھے"مقالات خطیب الاسلام" ایک انتہائی "تیز گفتار" اور سیف زبان مقرر کے لفظ لفظ کو زنجیر کرنے کی ایک کامیاب سعی ہے کہ وہ تو ہوا کی چال چلتے اور خوشبو کے لہجے میں بولتے چلے جاتے تھے۔ اب یاد ہی باقی رہ گئی ہے۔

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

"خطیب الاسلام حضرت صاحب زادہ فیض الحسنؒ ایک روح دلنواز‘ ایک گلشن لازوال اور ایک پیکر جمال و کمال تھے‘ وہ آسمان خطابت کا نیر تاباں‘ ہمت و جرات کا کوہ گراں‘ محبت و مروت کا تابندہ نشاں‘ علوم طریقت کا بحر بیکراں اور سادات کے قافلے کے حدی خواں تھے" [11]

کاش وہ اپنی کیفیات‘ اپنے تجربات اور اپنے حالات ارادی طور پر سپرد قلم کر جاتے تو مستقبل کے مورخ کو ماضی کے حقائق تک پہنچنے میں بہت آسانی ہوتی۔

یہ مقالات اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت للعالمینی تک اور صحابہ کرامؓ کی رفعتوں سے لے کر اولیائے کرام کی عظمتوں تک کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ان کے مطالعہ سے ایک مسلمان کے دینی شعور کو پختگی‘ ایک ادیب کے ذوق فن کو آسودگی اور ایک فلسفی کی سرگرداں عقل کو منزل کی سرخوشی

Marfat.com

ملے گی۔ اس میں ذوق نظر کے بہت سے زاویے اور نشاط روح کی بہت سی کیفیتیں جلوہ گر ہیں' اسے نہ اہل نظر' نظرانداز کر سکیں گے' نہ تماشائی۔

انداز میں جذب اس میں سب شمع شبستاں کے
اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ

الغرض' حسن کا اظہار' لطیف لہجے میں ہو تو وہ ادب کہلاتا ہے گویا ادب وہ حقیقت ہے جو حسن میں بستی ہے۔ اور ادب کا مقصود' قاری کو ذہنی سرخوشی دے کر' اس کی روح میں مضمر جمالیاتی احساس کو گدگدانا ہے۔ جمالیاتی ادب کے یہی وہ سلسلے ہیں جو شرر لکھنوی سے شروع ہوتے سجاد حیدر یلدرم' نیاز فتح پوری اور خلیقی دہلوی کے ہاں سنورتے' ابو الکلام آزاد' ظفر علی خاں' صلاح الدین احمد اور شورش کاشمیری کے ہاں نکھرتے اور صاحبزادہ سید فیض الحسن کی ذات میں دمکتے اور آخری لپک لیتے محسوس ہوتے ہیں۔

ان کے نقوش زبان و قلم کا یہ تحفظ ایک قابل قدر ادبی اور دینی کارنامہ ہے۔ اظہار و بیان کو جمالیاتی کیف بخشنے والے ادیب و خطیب کم و بیش ناپید ہو چکے ہیں نتیجہ معلوم کہ قارئین و سامعین کے ذوق سلیم کی نہ تشکیل ہو رہی ہے نہ تربیت' نہ تعمیر ہو رہی ہے نہ تہذیب' جس نثر میں فکر اور نظر کی سنگت ہو' منطق' شعریت کے ساتھ ہم آغوش ہو۔ دل اور دلیل کا ایک حسین امتزاج ہو' وہ اپنے قارئین سے بھی ذوق کی انتہائی پاکیزگی کی طلب گار ہوا کرتی ہے ص۱۲" صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہؒ کے اٹھ جانے کے بعد' معلوم ہوتا ہے کہ اب فطرت نے وہ سانچا ہی توڑ دیا ہے جس میں ادب کی شگفتگی اور فکر کی شادابی ڈھلا کرتی تھی۔ اب وہ لوگ کہاں جن کی شکوہ گفتار اور جن کے اعتبار کردار کے سامنے وجدان و شعور دونوں دو زانو ہو جایا کرتے تھے ------ دور دور تک سناٹا ہے۔

ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا' اور گہرا ہوتا جاتا ہے

Marfat.com

ماخذ

۱۔ اسلوب اور اس کے عناصر ترکیبی۔ ڈاکٹر منظر عباس نقوی۔ نگار مسائل ادب نمبر ۱۹۶۸ء صفحہ ۴۹

۲۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ خطبات

۳۔ آغا شورش کاشمیری

۴۔ مولانا آزاد کی نثر نگاری۔ عبدالوحید رحمانی۔ الجمعیتہ دہلی۔ آزاد نمبر ۱۹۵۸ء ص ۹۸

۵۔ گلستان مدحت کا گل چیدہ۔ پروفیسر محمد اکرم رضا۔ ارمغان فیض۔ ۱۹۹۱ء صفحہ ۵

۶، ۷۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ اقبال۔ گنج گرانمایہ ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۴۶

۸۔ بروایت پروفیسر منصور احمد خالد۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ

۹۔ نگارشات شورش۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید

۱۰۔ ابوالکلام آزاد۔ امام عشق و جنوں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔ میر امن سے عبدالحق تک ۱۹۶۵ء

۱۱۔ پاسدار ختم نبوت۔ ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی۔ ارمغان فیض ۱۹۹۱ء ص ۴۵

۱۲۔ اردو نثر کی تاریخ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا عہد۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی۔ مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامہ۔ خلیق انجم۔ ۱۴۰۷ھ ص ۳۳۴

Marfat.com

حضرت خطیب الاسلام رحمتہ اللہ علیہ

کا

سوانحی خاکہ

تحریر: ابو البیان علامہ محمد سعید احمد مجددی

قافلہ سالار تحریک ختم نبوت' پاسدار ناموس رسالت' سلطان سلاطین اقالیم خطابت' نازش اولیائے آلو مہار' گلشن مجددیت کی بہار' میر کاروان احرار' عشق کا بانکپن' اقبال کا مرد مومن' قائد حریت' پیر طریقت' خطیب عجیب' ادیب لبیب' ادب وانشاء کاامام' خطیب الاسلام ایسے نظر افروز اور دل آویز رنگا رنگ اوصاف حمیدہ سے تشکیل پانے والی حسین و جمیل' سرو قامت شخصیت کانام نامی اسم گرامی صاحبزادہ سید فیض الحسن ہے خوش قسمتی سے آپ کو آلو مہار شریف کی وہ مقدس سرزمین میسر آئی جو ہمیشہ سے اولیاء کرام کا مرکز و محور رہی ہے۔ آلو مہار شریف شہر اقبال سیالکوٹ کے قرب و جوار میں ڈسکہ سے سیالکوٹ روڈ پر واقع بظاہر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے مگر حقیقتاً بڑے بڑے شہروں کا جاہ و جلال اور حسن و جمال اس کی دیواروں میں پوشیدہ ہے یہاں ایسے ایسے صاحبان کمال پیدا ہوئے جن کی ایمانی اور روحانی یادیں قلب گیتی

Marfat.com

پر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس قصبہ آلو مہار کی سرزمین کے ذروں نے زمانے کے اقطاب و ابدال کے قدم چومے۔ اس مئے خانہ سے روحانیت اور رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹے اور یہاں بادہ نوشوں کو ساقی کی کوتاہ دستی کی کبھی شکایت نہ ہوئی۔

ولادت اور تعلیم

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمتہ اللہ علیہ اسی روحانی مرکز آلو مہار شریف میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نقوی سادات کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ کے اسلاف خراسان میں اعلی ترین حکومتی عہدوں پر فائز تھے بعد میں ہجرت کر کے پہلے بھکر اور پھر آلو مہار شریف میں آباد ہو گئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی۔ میٹرک کے بعد مرے کالج سیالکوٹ میں امتیازی حیثیت سے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔

دینی تعلیم اپنے وقت کے جید علماء مولانا عبدالمجید سنبھلیؒ اور مولانا لطف اللہ کیرت پوریؒ سے حاصل کی۔ اپنے والد ماجد حضرت قبلہ پیر سید محمد حسین شاہ (سالک) رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۹۳۳ء میں سجادہ نشینی کی مسند سنبھالی' مشائخ چورہ شریف نے دستار بندی فرمائی' مسند ارشاد پر متمکن ہوتے ہی دینی اور ملی خدمات انجام دینے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

خانقاہ سے نکل کر میدان عمل میں کودے تو تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کے ہیرو بن گئے۔ بار ہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں ان کی زندگی کا کچھ حصہ جیل میں اور کچھ ریل میں گزرا۔ برصغیر کا شاید ہی کوئی شہر اور قصبہ ایسا ہو جہاں آپ نے پیغام حق نہ سنایا ہو۔ کلکتہ اور بمبئی سے لیکر سلہٹ کے میدانوں تک' سندھ کے ریگستانوں سے لے کر وادی خیبر کی ترائیوں تک' آپ کی مومنانہ للکار اور مجاہدانہ یلغار سے فرنگی حکمران لرز اٹھے۔

آپ گفتار اور کردار کے غازی تھے اور برصغیر پاک وہند میں سلسلہ خطابت کی

Marfat.com

آخری کڑی تھے۔ آپ کی تقریر موجہ کوثر و سلسبیل تھی' سلاست' متانت' فصاحت' بلاغت اور ظرافت کا سیل بے کراں' استعارات' مترادفات' تمثیلات واشارات کا یہ عالم کہ بڑے بڑے ادیب' خطیب اور اہل سخن تصویر حیرت بن جاتے۔ آپ کے لیے ہر موضوع ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی تھا ان کے جملے دریائی لہروں کی مانند رواں دواں ہوتے۔ انہیں وقت ٹھہر کر اور ہوائیں رک کر سنتی تھیں۔ وہ بولتے تو موتی رولتے' کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور عشق رسالت علی صاحبہا الصلوت و والتسلیمات میں ڈوبا ہوا بیان گویا۔

بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

آپ بلا شبہ شہریار اقلیم خطابت تھے۔ تقریر کرتے تو لفظوں کے گلدستے مہکتے' معانی کے ساغر چھلکتے اور جوش ولولہ کے سوتے ابلتے' آپ نے تحریک مسجد شہید گنج میں اپنی خطابت کو ضرب ید اللہی کے بانکپن کا نمونہ ثابت کر دیا تھا' شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک میں آپ کی پکار اور للکار نے مسلمانوں میں ایسا اعتماد اور اعتقاد پیدا کیا کہ علم الدین غازی نے راجپال کا خاتمہ کر کے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کی ذات عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کا مرکز اور اسلام کے جاہ و جلال کی علامت بن گئی۔

مجاہد اول تحریک ختم نبوت

تحریک ختم نبوت میں سول نافرمانی کے پہلے ڈکیٹیٹر آپ ہی تھے ۱۹۳۴ء میں مرزا محمود کی صدارت میں کشمیر کمیٹی بنی جس کے رکن حضرت علامہ اقبال بھی تھے۔ چنانچہ حضرت خطیب الاسلام نے علامہ اقبال کو صورت حال سمجھا کر کمیٹی سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔ قادیان میں جلسہ عام کر کے مرزائیت کو آپ نے ہی للکارا تھا۔ جہاں ختم نبوت کے لیے پچاس ہزار رضاکاروں کی بھرتی کا اعلان بھی آپ نے فرمایا تھا۔ کئی رضاکاروں نے اپنے خون سے حلف نامے لکھ کر پیش کیے تھے۔ (تفصیلات کے لیے جسٹس منیر کی تحقیقاتی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں' ختم نبوت کے لیے آپ کی قربانیاں دیکھ

Marfat.com

کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجاہدین جنگ یمامہ کے لشکر کے ایک سپاہی ہیں جو بچھڑ کر اس دور میں آگئے ہیں۔ آپ کی ایمان آفریں للکار نے باطل کے ایوانوں کو اس طرح سے لرزا دیا کہ پھر کبھی انہیں استحکام نصیب نہ ہو سکا اور بالآخر تاریخ کے عمل نے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زمین بوس کر دیا۔

حضرت خطیب الاسلامؒ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے مجاہد اول تھے۔ عشق رسول آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ شمع رسالت کا یہ پروانہ کسی خانہ ساز نبوت کا وجود کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ آپ کی زندگی کے تین اہم مقاصد تھے۔

۱۔ فرنگی سامراج کی مخالفت

۲۔ عقیدہ ختم نبوت کی محافظت

۳۔ پاکستان میں اسلامی نظام کی تنفیذ و اشاعت

انگریز کے خلاف آزادی میں آپ کا نام حریت اور جہد و عمل کی علامت بن گیا اور فرنگی سامراج آپ کے آوازہ حق سے لرز اٹھا۔

قادیانیت کے سحر باطل کے خاتمے کے لیے آپ نے نصف صدی تک جد و جہد فرمائی۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز آپ کی تقریر سے ہوا۔ اس تحریک میں پہلا قافلہ جو کراچی روانہ ہوا اور گرفتار ہو گیا' اس کی قیادت آپ فرما رہے تھے۔ ختم نبوت کے نام پر مجموعی طور پر آپ نے ساڑھے تین سال قید کاٹی۔ جیل میں آپ پر تشدد کی انتہا کر دی گئی۔ آپ کو برف پر لٹایا گیا۔ آپ نے یہ سب کچھ تقاضائے ایمان سمجھ کر قبول کیا۔ راہ حق میں ہر افتاد کو سینے سے لگایا مگر اف تک نہ کی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ۱۹۷۵ء (بھٹو کے دور اقتدار) میں تحریک ختم نبوت آپ کے ایما پر شروع ہوئی تھی جو بالآخر کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور مرزائیوں کو آئینی طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ تحریک ختم نبوت کی تاریخ سے واقف ہر صاحب ہوش جانتا ہے کہ ختم نبوت کے لیے سب سے پہلے گرفتاری دینے والے بھی آپ ہیں اور تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے سلسلے میں تمام تاریخ ساز جدوجہد میں آپ کا کردار شمع نور کی صورت جگمگاتا نظر آتا

Marfat.com

ہے۔ آپ کی زندگی کا جو عرصہ مجلس احرار میں گزرا وہ بھی عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے لیے وقف رہا' تحریک پاکستان میں وہ حامیان پاکستان میں شامل رہے اور قیام پاکستان کے مطالبے کے سلسلے میں قائد اعظم مرحوم کی پر زور حمایت کرتے رہے۔

صدر جمعیت علماء پاکستان

صدر جمعیت علماء پاکستان اور ناظم اعلیٰ جمعیت مشائخ پاکستان کی حیثیت سے آپ کے کارنامے تاریخ سنیت کا روشن باب ہیں' آپ نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک جمعیت علماء پاکستان کے صدر اور جمعیت مشائخ پاکستان کے ناظم اعلیٰ کے فرائض انجام دیئے۔ پاکستان میں تحفظ حقوق اہلسنت کی خاطر مسلسل عملی جدوجہد فرماتے رہے' مسلکی تشخص اور اعتقادی تعین کی حفاظت کے حوالے سے اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے مسلسل تختہ مشق ستم بنتے رہے۔

پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلے "نظام مصطفیٰ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرہ آپ ہی نے بلند فرمایا' بعد میں یہی نعرہ پوری قوم کے دلوں کی دھڑکن بن گیا' آپ کی اصولی سیاست پر ہمیشہ عشق رسول علیہ السلام اور تحفظ مسلک کا غلبہ رہا۔ اسی **تصلب** کی بنا پر آپ کی شخصیت متنازع بھی رہی بعض اوقات اپنوں نے بھی اختلاف کیا مگر حالات بدلنے اور سیاسی مطلع صاف ہونے پر آپ کے موقف کو سبھی نے درست تسلیم کیا' ریڈیو پاکستان پر محفل میلاد کا آغاز اور اسلامی تہواروں پر تعطیلات کا پروگرام آپ کی کوششوں سے ہی نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ عورت کی سربراہی کے مسئلے پر آپ نے پاکستان میں فیصلہ کن کردار ادا کیا اور عورت کی حکومت کے حامیوں کو دعوت مباہلہ اور دعوت مناظرہ کے ذریعے لاجواب کر دیا۔

ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ڈائریکٹر فضل الرحمان کی طرف سے لادینی نظریات کے پرچار اور بادشاہی مسجد کے خطیب غلام مرشد کی طرف سے فلسفہ قربانی سے انکار پر آپ نے سخت احتجاج کرتے ہوئے تحریک کا اعلان کیا۔ تو حکومت نے دونوں کو معزول کر دیا۔

Marfat.com

تحریک آزادی کشمیر

۱۹۴۷ء کی تحریک آزادی کشمیر میں آپ نے ادارہ مجاہدین اسلام قائم کر کے عملی جہاد میں حصہ لیا پچیس ہزار رضا کار بھرتی کیے۔ خود محاذ جنگ پر جا کر مجاہدین کے حوصلے بڑھائے اور اسلحہ' سامان خورد و نوش کے علاوہ مجاہدین کی ضروریات زندگی کا اہتمام کرتے رہے۔

مرد قلندر

آپ وہ مرد قلندر تھے جس کی نواؤں میں بوئے اسد اللہی کا کمال تھا تو اداؤں میں سکندرانہ جلال کی آمیزش بھی تھی۔ آپ کو ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ بحر معرفت کے شناور اور قلزم طریقت کے غواص تھے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود تصوف کا نازک ترین مسئلہ ہے۔ لیکن آپ اس مسئلے کو اس طرح حل فرماتے کہ صوفیاء و مشائخ پر رقت طاری ہو جاتی ۔ ایک مرتبہ میں (راقم الحروف) نے سوال کیا۔ حضرت اس مسئلے میں آپ کی واردات کیا ہیں؟ فرمانے لگے۔

"نقشبندی ہوں لیکن وحدت الوجودی ہوں"۔

کچھ عرصہ بعد یہی مسئلہ زیر بحث آیا تو فرمانے لگے آجکل وحدت شہود سے تسکین قلب و نظر کا ساماں ہو رہا ہے۔ اور یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی خصوصی روحانی توجہات کا نتیجہ ہے۔ آپ کو مکتوبات امام ربانی کے ساتھ خاص شغف تھا اور اکثر اسی کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔

آپ کا انداز فکر صوفیانہ تھا۔ تصوف و طریقت کے اسرار و رموز کے اس قدر ماہر تھے کہ علماء و مشائخ بھی آپ سے طریقت کے سیر و سلوک کا سبق سیکھتے تھے ۔ ایک مرتبہ راقم الحروف نے سلوک مجددیہ کی تکمیل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا الحمد للہ بندہ نے سلوک مجددیہ طے کر لیا ہے اور ولایت علیا کی نعمت سے بہرہ

Marfat.com

اندوز ہے اس سلسلہ میں حضرت امام ربانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمتہ اللہ علیہما کبھی خواب میں اور کبھی بیداری میں باطنی تربیت فرماتے رہتے ہیں۔ **والحمد للہ علی ذالک**

حضرت خطیب الاسلامؒ ساری عمر ایک خطیب اور لیڈر کے روپ میں چھپے رہے۔ وہ درحقیقت ایک مستور الحال مرد فقیر تھے جن کی زندگی عشق رسالت سے تعبیر تھی وہ ادراک بسیط کی منزلوں میں گم اور بارگاہ رسالت میں حاضری و حضوری کی نعمتوں سے سرفراز تھے۔ دوران سفر ریل اور کار میں بھی اکثر مراقب رہتے۔ پاس انفاس' اسم ذات' نفی اثبات' ذکر قلبی و سری ان کا خصوصی شغل تھا۔

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال سے آپ کو یک گونہ عقیدت تھی ایک بار فرمانے لگے کہ میں شاعر مشرق علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ مرید ہندی کی حیثیت سے پیر رومیؒ سے فکری راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

لب بہ بند و گوش بند و چشم بند
گر نہ بینی سر حق برمن **بخند**

جب کہ آپ (علامہ اقبال) فرماتے ہیں۔

چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی سر حق بر من بخند

اس لحاظ سے مولانا رومؒ اسرار حق دیکھنے کے لیے لب' کان اور آنکھیں بند کرنے کی تلقین کرتے ہیں جب کہ آپ لب' کان اور آنکھ کھلے رکھنے کو کہہ رہے ہیں۔ پیر رومی اور مرید ہندی کی فکر میں یہ تفاوت کیوں؟ میرے اس سوال پر علامہ اقبال فرمانے لگے کہ پیر اور مرید کا انداز فکر یکساں ہے۔ پیر رومیؒ کہتے ہیں اپنے حواس کو اغیار کی طرف سے بند کر۔ جب کہ میرا مقصود یہ ہے کہ اپنے حواس کو خدا کی

Marfat.com

جاسب کھول لے۔ علامہ اقبال کے پنجابی کے الفاظ یوں تھے کہ:

"بند کر لے اغیار ولوں تے کھول لے یار ول"

جب پہلی بار حضرت خطیب الاسلام ؒ کو عارضہ قلب لاحق ہوا تو آپ ماہر امراض قلب ڈاکٹر روف یوسف (لاہور) کے پاس ای سی جی کے لیے تشریف لے گئے یہ عاجز (راقم الحروف) بھی وہاں پہنچا دوران گفتگو ڈاکٹر روف صاحب نے بتایا کہ حضرت علامہ اقبال ؒ کے ساتھ میرے بہت گہرے تعلقات تھے۔ ایک دن میں نے پوچھا علامہ صاحب میں کچھ دنوں سے آپ کے مزاج میں نمایاں تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ آپ کے اشعار و افکار عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تصوف کے سانچے میں ڈھلتے جا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو علامہ صاحب نے فرمایا بعض بزرگوں کی زیارت اور صحبت نے میرے دل میں روحانی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید محمد امین شاہ ؒ آلو مہار شریف والے ہیں اور دوسرے بزرگ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری ؒ ہیں جب میں آلو مہار شریف میں حاضر ہوا تو حضرت خواجہ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا اور نگاہ مسرت سے میری طرف دیکھا اور سر اور پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اور زبان سے فرمایا کہ بیٹا تم بڑے خوش نصیب ہو اللہ تعالیٰ تم سے ملت اسلامیہ کی خدمت کا کام لیں گے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ روزانہ کثرت سے درود خضری پڑھا کرو۔ علامہ اقبال ؒ نے کہا اچانک یوں محسوس ہونے لگا کہ میرے جسم سے بوجھ اتر رہا ہے۔ سینے میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور اس کے بعد میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اس دن سے میرا معمول ہے کہ روزانہ پانچ ہزار مرتبہ درود شریف خضری پڑھتا ہوں۔ اسی فیضان کا اثر ہے کہ میرے سینے میں عشق رسول کا سمندر موجزن ہے اور میں الحمد للہ یقین کی حد تک اس امر کا قائل ہوں کہ واقعی اہل اللہ کی نظر کیمیا اثر ہوتی ہے اور ان کی توجہات کا فیضان قلب و نظر میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے غالباً" اسی فیضان کے مشاہداتی نتیجے کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

Marfat.com

آپ پندرہ برس تک دل کے عارضے میں مبتلا رہنے کے بعد ۲۳ فروری ۱۹۸۴ء بروز جمعرات سرائے فانی سے عالم باقی کی طرف سدھارے۔ آپ کے آخری الفاظ کلمہ طیبہ و ذکر کے بعد یہ تھے۔

"روشنی آ رہی ہے پردے ہٹا دو"

آپ کی نماز جنازہ پہلے گوجرانوالہ میں اور پھر آلو مہار شریف میں ادا کی گئی آپ کو آلو مہار شریف میں اپنے آباؤ اجداد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

ع ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں

حضرت خطیب الاسلام کے وصال کے ساتھ ہی زندگی اپنی رعنائیوں سے محروم ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ مشائخ ایک روحانی پیشوا سے محروم ہو گئے۔ علما کی آرزووں کا سہاگ اجڑ گیا۔ عشق رسالت کی محفلیں سونی ہو گئیں۔ حاملان دین متین بے سہارا ہو گئے۔ منبر و محراب پر قیامت گزر گئی۔ تحریک آزادی کا قافلہ سالار چل بسا تحریک ختم نبوت کا مجاہد اول رخصت ہوگیا۔ حقوق اہل سنت کا محافظ جاتا رہا۔ برصغیر پاک و ہند میں نصف صدی تک خطابت کے لولوے لالہ لٹانے والا' آخری خطیب چل بسا۔ ارباب منبر و محراب' ایسا خطیب کہاں سے لائیں گے۔ اصحاب سلوک و طریقت ایسا شیخ کہاں سے لائیں گے' اب فرق باطلہ کی یورشوں اور شورشوں کی مدافعت کون کرے گا؟ اب عقیدت مند آنسوؤں کے چراغ جلا کر اپنے محبوب رہنما کی راہ دیکھا کریں گے۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

وہ سرزمین پنجاب میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی بزم سلوک و تصوف کی آخری شمع اور طریقت نقشبندیہ مجددیہ کی مسند کے آخری مسیحا تھے

رو رہی تھی آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

Marfat.com

حمد و ثنا

○

مکان ہو کہ لامکاں وہی عیاں یہاں وہاں
حجاب حسن یار ہیں تعینات این و آں

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

وہ جوشش ظہور ہے کہ ہر ایک ذرہ طور ہے
ہر ایک چیز مست ہے فضا میں وہ سرور ہے

○

وہ صورتوں میں ہے عیاں وہ نکہتوں میں ہے نہاں
کہاں ہے وہ؟ کہاں نہیں؟ وہ ہے محیط این و آں

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

کلمہ طیبہ

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

کلمہ طیبہ دعوت توحید و رسالت کی بنیاد اور قصر اسلام کی نہاد ہے' شجر دین کی جڑ اور شرع متین کی اساس ہے۔ اس ایک کلمہ کی تصدیق سے انسان دائرہ کفر سے نکل کر' حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے۔ اس کلمہ کی تصدیق اور تفہیم پر ہی تمام تر اسلامی زندگی کا مدار ہے۔ اس ایک کلمہ کو کما حقہ ماننے سے انسانی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب آ جاتا ہے اور انسان' زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کا حامل اور پاسدار بن جاتا ہے۔

انسان نے ہر دور حیات میں اپنی بیچارگی اور ناتمامی کے احساس کے پیش نظر' کسی بلند و برتر اور قوی و توانا ذات کی پرستش کی۔ اس کا سر نیاز ہمیشہ کسی کے سامنے جھکا اور اس نے ہمیشہ کسی قادر اور توانا ہستی سے استعانت کی۔ لیکن اپنے الہ اور معبود کے تصور اور تعین میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا۔ کبھی رعد و برق سے سہم کر' کبھی تندی باد و باراں سے گھبرا کر' کبھی آفتاب کی حدت اور قوت سے مرعوب ہو کر اور کبھی کواکب کی چمک دمک سے مسحور ہو کر وہ اعلیٰ مظاہر فطرت کے سامنے جھکتا رہا۔ اشرف المخلوقات ہو کر ارذل اور ادنیٰ اشیا کے سامنے سرنگوں ہوتا رہا۔ جس سے

Marfat.com

شرف انسانی مجروح ہو گیا۔ خدا ناشناسی کی وجہ سے وہ خود شناسی سے بھی محروم ہو کر، اپنے انسانی منصب و مقام کو بھول گیا۔

لیکن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ایک انقلاب آفرین کلمہ نے انسان کو رفعت و عظمت کا وہ اعلیٰ ترین مقام دلوایا جس کو وہ کھو چکا تھا۔ معبود کے صحیح تصور سے آشنا ہو کر وہ خود آگاہ اور خودار بن گیا۔ کائنات کی اسیری سے نکل کر وہ تسخیر کائنات کے قابل ہو گیا۔ اس کا ضعف قوت سے، خوف جرات سے، احتیاط استغناء سے، قنوطیت، رجائیت سے بدل گئی۔ جلال برق و باد سے ترساں انسان، جہان برق و باراں کا حکمران بن گیا۔ شمس و قمر سے مرعوب انسان عرفان توحید و رسالت کی قوت سے ان پر حکمرانی کرنے لگا اور اس نے منصب خلافت ارضی کو پا کر، ارضی ماحول کو تسخیر کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔

کلمہ طیبہ کے مفہوم کو سمجھ لینے اور مان لینے کے بعد، اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے تصور و تعلق کی وجہ سے انسان ماسوی اللہ کی بالادستی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی عبودیت، اعانت، حفاظت، کفالت، نصرت اور ہدایت کی تمام تر نسبتوں کو صرف ایک ہی معبود کی ذات سے وابستہ کر لیتا ہے۔ خالق کا بندہ مخلوق کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اپنے واحد خالق اور مالک پر بھروسا کر لینے کے بعد وہ خود کو ہمہ تن ساز گار ماحول اور معاون فضا میں مقیم پاتا ہے۔ اس کا معبود، اللہ تعالیٰ رحیم اور کریم ہے، حافظ اور ناصر ہے غفور و ودود ہے۔ اس عرفان سے زندگی، جنت بکنار بن جاتی ہے۔ اور مومن انجام کار **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** کی سدا بہار فضا میں پہنچ جاتا ہے۔

علامہ اقبال نے کلمہ طیبہ کی اس انقلاب آفریں قوت کا اپنے حسین اشعار میں یوں تعارف کرایا ہے۔

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

Marfat.com

مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

اس کلمہ کے زبان سے اقرار کے ساتھ ہی اس کی دلی تصدیق بھی لازم ہے تاکہ برکت و سعادت کے وہ اثرات مرتب ہو سکیں۔ جو اسلامی زندگی کا حاصل ہیں۔ اس کلمہ سے صرف اخروی نجات ہی حاصل نہیں ہوتی' بلکہ دنیوی کامیابی اور کامرانی بھی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں جو بویا جائے گا۔ آخرت میں اس کا پھل حاصل ہو گا کامیاب دنیوی زندگی ہی کامیاب اخروی زندگی کا ذریعہ ہے۔ پس لازم ہے کہ کلمہ طیبہ پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لایا جائے تاکہ فلاح دارین حاصل ہو سکے۔

لا الہ گوئی بگو از روئے جاں
تا ز اندام تو آید بوئے جاں
زیستن با سوز او قہاری است
لا الہ خوب است و ضرب کاری است

کلمہ طیبہ کی زبانی اور قلبی تصدیق سے عرفان ذات اور تسخیر کائنات کی کلید ہاتھ آ جاتی ہے۔ مومن بہ یک جست غیر اللہ کے موہوم و مزموم' مسحور کن اثرات سے آزاد ہو کر عرفان و ایقان اور سرور و اطمینان کی لازوال دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ رحمان و رحیم معبود کی نسبت عبادت و محبت سے وہ سراپا رحمت و شفقت بن جاتا ہے۔ خالق کی محبت مخلوق پر شفقت کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ سب کا محسن' سب کا غمگسار اور امن و سلامتی کا علمبردار بن جاتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں امن و سلامتی کا پیغام مضمر ہے باطل قوتیں مومن کو مرعوب نہیں کر سکتیں اور فانی لذتیں اسے مسحور نہیں کر سکتیں۔

کلمہ طیبہ پر ایمان لانے سے اور ایک معبود برحق کی عبودیت سے انسان کے خود ساختہ قوانین کی ناتمامی اور مضرت واضح ہو جاتی ہے اور یہ اذعان نصیب ہو جاتا ہے کہ

Marfat.com

حکومت اور قانون سازی صرف خالق و مالک کا حق ہے کوئی انسان دوسرے انسان پر نہ حکمران ہو سکتا ہے اور نہ ہی فلاح دارین کا ضامن' مومن ان قوانین صداقت پر عامل ہوتا ہے جو سراپا عمل اور انسانیت کی بقا اور ارتقا کے ذمہ دار ہوتے ہیں اسی لئے وہ اپنا ضابطہ قانون اور زندگی کا لائحہ عمل اللہ تعالیٰ کے آخری نبی علیہ الصلوت والسلام کے ذریعہ تمام صداقتوں کے حامل قرآن کی صورت میں حاصل کرتا ہے جو ہر عیب سے پاک ہے اور یوں اس کی انسانی زندگی ملکوتی حسن کی مظہر بن جاتی ہے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا حیات انگیز اور برکات آفرین کلمہ انسان کو ظاہری' باطنی' جسمانی' ذہنی' دنیاوی معاملات اور حالات میں صداقتوں اور سعادتوں کا امین بنا دیتا ہے توحید و رسالت پر ایمان لانے سے مومن ایک ایسی قومیت کے تصور سے آشنا ہو جاتا ہے جس کی بنیاد رنگ نسل یا لسانی امکان پر نہیں بلکہ ایمان و ایقان پر ہوتی ہے۔ اور یوں ایک نسلی یا جغرافیائی قومیت کی بجائے ایک نظریاتی قومیت وجود پذیر ہو جاتی ہے۔ جہاں مومن انفرادی اور اجتماعی طور پر شرف انسانی کا نقیب اور ضروریات انسانی کا کفیل بن جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ کی فکری اساس پر مبنی معاشرہ میں ہر انسان کو عدل و انصاف' اخوت ومساوات' محبت و مودت' سکون و راحت کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ توحید و رسالت کی طبعی اور فطری صداقت پر مبنی معاشرہ اعلیٰ ترین انسانی اقدار کا حامل ہوتا ہے آسمانی ہدایت اس کی رہنماء اور حضور رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مقتدا اور پیشوا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک سچا مومن اخلاقی حسن و کمال کا پیکر اور شرافت و صداقت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے جذبات میں توازن اور تعلقات میں محبت والفت کا ظہور ہوتا ہے۔

Marfat.com

ربوبیت

الحمد للہ رب العالمین

قانون ربوبیت

آیت قرآنی الحمد للہ رب العالمین کے مطابق کائنات میں ایک عالمگیر اور ہمہ رس قانون ربوبیت و رحمت یا قانون تعمیر و تحسین کار فرما ہے۔ کائنات کی بقا اور ارتقا اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں خیر' شر پر اور تعمیر' تخریب پر غالب ہے۔ یہاں تخریب بھی کسی نئی تعمیر کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ درد و الم کا انجام بھی راحت و سرور کے نئے دور کے آغاز کے رنگ میں ہوتا ہے۔ افراد ہوں یا اقوام' ابتلا' ارتقا کا قربانی' ترقی کا اور مصیبت' راحت کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ جب شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی وقت صلاحیت حیات میں ایک نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ خالق حیات' حفاظت حیات کا خود کفیل ہے۔ یہاں ہر شکست و ریخت کی مرمت کا اور درد کی دوا کا ایک مستقل خود کار نظام موجود ہے۔

ذرا انسانی تخلیق کے حیرت انگیز اور معجزانہ عمل پر غور فرمایئے کس طرح ۲۸۰ دن کے عرصہ میں قدرت ایک جرثومہ کو ایک مکمل انسانی جسم میں منتقل کر دیتی ہے۔ سائنس دان آج تک کسی بے جان مادے سے کسی جاندار شے کو وجود میں نہیں لا سکے مگر یہ قدرت کا عجب کارنامہ ہے کہ ایک بے جان بوند سے علقہ (یعنی جما ہوا خون)

Marfat.com

پھر اس خون سے تدریجاً" مضغہ (یعنی گوشت کا لوتھڑا) وجود میں آتا ہے پھر اس سے ایک جیتا جاگتا انسان' انسانی اعضاء کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے اور اس کو مرد یا عورت کا روپ عطا کر دیا جاتا ہے' انسانی تخلیق کے ان تمام مراحل پر غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا انجینئر کسی نہایت ہی پیچیدہ مشین کا نقشہ سامنے رکھ کر بیٹھا ہو اور ہر ایک پرزے اور ہر ایک کیل کانٹے کو ایک طے شدہ سکیم کے مطابق ترتیب وار مناسب مواقع پر نصب کرتا چلا جا رہا ہو تا آنکہ لاکھوں مختلف چھوٹے بڑے پرزوں کے ترتیب وار اجتماع سے ایک مکمل مشین وجود پذیر ہو جائے۔ جس میں ہر پرزہ اپنے اپنے مقام پر اپنا مقررہ فریضہ ادا کر رہا ہو۔ اور یوں بے شمار متفرق پرزوں کی مکمل ہم آہنگی سے ایک نہایت ہی طاقتور مشین کار فرما ہو جائے۔ انسانی جسم کا کمال یہ ہے کہ یہ مشین پوری طرح مکمل ہونے سے پہلے ہی چلنا شروع کر دیتی ہے۔ اور چلتی ہی رہتی ہے اور اپنی تکمیل بھی کرتی رہتی ہے۔ یہ ضرورت پڑنے پر اپنی مرمت بھی خود ہی کرتی رہتی ہے۔

قانون ترتیب و تحسین

جسم انسانی کی تخلیق اور ترتیب و تحسین کے اس حیرت انگیز فعل کو دیکھ کر آپ کو کسی علیم اور قدیر خالق کے وجود کو لامحالہ ماننا پڑے گا۔ انسانی جسم کی بے حد پیچیدہ مشین کی یہ ساری تجویز ایک چھوٹے سے خلیے میں بند ہوتی ہے۔ جو کہ ایک جرثومہ حیات کی صورت میں رحم مادر میں جاگزین ہوتا ہے۔ جس میں ایک ایک فرد کے آباؤ اجداد کے تمام ذہنی اور جسمانی اثرات بھی محفوظ ہوتے ہیں اور مستقبل میں اس خاص فرد کی وضع قطع' رنگ روپ' صورت سیرت کے تمام معین ممکنات بھی مرکوز ہوتے ہیں۔ جو ایک خاص نظم و ضبط کے ساتھ اپنے مقررہ وقت پر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

اس ایک جرثومہ حیات میں شعور قدرت کی تمام تر قوت مخفی ہوتی ہے۔ ایک طرف اپنی نوع کے ماضی کے تجربات کا ورثہ بشکل جبلت اور دوسری طرف مستقبل میں

Marfat.com

ایک خاص صورت و سیرت کی خاصیت' اسی ننھے سے خلیہ میں پنہاں ہوتی ہے۔ جو مناسب وقت پر مناسب طریقہ سے ظہور پذیر ہو کر تخلیق و ترتیب کا معجزانہ فعل انجام دیتی رہتی ہے۔ خالق کائنات نے زندگی کے ہر خلیے میں ایک مخفی شعور رکھ دیا ہے جو پوری تندہی سے خالق کی تجویز کے مطابق ایک معین راہ پر چلتا رہتا ہے اور معین فرض منصبی کو نبھاتا رہتا ہے۔ صرف ۲۸۰ دنوں میں اسی جرثومہ حیات کی مخفی قوتیں ظاہر ہو کر رگوں' پٹھوں' وریدوں' بالوں' ہڈیوں' آنکھوں' کانوں' دل و دماغ' معدہ و جگر' ہاتھوں اور پاؤں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور بھرپوری ہم آہنگی سے جسمانی بقا اور ارتقا کا فریضہ ادا کرنے لگتی ہیں۔

شاہکار تخلیق

جسم انسانی ایک محیر العقول شاہکار تخلیق ہے۔ اس کا ہر ایک عضو بجائے خود ایک حیرت انگیز تخلیق ہے۔ آنکھ کو ہی لیجئے' یہ بظاہر چھوٹا سا عضو کیا کچھ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ایک سیکنڈ میں کئی رنگین تصاویر کھینچتا ہے نیگیٹو خود بخود Develop ہو جاتا ہے۔ پھر خود ہی مٹ کر اس کی جگہ نئی تصویریں لے لیتی ہیں۔ اس کا Foccusing بھی خود کار ہے۔ اس کا صفائی اور تری کا بھی ساتھ ہی ساتھ اہتمام ہے۔ آنکھ جھپکنے سے صفائی اور چکنائی کا کام خود بخود ہو جاتا ہے۔ کان کو لیجئے اس میں ایسا احساس رکھ دیا ہے اور اس کے اندرونی حصے اس حد تک حساس واقع ہوئے ہیں کہ آواز کے معمولی سے معمولی زیر و بم میں بھی امتیاز کر لیتے ہیں۔ آنکھ سے رگ بصارت اور کان سے رگ سماعت جو دماغ تک خارجی تاثرات کو پہنچاتی ہیں بجائے خود ایک اعجوبہ ہیں۔

جس علیم و قدیر نے جسم انسانی کی یہ حیرت انگیز مشین تخلیق کی ہے اس نے اس عظیم شاہکار کی حفاظت اور مرمت کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ انسان کے تحت الشعور میں پنہاں قوت حیات یا طب کی اصطلاح میں طبیعت مدبرہ بدن (قوت مدافعت) بڑی مستعدی' مہارت اور کامیابی کے ساتھ ہر مرض کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتی

Marfat.com

ہے۔ جب مرض کا جسم پر حملہ ہوتا ہے تو دفاع اور اصلاح کی قوتیں زور و شور سے حرکت میں آ جاتی ہیں۔ اور قدم قدم پر مرض کا مقابلہ کرتی ہیں۔

صحت و شفا انسان کی طبعی کیفیت ہے

مرض ایک غیر طبعی صورت حال ہے اور صحت طبعی کیفیت ہے۔ جسم کا اپنی طبعی اور معتدل کیفیت کی طرف لوٹنا ایک قدرتی امر ہے۔ اس لیے حصول صحت اتنا مشکل امر نہیں جتنا اپنی غلط اندیشی سے عام لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ اگر اپنے خالق کی ربوبیت اور رحمت پر پورا اعتماد کیا جائے اور ایک صاف ستھری سادہ زندگی' قدرتی اصولوں کے مطابق بسر کی جائے' تو شفا بغیر دوا کے صرف ممکن ہی نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے --- اگر انسان اپنے اور خالق کے تعلق کو صحیح معنوں میں سمجھ لے' اور اس کی ربوبیت' رحمت' محبت اور حفاظت کا ادراک کر لے تو جسم اس معتدل طبعی حالت پر قائم رہتا ہے جہاں مرض حملہ آور نہیں ہو سکتی اور اگر ہو جائے تو قائم نہیں رہ سکتی۔ مرض کے متعلق حواس کے ذریعے جو احساس دماغ تک جاتے ہیں وہ اکثر المناک ہوتے ہیں۔ اس سے انسان میں خوف کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو مرض میں زیادتی کا باعث بن جاتی ہے۔ لیکن اگر آدمی خود آگاہ ہو اور جسم انسانی کی حفاظت اور تقویت کے خود کار نظام کو سمجھ لے تو اس پر یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے۔ کہ قدرت نے زندگی کی حفاظت کا ایسا محیر العقول نظام انسان کے لاشعور میں ودیعت کر رکھا ہے۔ جو نازک سے نازک صورت حال کا کامیابی سے مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے جو کبھی بھی غافل نہیں ہوتا اور اگر اس قدرتی نظام شفا کی راہ میں غیر طبعی رکاوٹیں نہ پیدا کی جائیں۔ اور اس سے کما حقہ تعاون کیا جائے' تو حصول صحت کا طبعی پروگرام پورا ہو کر رہتا ہے۔

انگلی کے ایک معمولی زخم ہی کو لیجئے۔ کھال کے کٹنے اور خون کے بہنے کے ساتھ ہی زندگی کا شعور باطنی فوراً" سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ خون کے زخم سے بہہ کر ہوا سے مس ہوتے ہی اس میں ایک کیمیاوی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خود بخود ایک کھرنڈ زخم کے منہ پر بن کر زخم کو سر بمہر کر دیتا ہے۔ تاکہ باہر سے جراثیم وغیرہ

Marfat.com

داخل ہو کر زخم کو خراب نہ کریں۔ ساتھ ہی خون کے سفید خلیات وافر مقدار میں زخم کے مقام پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ کچھ تو زخم کو مندمل کرنے اور نئی جلد پیدا کرنے کے کام آتے ہیں اور کچھ مضر جراثیم تلف کرنے میں لگ جاتے ہیں یوں کھرنڈ کے اندر ہی اندر نئے خلیات وجود پذیر ہو کر زخم کو مندمل کر دیتے ہیں۔

طبیب صرف ہڈیوں کو جوڑ دیتا ہے اور جلد میں ٹانکے لگا دیتا ہے باقی کام کیسے ہوتا ہے اور نئے خلیات کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ یہ بات نہ ہنوز طبیب کے علم میں آئی ہے اور نہ یہ اس کے بس کی بات ہے۔ یہ تمام کام طبیعت مدبرہ بدن (قوت مدافعت) یا باطنی شعور یا قوت ربوبیت کا ہی کارنامہ ہوتا ہے۔ روحانی علاج میں اسی ربوبیت اور رحمت کے قانون پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ذہنی شکوک و شبہات کو مٹا دیا جاتا ہے۔ منفی نقطہ نگاہ کی بجائے مثبت نقطہ نگاہ اپنا لیا جاتا ہے بے یقینی کی بجائے یقین اور بے اعتمادی کی بجائے اعتماد کی کیفیت پیدا کر لی جاتی ہے۔ اس سے قانون ربوبیت اور رحمت کی کارفرمائی کی راہ سے نفسیاتی رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور مرض کافور ہو جاتی ہے۔ اس قانون ربوبیت و رحمت پر یقین کے لیے جسم انسانی کی حیرت انگیز ساخت اور اس کی حفاظت کے خود کار نظام کا بہ نظر غائر مطالعہ بے حد ضروری ہے تاکہ انسان فطری و طبعی دلائل و آثار کے ذریعے تصدیق و تسلیم کے جذبے سے سرشار ہو کر توحید و معرفت کی منزل پا سکے۔ (و للہ الحمد)

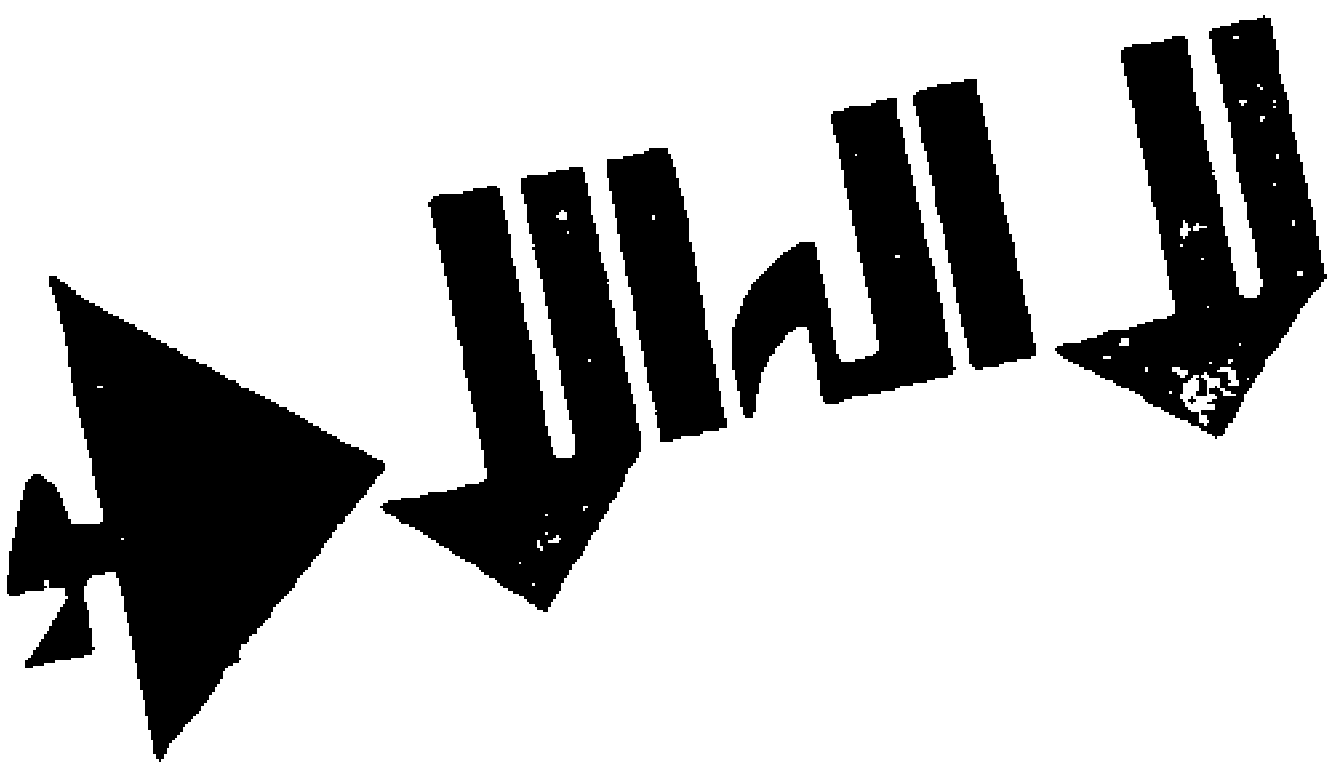

Marfat.com

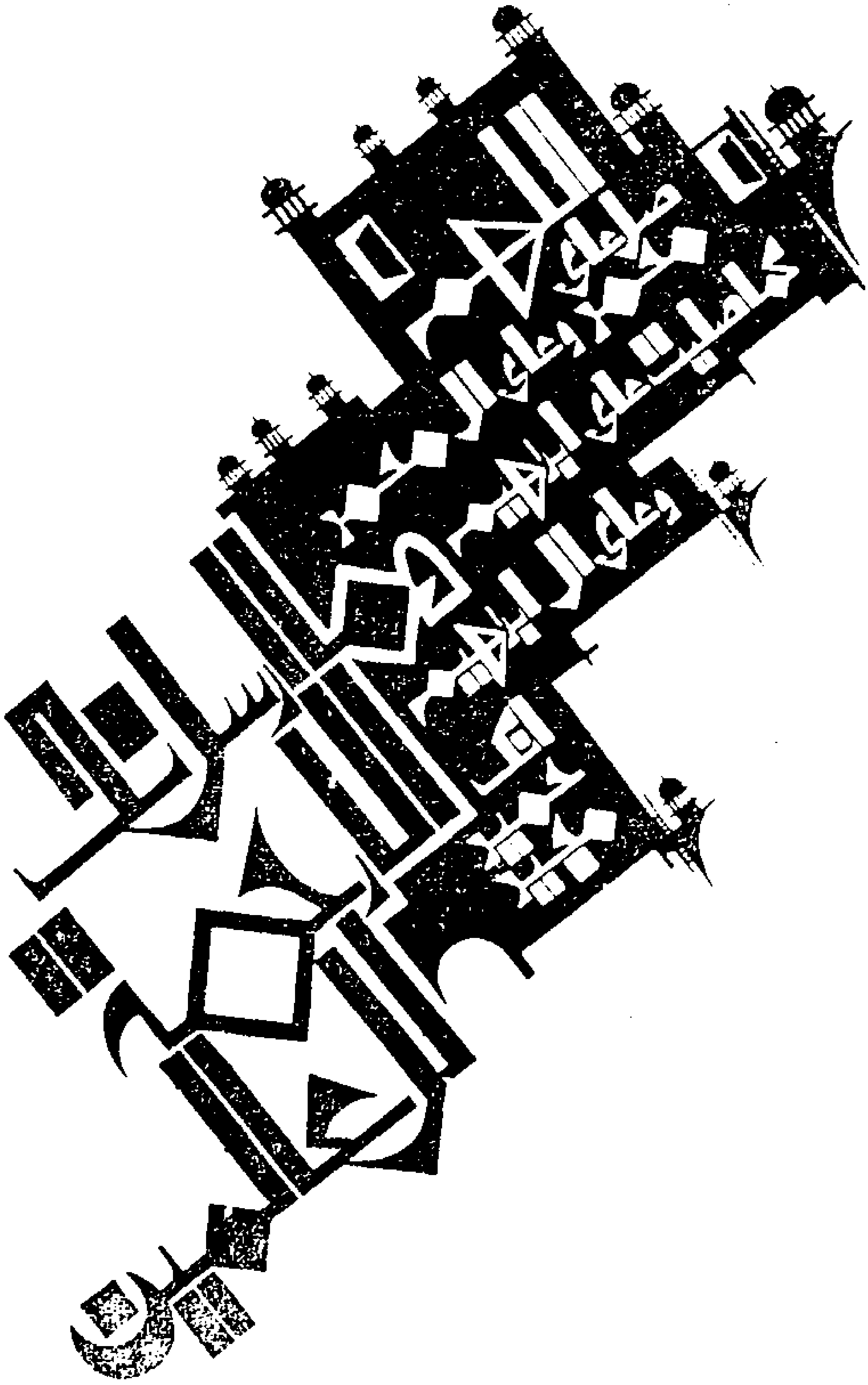

Marfat.com

نیاز و ناز

○

حریم ناز کے پردے اٹھائے جاتے ہیں
جمال یار کے جلوے دکھائے جاتے ہیں

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

○

ہے ہمالہ کی طرح سے استوار
خاتمیت پر تری میرا یقیں
پھر مزا ہے ربط حسن و عشق کا
تیرا سنگ در ہو اور میری جبیں

○

کاروان عشق کی تو منزل مقصود ہے
ہے یہ سارا ذوق و شوق رہرواں تیرے ہے

○

تیرا عروج' باعث رونق عالم وجود
تیرا نزول علت حسن جہان ممکنات

○

ساقی محفل الست رحمت عام سے تیری
آگیا اعتدال پر کیف مزاج زندگی

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

عصمت نبوت

(علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات)

انک لعلی ھدی مستقیم

منزل کا تعین سفر کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ وسائل سفر کتنے ہی عمدہ ہوں اور مسافر کی نیت کتنی ہی نیک ہو اگر منزل واضح نہیں تو ہر چیز بیکار ہے کیونکہ وسائل منزل کے حصول کے لیے ہی ہیں اور اگر یہی علم نہ ہو کہ کہاں پہنچنا ہے تو چلنا بیکار ہے بلکہ بسا اوقات مضر پڑتا ہے۔ اگر منزل کا تصور واضح نہ ہو تو امکان ہے کہ مسافر کسی غلط سمت کو ہی چل دے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جتنا وہ چلے گا اتنا ہی منزل سے دور ہوتا جائے گا۔ پس ایسی حالت میں نہ چلنا چلنے سے بہتر ہو گا۔ تصور منزل کی غلطی کی صورت میں، نہ چلنے سے منزل کا قرب نہیں حاصل ہو سکتا، لیکن اگر چلا جائے تو قرب کی بجائے، الٹا بعد بڑھتا چلا جائے گا۔ پس لازم ہے کہ آغاز سفر سے پہلے، منزل کا قطعی تصور، مسافر کے سامنے موجود ہو۔

اپنے نکتہ نگاہ کو سمجھانے کے لیے ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ آپ ایک ایسے آدمی کا تصور کیجئے۔ جو ایک حکومت میں ایک شریف شہری کی حیثیت سے زندگی گذارتا ہے۔ وہ ملکی قانون کا پابند ہے۔ کسی دوسرے شہری کے حقوق میں دخل انداز

Marfat.com

نہیں ہوتا۔ کسی دوسرے آدمی کو اس کے طرز عمل سے کوئی بھی شکایت نہیں۔ وہ حکومت کو بطور ایک شہری کے، تمام ٹیکس رضاکارانہ طور پر بروقت ادا کرتا رہتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اپنی کوششوں سے اپنے ملک اور معاشرہ کی تعمیری خدمت بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی ایک شریف انسان ہے اور اس کی زندگی پر کوئی تنقید نہ ہونی چاہئے بلکہ اس کو تمام حقوق شہریت مکمل طور پر حاصل ہونے چاہیں۔ لیکن اگر آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ عملی طور پر تو وہ ایک اچھا اور معیاری شہری ہے۔ لیکن جس ملک یا معاشرہ میں وہ رہتا ہے۔ اس کی نیت کو وہ تسلیم نہیں کرتا۔ یا اس کے اختیارات اور مفادات کی غلط توجیح کرتا ہے۔ تو لازماً" اس کی تمام عملی صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود، اس کے حقوق شہریت یا سلب ہو جائیں گے یا محدود کر دیئے جائیں گے کیونکہ اعمال اسی وقت تک عمدہ قرار دیئے جا سکتے ہیں جب تک کہ وہ اس مخصوص نظریہ کے ماتحت وقوع پذیر ہوں، جو اس معاشرہ کا خصوصی نظریہ ہے۔

جس طرح کسی مسافر کی سفر کی کامیابی اور افادیت، تصور منزل کی صحت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی شہری کے اعمال کی اچھائی اور افادیت بھی ایک مخصوص نظریہ حیات کی خدمت پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ تصور منزل غلط ہو تو سفر بیکار ہوگا اور اگر نظریہ ہی غلط ہو تو اعمال بھی قطعاً" بیکار ہوں گے۔

ایمان و عمل کا باہمی ربط

انہی دو مثالوں سے ایمان اور عمل کے باہمی ربط کو سمجھ لیجئے۔ ایمان ہی وہ منزل ہے جس کے حصول، قرب یا یافت کی خواہش کے پیش نظر اعمال کو پرکھا جائے گا۔ اگر ایمان نہ ہو، یا غلط ہو۔ تو پھر تمام اعمال بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کا فقدان، یا جس میں غلطی، ہر عمل کو عمل صالح کی فہرست سے نکال دے گی اور ان کو حرف غلط کی طرح بیکار قرار دے دے گی۔ وہ کونسا ظاہری عمل اور وقتی قربانی تھی جو منافقین کی فہرست اعمال میں موجود نہ تھی۔ وہ کونسا بظاہر اچھا قول و فعل تھا جو مخلص مومن کرتے تھے۔ لیکن منافقین نہ کرتے تھے؟ منافقین کی وضع قطع اور میل

Marfat.com

ملاپ، سبھی کچھ مومنوں سے ملتا جلتا تھا صحبت رسالت بھی مومنوں کی طرح ہی منافقوں کو بھی میسر تھی، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ منافقین کے تمام اعمال اور ظاہری حسنات اکارت ہی گئے۔ ان کی ہر نیکی، بدی قرار دی گئی اور ان کے ہر بظاہر اچھے عمل کو مردود قرار دیا گیا۔ صرف اسی لئے کہ یہ وہ مسافر تھے۔ جن کا تصور منزل غلط تھا۔ یہ وہ شہری تھے جو نظریہ حیات کو چھوڑ کر بظاہر مصروف عمل تھے۔ لیکن مذہبی اصطلاح میں یوں کہئے کہ یہ "بے ایمان عامل" تھے۔ پس ہر عمل تب ہی صالح بن سکتا ہے جبکہ ایمان صحیح ہو۔ ورنہ مذہبی زندگی کا تمام تانا بانا خرافات سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

حکم قرآنی **ان الذین امنوا وعملوا الصالحات**

میں ایمان کا تقدم اور عمل کا تاخر اسی حقیقت کا غماز ہے۔

شدت یقین

ایک مخصوص نظریہ حیات اور ضابطہ فکر و عمل کو' بلا چون و چرا' بہ صمیم قلب مان لینے کا نام ایمان ہے۔ اب ماننا تو کسی دلیل کی وجہ سے ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مذہب کے ماوراء الطبعیاتی حقائق عقل کی زد سے ماوراء ہوتے ہیں۔ کسی منطقی استدلال یا فلسفیانہ تجزیہ سے یہ حقائق سمجھے نہیں جا سکتے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان حقائق کو صرف کسی عقلی یافت کے طور پر مانا نہیں جاتا بلکہ ان پر بڑی شدت کے ساتھ یقین ہوتا ہے اور یقین کی یہ شدت روز مرہ کے عام عقلی نتائج کے متعلق نہیں ہوتی اور یہی شدت یقین، علم اور ایمان کے درمیان مابہ الامتیاز ہوتی ہے۔

اس کی ایک عام دلیل یہ ہے کہ کسی بھی مذہبی عقیدہ پر عقلی تنقید کر کے دیکھ لی جائے۔ ایک عام آدمی آپ کی تنقید کا کوئی بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکے گا۔ لیکن شدت یقین کی بنا پر وہ آپ کی تنقید کو ٹھنڈے دل سے گوارا بھی نہ کرے گا بلکہ وہ اسے اپنے عقائد کے تقدس کے منافی سمجھے گا کہ کوئی آدمی ان پر عقلی تنقید کرنے کی جرات کرے۔ لہذا جذبات میں ہیجان پیدا ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ معاملہ کشت و خون تک جا پہنچے۔ اس سے ایک بات تو واضح ہو گئی۔ کہ عقائد اور مذہبی حقائق کو

Marfat.com

ماورائے طور عقلی ہی سمجھا جاتا ہے بلکہ میں تو یہاں تک بھی کہہ سکتا ہوں کہ جو عقیدہ عقلی تنقید کی زد میں آ جائے۔ وہ بطور عقیدہ کے اپنے تقدس کو کھو دیتا ہے تو جب عقائد عقل سے حاصل نہیں ہوتے تو پھر ان کے حصول کا کون سا ذریعہ ہے؟ جو عقل سے بلند تر ہے اور عقل کی لغزشوں اور غلطیوں سے بھی پاک ہے کہ عقل کے نتائج پر شک کیا جاسکتا ہے لیکن اس وسیلہ علم پر شک کا گمان بھی نہیں ہو سکتا اور اگر اس پر بھی شک و شبہ کا امکان ہو اور اس کے پیش کردہ حقائق پر بھی منطقی جرح و نقد کی جا سکتی ہو تو پھر مذہب کا سارا تانا بانا ادھڑ کر رہ جاتا ہے اور یقین کی شدت جو ایمان کے نام سے موسوم ہوتی ہے، کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

علم نبوت

پس وہ قطعی دلیل اور بے خطا وسیلہ معرفت علم نبوت ہے، کہ جو ہر قسم کی عقلی تنقید سے ماوراء اور ہر قسم کی لغزش سے منزہ ہوتا ہے۔ وہ غیبی حقائق جو حواس خمسہ اور عقلی استدلال سے جانے نہیں جا سکتے، وہ علم نبوت کے وسیلہ سے جانے جاتے ہیں۔ ذات خدا، عالم آخرت ملائکہ، جزا و سزا، جنت و جہنم، حشر و نشر، حیات بعد الممات، یہ سب اور ان کے متعلقہ دیگر تمام حقائق صرف ارشاد نبوت کی بنا پر ہی بلا دلیل و برہان، از روئے جان مانے جاتے ہیں۔ اور یہی وہ حقائق ہیں جن کے تسلیم کرنے پر نظام مذہب کی بنیاد ہے۔ یہ اعتقادات اور تیقنات اصول دین ہیں اور ان پر یقین حاصل ہونے کا ایک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ علم نبوت ہے۔ نبی چونکہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اور وہ علم بھی ذات ہی سے لیتا ہے اس لیے اس کا علم حضوری ہوتا ہے، نبی کی خلوت اللہ کی دید اور اس کی جلوت اللہ کی شنید ہوتی ہے آیات قرآنیہ **وعلمک ما لم تکن تعلم** اور **علم ادم الاسماء کلھا** میں علم نبوت کی شان بیان کی گئی ہے، نبی اللہ سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے، ملائکہ، جنات اور عالم غیب کو دیکھتا ہے نباتات و جمادات سے ہم کلام ہوتا ہے۔ دلوں کے حالات پر مطلع ہوتا ہے اس کا علم کامل اور عقل مکمل ہوتی ہے۔ جہاں فرشتوں کے علم کی انتہا ہوتی ہے وہاں

Marfat.com

سے علم نبوت کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس ساری بحث سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ غیر شعوری طور پر بھی علم نبوت کے بے خطا ہونے پر ایک مومن کا یقین ہوتا ہے ورنہ وہ کبھی بھی ان ورائے طور عقلی حقائق کو اس شدت سے نہ مانے' جس طرح کہ وہ مانتا ہے۔ اور جب تک نبی کی عصمت علمی پر اس کو کامل یقین نہ ہو وہ کبھی بھی بلا چون و چرا ان دیکھے اور ان سمجھے امور پر ایمان نہیں لا سکتا ہے۔ نبی کا ذریعہ علم وحی ہوتی ہے جو قطعاً" بے خطا وسیلہ علم ہے۔ یہی وہ آخری اور قطعی بے خطا اور بے ریب ذریعہ علم ہے' جو ہر قسم کے اسقام و اغلاط سے قطعاً" منزہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسی پر مذہب کی نہاد اور نجات کی بنیاد ہوتی ہے۔ لیکن خود وحی پر ایمان اور وحی کے وجود کا اعتراف بھی تو نبی ہی کے ارشاد اور اعتماد کی بنا پر ہوتا ہے۔ پس ایمان و عمل کی تمام تر سچائیوں کا دار و مدار 'نبی کی ذات کے اعتماد پر مبنی ہوتا ہے اور نبی کی ذات پر اعتماد کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اسے معصوم مطلق مانا جائے۔ اس کے قول و فعل اور علم و عمل کی سچائی اور درستی پر کامل یقین ہو۔ اور نبی پر اس نوع کے کامل یقین کو ایمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

عصمت نبوت کا مفہوم

نبی کی عصمت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی گناہ پر قادر ہونے کے باوجود گناہ سے اجتناب کا ملکہ اور مہارت رکھتا ہے وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے عطا کردہ فطرت سلیم کی بنا پر گناہ کی رغبت اور اس کے تصور سے بھی منزہ ہوتا ہے اس کا علم قطعاً" صحیح' اس کے پیش کردہ حقائق قطعاً" درست اور اس کا ہر فیصلہ سراپا حق ہوتا ہے نہ صرف یہ بلکہ اس میں کسی بھی غلطی کا گمان نہیں ہوتا۔ نظام کائنات کے اصول و قوانین چاہے بدل جائیں لیکن علم نبوت کی صحت میں فرق نہیں آ سکتا۔ اس کا ذات حق سے ہر وقت ایسا قوی اور قریبی رابطہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت بلا استثنا موید بہ قدرت ہوتا ہے۔ اس کے تمام اعمال بھی اس کے علم ہی کی طرح بے خطا اور درست ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی

Marfat.com

مرضی کا ترجمان اور اس کی رضا کا مظہر ہوتا ہے۔ نبی' قوانین کی تقویم اور شریعت کی تشکیل پر مامور ہوتا ہے' اگر نبوت کی حقیقت سے عصمت کو الگ کر لیا جائے تو نبی کے لائے ہوئے دین کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی اور نہ ہی دین کا کوئی مفہوم قابل تسلیم رہ جاتا ہے۔ اس کی فطرت ہی حق و باطل کا معیار ہوتی ہے۔ **انزلنا معهم الكتاب والميزان** یہ میزان نبی کی وہ فطرت صالح ہوتی ہے' جو خیر و شر کی معیار ہوتی ہے۔ حق اور مزاج نبوت مترادف ہوتے ہیں۔ حق و صداقت جب مجسم بن کر سامنے آتے ہیں تو پیکر نبوت بن جاتے ہیں۔ **من رانی فقد راء الحق** کا اعلان اس کا واضح ثبوت ہے۔ نبوت کی عقل میں حواس کا التباس شامل نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ میں بندے کے ہاتھ بنتا ہوں جن سے پکڑتا ہے میں بندے کے پاؤں بنتا ہوں جن سے چلتا ہے۔ میں بندے کی آنکھیں بنتا ہوں جن سے دیکھتا ہے اور میں بندے کے کان بنتا ہوں جن سے سنتا ہے۔ پس جس کے حواس اور اعضاء و جوارح اس حد تک مظہر قوت ربانیہ اور محو رضائے الٰہیہ ہوں۔ کہ ان کی فضیلت کو خدا اپنی فضیلت اور ان کی قوت کو اپنی قوت اور انکی حرکت کو اپنی حرکت قرار دے' تو پھر بھلا وہاں کسی غلطی یا لغزش کا امکان کیسے ہو سکتا ہے؟ محفوظیت کا یہ مقام نبی کے غلاموں کو بھی نبی کے فیض صحبت اور توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ تو پھر بھلا جس کے شاگردوں اور خوشہ چینوں کو محفوظیت کا یہ مقام عالی نصیب ہو جاتا ہے۔ اس کی اپنی عصمت اور رفعت کا کیا حال ہو گا؟ نبی صرف خود ہی معصوم نہیں بلکہ وہ اپنے فیض سے دیگر ناقصوں کو بھی ایسا کامل بنا دیتا ہے کہ وہ فنا فی اللہ اور بقاباللہ کے مقام پر جا کر' کلی حفاظت کے مقام خاص کو پا لیتے ہیں۔

فیض صحبت کی تاثیر

صحبت نبوت کی رفعت اور فیض معیت کی تاثیر دیکھئے کہ نبوت کی صحبت و معیت نے اہل بیت نبوت کو تطہیر کامل کے مقام ارفع پر پہنچا دیا۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت و یطھر کم تطھیرا۔

Marfat.com

"یعنی اللہ کریم حضور علیہ السلام کے گھر والوں کو خوب خوب پاک کرنا (رکھنا) چاہتے ہیں"۔

خدا کا ارادہ ہی کسی فعل کا اتمام ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ تطہیر کامل کا مقام اہل بیت نبوت کو مل گیا۔ یہ طہارت کا مقام عطیہ قدرت ہے اور اس کا اعلان قرآن کریم کر رہا ہے۔ اس اعلان عام کے بعد اہل بیت نبوت کے اعمال کو منطقی پیمانوں میں ماپنا اور عقلی توجیہات کی غلط کاریوں سے ان کو آلودہ کرنا' یقیناً خدائی اعلان سے بغاوت ہے' جس اعلان کے بعد' اہل بیت نبوت کی پاکیزگی کو ماننا ہر سچے مسلمان کا فرض ہے اور ماننے سے یہ مراد ہے کہ بطیب خاطر دل کی گہرائیوں سے مان لیا جائے کہ اس مقدس گروہ کے اقوال و اعمال عین مبنی بر حق و صواب ہیں۔ ان کی فطرت صالحہ سے خطا کا وقوع محال ہے۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو **یطھر کم تطھیرا** کا مفہوم ہی ضائع ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس اعتراف حق کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ جس کے متعلقین کو ان کے فیض سے' یہ مقام تطہیر حاصل ہو جاتا ہے وہ خود کس قدر منبع عصمت و طہارت ہو گا۔

تکمیل معنوی

مخلوقات کی تکمیل معنوی کے لیے لازم ہے کہ ایک مخلوق ایسی ضرور موجود ہو جو ہر لحاظ سے مکمل ہو اور جو ہر لحاظ سے مکمل ہو وہ وہی ہوگی جو ہر عیب و خطا سے پاک ہو۔ اور اگر تمام مخلوقات میں ایک بھی وجود ایسا موجود نہ ہو جو ہر قسم کی غلطی ناکامی اور خطا سے پاک ہو تو پھر تمام مخلوقات ناقص ہی رہے گی کیونکہ ناقصوں کا مجموعہ بھی ناقص ہوتا ہے۔ اور اگر یہ صورت حال موجود ہو تو خود خالق کی تخلیق پر نقص اور ناکامی کا الزام عائد ہوتا ہے جو اس کی شان پاک کے زیبا نہیں' **تبارک اللہ احسن الخالقین**

اس صورت میں ناقص خالقوں کی ناقص مخلوق اور کامل خالق کی کامل مخلوق میں کوئی وجہ امتیاز باقی نہیں رہتی۔ پس لازم تھا کہ خالق کل ایک نہ ایک مخلوق ایسی بناتا

Marfat.com

جو ہر لحاظ سے مقام کمال پر فائز ہوتی اور یوں وہ اپنے خالق کے کمال کی دلیل بنے۔ پس وہ برہان قطعی اور وہ مخلوق کامل' ذات ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ و السلام ہی ہے۔ "**قد جاء کم برہان من ربکم**" اور **من رانی فقد را الحق** اس کی دلیل ہیں اور اسی مخلوق کامل کے مقام کمال ہی کو عصمت کلی کا مقام کہا جاتا ہے۔ **وھو المطلوب**

نبی کا مزکی ہونا دلیل عصمت و طہارت ہے

اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ حضرت ختمی مرتبت علیہ السلام کا منصب' مزکی کا ہے حضور علیہ السلام اپنی توجہ' تربیت اور تصرف سے اپنے نیاز مندوں کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب و الحکمتہ

"اور نبی انہیں پاک کرتا ہے"

دوسرے کو پاک وہی کر سکتا ہے جو خود پہلے پاک ہو اور اس حد تک پاک ہو کہ وہ اپنے لمس' توجہ اور فیض سے اپنی طہارت کا اثر دوسرے تک بھی پہنچا سکے۔ اس کی اپنی طہارت اتنی قوی ہو کہ وہ اپنے صحبت یافتوں کو بھی متاثر کر کے اپنے رنگ میں رنگ دے چنانچہ اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اب دیکھئے پانی سے دوسری ناپاک اشیا کو دھو کر پاک کیا جاتا ہے۔ پانی کے استعمال کی پہلی شرط یہ ہے کہ پانی خود پاک ہو۔ اور اگر پانی خود ہی پاک نہ ہو تو پھر دوسری شے قطعاً" پاک نہیں ہو سکتی۔ نتیجہ کی طہارت کے لیے وسیلہ کی طہارت شرط لازم ہے۔ پس اگر نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے فیض سے دوسروں کا تزکیہ ہوتا ہے اور آپ مزکی ہیں تو لازم ہے کہ آپ خود سراپا طہارت و عصمت ہوں۔ یہ ایک ایسا نتیجہ ہے کہ جس پر بہرحال ایمان لانا پڑتا ہے۔ ورنہ "**یزکیھم**" کا مفہوم ہی بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کو مزکی ماننے کے لیے اسے معصوم ماننا لازم ہے کیونکہ وہ معصوم ہوگا تو مزکی بن سکے گا اور اگر اس کے مزکی ہونے سے انکار کیا جائے گا تو قرآن حکیم کی قطعی آیت کا انکار ہوگا جو کفر ہے۔ پس نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی

Marfat.com

معصومیت پر دل سے ایمان لانا لازم ہے اور حقیقی شرط ایمان ہے۔

زلات انبیاء

واضح رہے کہ قرآن نے جن انبیاء کی بعض زلات (لغزشوں) کا ذکر کیا ہے ان کی حقیقت' معصیت (گناہ) نہیں بلکہ یہ امور از قبیل نسیان یا خطائے اجتہادی ہیں جیسا کہ آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا

فنسی ادم ولم نجد لہ عزما

اور یونس علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ

"فظن ان لن نقدر علیہ

انبیاء اگرچہ معصوم ہوتے ہیں لیکن نسیان یا خطائے اجتہادی ان کے حق میں امر جائز ہیں جیسا کہ علمائے اہل سنت نے تصریح فرمائی ہے انبیا کے متعلق عصیان' غوایت اور ذنب کے الفاظ کا اطلاق محض مجازا" اور استعارتا" ہے۔ انبیاء کا بعض امور پر استغفار' تواضع اور کسر نفسی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ان امور پر عتاب فرمانا ان کی رفعت شان کی وجہ سے ہے۔

عصمت مصطفیٰ علیہ التحیتہ و الثناء

چونکہ سرور کائنات علیہ التحیات و الصلوات کا مرتبہ تمام انبیاء و رسل سے بہت بلند و بالا ہے' اس لیے آپ کے حق میں عصمت کا تحقق سب سے زیادہ اتم و اکمل ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل از بعثت یا بعد از بعثت کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ سہوا" یا عمدا" ہرگز ثابت نہیں۔ البتہ انبیائے سابقین کے حق میں خطائے اجتہادی ثابت و جائز ہے لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ بھی ثابت و جائز نہیں' جیسا کہ امام نوویؒ' قاضی عیاضؒ وغیرہ ہما نے محققین کے مذہب کی تصریح فرمائی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر و عقل آپ کا علم و عمل اور قول و فعل و اجتہاد مکمل طور پر حق و صواب ہیں۔ ان میں سر مو خطا کی گنجائش تک نہیں آیات قرآنیہ **انک لعلی ھدی مستقیم۔ انک لتھدی الی صراط مستقیم** وغیرہا اس پر شاہد ہیں۔

Marfat.com

عشق رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

فاتبعونی یحببکم اللہ

عشق و محبت' محویت مقصد کا نام ہے' مقصد کو ہی محبوب بھی کہا جاتا ہے۔ تعین مقصد خالص انسانی فعل ہے۔ یہ کم تر درجہ کے حیوانات کے بس کی بات نہیں' حیوانات تو اسیر جبلت ہوتے ہیں اور تسکین جبلت ہی میں ان کی عمر گذر جاتی ہے' ان کے لیے تعین مقصد' زور جبلت ہی کا اثر ہوتا ہے اور تسکین جبلت کے بعد' مقصد بھی ختم ہو جاتا ہے۔ حیوان' مقصد پر جبلت کو قربان نہیں کر سکتا' لیکن انسان محبت مقصد کے زور میں نہ صرف جبلی تقاضوں کو روک سکتا ہے بلکہ مقصد کی خاطر جبلی تقاضوں کے خلاف بھی کام کر گذرتا ہے۔ یوں وہ جبلی پابندیوں کے زنداں سے آزاد ہو کر' جمال و کمال کی بے کراں وادیوں میں جا پہنچتا ہے' روح انسانی محبت ہی کے پر و بال سے زمان و مکان کی حدود و قیود کو پھلانگ جاتی ہے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

جبلتوں کی تسکین پر مدار حیات جسمانی ہے' اس لیے ان کا زور بے پناہ ہوتا ہے' تاکہ حیات حیوانی کی گاڑی خود کار طریقہ پر چلتی رہے اور بقائے حیات کے تقاضے بہرحال پورے ہوتے رہیں' لیکن زور محبت کے زیر اثر جب تمام جبلی تقاضے ایک

Marfat.com

مقصد متعین (محبوب) کے حصول کے لیے وقف ہو جاتے ہیں تو ان کے زور کی بے پناہی کا اندازہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔ محبت کا زور جبلی زنجیروں کو توڑ کر زمان و مکان کے طلسم کو بھی توڑ دیتا ہے۔ موت سے کھیل جاتا ہے اور انسان کی فکری اور عملی قوتوں میں محیر العقول حد تک اضافہ کر دیتا ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

محبت کا داخلی نفسیاتی پہلو یہ ہوتا ہے کہ وحدت مقصد کی وجہ سے داخلی جبلی کشمکش مٹ جاتی ہے۔ تعین مقصد سے ایک محویت سی پیدا ہو جاتی ہے' جو سراپا مسرت و کیف ہوتی ہے۔ کیف محبت دافع درد و الم ہوتا ہے۔ وجہ سرور و فرحت ہوتا ہے' محبت کا مرغزار بے خار ہوتا ہے' یہاں فرقت کی تلخیوں میں بھی' لاکھوں شیرینیاں پنہاں ہوتی ہیں۔ اس کے اضطراب میں بھی اطمینان ہوتا ہے۔ غرضیکہ نفسیاتی اور باطنی سکون و اطمینان کے نقطہ نگاہ سے بھی صرف عشق و محبت ہی تمام داخلی امراض کا واحد اور شافی علاج ہے۔ بقول پیر رومیؒ ۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے علاج نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

دین میں بھی ایمان' محبت سے ہی معنون ہے۔ **"والذین امنوا اشد حبا" للہ** کا یہی مفہوم ہے۔ خدا تعالیٰ کے جمال و کمال کی بے پناہی سے الجھنا' عقل جزئی کے بس کی بات نہیں۔ جہاں حضرت موسیٰ کلیم اللہ بے خود ہو جائیں وہاں عام انسان کی کیا بساط کہ طلب دید کر سکے' لیکن محبت تو دید ہی چاہتی ہے بلکہ ھل من مزید سے بھی باز نہیں آتی۔ لہٰذا حقیقت منتظر' کبھی کبھی لباس مجاز کو بھی نوازتی ہے۔ اور وجوب' آئینہ امکان میں جلوہ نمائی کرتا ہے کہ عاشقان کم نگاہ کچھ تو دید جمال سے بہرہ ور ہو سکیں۔ انسان کامل' برزخ کبریٰ ہوتا ہے کہ وہ وجوب و امکان اور حدوث و قدم میں رابطہ کا

Marfat.com

کام دیتا ہے۔ وہ حدوث کے لئے قدم کی دلیل اور امکان کے لیے وجوب کا ثبوت ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کی اطاعت عین رضائے خدا ہوتی ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

وہ ایسا مطاع ہوتا ہے کہ اس کے مطیع بھی محبوب خدا ہوتے ہیں۔

فاتبعونی یحببکم اللہ

اس کی کامل اتباع سند محبوبیت ہے اور اس کی کامل اطاعت وجہ مقبولیت ہے۔

وہ داخلی اور خارجی' جسمانی اور روحانی طور پر حسن و خوبی کا مظہراتم ہوتا ہے۔ وہ خالق کا شاہکار صنعت اور مخلوق کا مرکز محبت ہوتا ہے اور دانائے راز اقبالؒ کے نزدیک تو وہ "از خدا محبوب تر گردد نبی" کا مصداق بن جاتا ہے۔

ایک واضح' معین اور حسین مقصد کی محبت ہی سے قوم وجود میں آتی ہے اور وہی مقصد جب انسانی روپ میں حسین کردار بن کر آشکارا ہوتا ہے تو وہ اس قوم کا قائد' مطاع اور اجتماعی محبوب ہوتا ہے۔ اس محبوب کے کردار کو اپنانے سے قومی کردار وجود پذیر ہوتا ہے۔ اس کی محبت سے قوم میں باطنی اطمینان اور خارجی وحدت پیدا ہوتی ہے اور اس ایک ہی محبوب کے وجدانی رابطہ سے اس قوم میں انفرادیت قائم ہوتی ہے۔ غرضیکہ ایک مخصوص قوم کی بقاء اور ارتقاء کا دار و مدار ایک متعین مقصد (محبوب) سے کامل وابستگی (محبت) پر ہی ہوتا ہے۔ حکیم الامت حضرت اقبالؒ نے اسی حقیقت کو بڑے حسین رنگ میں بیان کیا ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ملت اسلامیہ کا مرکز محبت' حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ و السلام کی ذات بابرکات ہے۔ انہیؐ کی محبت سرمایہ ایمان ہے۔ انہی سے نسبت زیست کا سامان ہے۔ انہی کی عادت شریعت ہے انہی کی حالت طریقت ہے انہی کا عرفان غایت حیات ہے۔ اور انہی کی پہچان وجہ نجات ہے۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ ست
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ ست

Marfat.com

پہلے نبی اسی محبوب منتظر کی بشارات دیتے چلے گئے۔ خالق کائنات نے اسی گل رعنا کی نمود کے لیے مرغزار وجود کو سجایا۔ اسی پر تخلیق نوع انسانی کا ارتقاء ختم ہوا۔ یہی مظہر رضائے خدا اور یہی نوع انسانی کے لیے آخری اور قطعی وسیلہ ارتقاء ہے ---- یہ وہ محبوب ہے کہ اس کے ذکر جمیل کی شنید سے' عشق و محبت کے جذبات بیدار ہو جاتے ہیں۔ خوشا نصیب ان کا جنہوں نے اس جان خوبی کو جی بھر کر دیکھا اور اس کی زیارت' معیت اور اطاعت کے مزے اٹھائے۔ کیا کہنا ان کے مقدر کا اور کیا کہنا ان کی محبت کا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ طور پر گئے تو قوم نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مخبری دشمنوں کے سامنے ان کے ایک حواری نے کر دی لیکن اس گل رعنا کے عندلیب اور اس شمع فروزاں کے پروانے' موت سے کھیل گئے' تیر و تفنگ سے لڑ گئے' گھر بار لٹا دیئے' لیکن محبوب کے نام اور اس کے نظام پر آنچ نہ آنے دی۔ عشق و محبت کی وہ مثالیں قائم کر دیں کہ دنیا ان متوالوں کے حالات پڑھ کر' عشق و محبت کی دوسری تمام داستانیں بھول گئی' وطن چھوٹ گئے' اولاد کے رشتے ٹوٹ گئے' مال و متاع جاتے رہے' جان پر بن گئی ------ لیکن نسبت محبت بڑھتی ہی گئی ------ ان کی محبت ہر مصیبت پر ایسی غالب آگئی کہ راہ محبت کی ہر مصیبت' راحت اور ہر خزاں بہار بن گئی ----- حسن یار میں ایسے کھو گئے کہ خود حسن بن گئے' محبوب کی ایسی اطاعت کی کہ اپنی شخصیت ہی بدل دی۔ رضائے یار کا ایسا اہتمام کیا کہ یار سے اپنی رضا کا انعام لیا ----- رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

عاشقاں او ز خوباں خوب تر
خوش تر و زیبا تر و محبوب تر

آیئے! ان پیکران عشق و وفا اور کشتگان تسلیم و رضا کی وارفتگی محبت کے کچھ انداز محبت دیکھتے چلیں کہ اس تکمیل عشق کی داستان جمیل سے جہاں حسن و جمال مصطفوی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے وہاں دیکھنے اور سننے والوں کے جذبات محبت بھی ابھرتے ہیں ---- جہاں حسن' وجہ عشق ہے وہاں عشق بھی تو دلیل حسن ہے۔ ۔

"شمع بھی ساز محفل ہے' زینت ہے پروانہ بھی"

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسی محبوب کے عشق نے صدیق بنا دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی پیکر جمال کے رابطہ نے فاروق بنا دیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی دولت حسن کی بدولت غنی بن گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی جان خوبی کی نسبت سے مرتضیٰ بن گئے' قطرے اسی کی نسبت سے بحر زخار اور ذرے اسی کی تجلی سے آفتاب نصف النہار بن گئے۔

احساس مرگ و زیست کے قابل بنا دیا
جس دل کو تو نے دیکھ لیا دل بنا دیا

ظاہری شہنشاہ' دنیا سے گئے تو ان کا جاہ و جلال افسانہ پارینہ بن کر رہ گیا۔ مہ جبیں' روپوش ہوئے' تو ان کے حسن عالم سوز کی تابانیاں بھی ختم ہو گئیں۔ حکماء اور فضلاء کا نام اور پیام تو رہ گیا لیکن ان سے روح انسانی کا دائمی رابطہ محبت باقی نہ رہ سکا۔ لیکن محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن عالم افروز کا کیا کہنا' کہ صدیوں کے بعد بھی اس کی تجلیات جمال پر وہی نکھار اور اس کے گلشن کمال میں وہی بہار ہے' نہ اس کے ناز میں کوئی کمی آئی ہے نہ عشاق کے نیاز میں' لاکھوں عشاق دلفگار' یار کو نہیں تو کوئے یار ہی کو دیکھنے پروانہ وار چلے آتے ہیں۔ حریم یار کی خلوتوں کے نہ سہی' حرم یار کی جلوتوں کے مزے لوٹنے کو ہی لاکھوں عشاق مدینتہ النبی کے گلی کوچوں کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ لامتناہی سلسلہ وارفتگی محبت کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔

"ترے نقش کف پا پہ لاکھوں کے سلام"

دنیا بھر میں ہر سال نہیں بلکہ ہر روز ہزاروں محافل میلاد منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ اور بمصداق ذکر حبیب کم نہیں' وصل حبیب سے' حضور علیہ السلام کے تذکار سے مومنین دل و جان کے اطمینان کا سامان کرتے رہتے ہیں۔ لاکھوں شعراء' ہزاروں ادباء' سینکڑوں حکماء اور فضلاء شب و روز اپنی اپنی بساط کے مطابق حسن و جمال کے اس پیکر اتم' عرصہ محشر کے اس شافع امم' ختم الرسلین' محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ

Marfat.com

وسلم کی بارگاہ ناز میں ہدیہ نیاز پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس کی داستان حسین دنیائے باطن کے لیے باعث تسکین اور عالم ظاہر کے لیے وجہ تزئین ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں زندہ می دارد
برنگ ارباب صورت را بہ بو ارباب معنی را

عالم شریعت میں اس کی اطاعت' عالم طریقت میں اس کی محبت اور عالم معرفت میں اس کی کیفیت مقصود مومن ہے۔ یہ ایک ہی حقیقت کی مختلف کیفیات ہیں' اور ایک ہی صنعت کے مختلف نام ہیں' کچھ کہہ لیجئے بات ایک ہی ہے ------ کہ

اس کی محبت ہی جان ایمان اور دین حق کی شرط اول ہے

لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ و الناس اجمعین
(مسلم شریف)

اس حقیقت کو جان لینے اور اس حکم کو مان لینے والوں کا اسلوب محبت بھی ذرا دیکھتے جایئے۔ تاکہ آداب محبت کو جان سکیں اور عشق نبوی کا انداز ان سے سیکھیں' جن کے عشق کی تادیب خود حسن نے فرمائی تھی۔ جہاں تکمیل حسن' ذات پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی تکمیل عشق کا مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذات بابرکات کو نصیب ہوا۔

تو انتہائے حسن ہے یہ انتہائے عشق
دیکھے تجھے کہ ان کا تماشا کرے کوئی

یاد رکھنا چاہئے کہ محبت ہی ادب و توقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی محبوب کی رضا کو ذاتی رضا پر غالب کر کے' کمال اطاعت کے مقام تک لے جاتی ہے۔ محبت بغیر ادب و احترام کے ناتمام اور اطاعت بغیر محبت و عقیدت کے جسم بے جان سے زیادہ نہیں۔

عروہ بن مسعود ثقفیؓ کو قریش نے صلح حدیبیہ سے قبل بارگاہ رسالت میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا' انہیں تاکید کر دی گئی کہ بارگاہ نبوت کے حالات بغور دیکھیں اور آ کر قریش کے سامنے بیان کریں۔ عروہ نے دیکھا' حضور علیہ السلام وضو فرماتے ہیں تو صحابہؓ میں وضو کے پانی کے حصول پر مقابلہ سا ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے لعاب پاک کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم زمین پر گرنے نہیں دیتے' حضور علیہ السلام بولتے ہیں تو ہو کا عالم ہو جاتا ہے' تعظیم کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی آنکھ اٹھا کر روئے انور کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کرتا۔ عروہ نے واپس آ کر قوم کو بتایا' کہ اصحاب رسول اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو تعظیم کرتے ہیں وہ کسی بھی شہنشاہ کو اپنے دربار میں حاصل نہیں۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کفار مکہ سولی دینے لگے' تو ابو سفیان نے ان سے کہا' کہ زید تم دل میں چاہتے ہو گے کہ آج تمہارے بدلے تمہارے نبی کو سولی دی جاتی اور تم آرام سے ہوتے' حضرت زیدؓ نے فرمایا' کہ خدا کی قسم میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے عوض حضور علیہ السلام کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابوسفیان حیران رہ گیا اور پکار اٹھا کہ ایسی بے پناہ محبت میں نے اس سے قبل کہیں نہیں دیکھی۔

عبداللہ بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی' یا رسول اللہ آپ مجھے جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ پیارے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کو دیکھتا ہی رہوں۔ ایک اور صحابی جب بھی حاضر ہوتے ٹکٹکی لگا کر روئے انور کی زیارت میں محو ہو جاتے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر عرض کی' کہ حضور قیامت میں خدا جانے ایسی فرصت پھر نصیب نہ ہو۔ جی چاہتا ہے کہ یہیں جمال جہاں آرا کی دید سے جی بھر کر مستفید ہو لوں۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ میرا محب جنت میں بھی میری معیت میں ہو گا۔ **"المرء مع من احبہ"**

جنگ احد میں ایک صحابیہ کا شوہر' بھائی اور بیٹا سب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ وہ مدینہ سے چل کر میدان جنگ میں آئی اور اپنے اعزہ کی شہادت کی خبر کے باوجود صرف حضور علیہ السلام کی خیریت کا پتہ پوچھتی رہی اور جب حضور علیہ السلام کے جمال جہاں آرا کو دیکھا تو جوش محبت میں بول اٹھی۔

کل مصیبت بعدک جلل

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

Marfat.com

عبداللہ بن ابی' رئیس المنافقین تھا' اور اس کا فرزند صادقین میں سے تھا۔ بارگاہ رسالت میں عرض کی

لو شئت لا تیت برا سہ

اگر حضور چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ لاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔

عشاق جمال نبوت کا حسن بیان تو دیکھئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' کہ میں نے ریشم یا کوئی اور چیز ایسی نہیں دیکھی جو حضور علیہ السلام کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور کوئی مشک و عنبر کا عطر ایسا نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبو دار ہو۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور مسجد سے گھر کو چلے تو بچوں نے فرط محبت سے گھیر لیا' حضور سب پر دست شفقت پھیرتے جاتے تھے۔ جب میرے چہرے کو ہاتھ لگا تو مجھے ٹھنڈک سی پڑ گئی اور ایسی خوشبو آئی کہ گویا ہاتھ ابھی طبلہ عطار سے نکلا ہو۔

ربیع بنت معوذ صحابیہؓ سے حضرت عمار بن یاسر کے پوتے نے حضور علیہ السلام کا حلیہ بیان کرنے کو کہا تو فرمایا کہ اگر "تو حضور کو دیکھ پاتا تو محسوس کرتا کہ ابھی سورج نکل آیا ہے۔" جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ چاندنی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حلہ حمرا (سرخ چادر) اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے جب یہ منظر حسیں دیکھا تو چاند میری نظر میں ماند پڑ گیا اور جمال نبوت کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی محبت جان ایمان ہے اور اطاعت علامت محبت ہے۔ تکمیل محبت نبوی ایک مومن کی غایت آخری ہے اور یہی آخری ترقی ہے۔ صفات محبوب سے بہرہ اندوزی تکمیل شخصیت ہے اور وفور محبت حاصل معرفت ہے' کثرت ذکر محبوب' محبت کا مقصد ہے' محویت محبت سے محب' محبوب بھی بن جاتا ہے اور عشق خود سراپا حسن بن جاتا ہے یہ کیفیت دید و شنید میں نہیں آتی'

Marfat.com

ہاں محسوس کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس بقاء سے پہلے فنا شرط ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو کیف صہبائے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب فرمائے۔ (آمین)

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست
کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

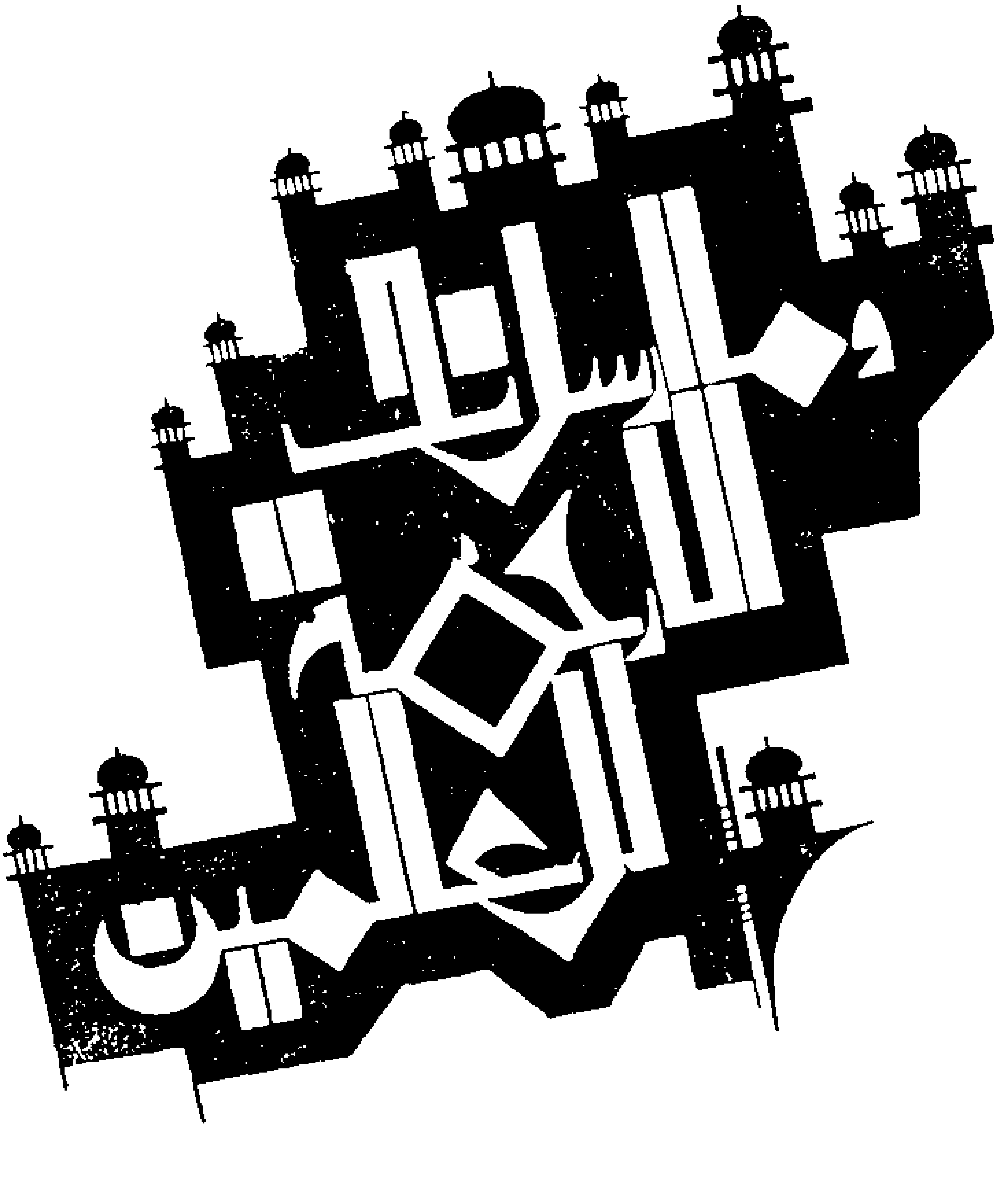

Marfat.com

ارتقائے انسانی
اور
اسوہ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

ربوبیت ایک تدریجی ارتقائی عمل ہے۔ جو زمان و مکاں میں ایک خاص انداز سے کارفرما ہوتا ہے۔ ربوبیت کا مفہوم و مقصد یہ ہے کہ ہر چیز بتدریج اپنے کمال کو پہنچ جائے' اس سلسلہ میں زندگی کو موانعات راہ سے الجھنا اور متصادم بھی ہونا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھار ہزیمت اور پسپائی بھی ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک ناگزیر اور عارضی حالت ہوتی ہے۔ اور ارتقائے حیات کا سیل رواں' راہ کے خس و خاشاک کو بہاتا ہوا ہر وقت اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

باقی اشیاء کائنات کی طرح ابتدا" انسان کا ارتقائی عمل ست رو ہوتا ہے' لیکن جب آسمانی ہدایت سے انسان کو منزل مقصود کا شعوری عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ تو سالوں کی مسافت ساعتوں میں طے ہونے لگتی ہے اور کچھ یوں لگتا ہے کہ منزل خود رہ روان راہ شوق کے استقبال کو آجاتی ہے۔

مانا کہ محبت کی رہ میں ہر گام پہ سو سو مشکل ہے
لیکن یہ سفر آسان بھی ہے گر ساتھ تمہارا ہو جائے

رب العالمین مخلص مسافران راہ طلب کی خود راہنمائی فرماتے ہیں اور اپنی حفاظت میں منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** کی

Marfat.com

آسمانی نوید اس دعویٰ کی تائید ہے۔

عزم سفر اور آغاز سفر سے بھی پہلے، منزل مقصود کا تعین اور تعارف لازم ہے۔ ورنہ تمام تگ و دو بیکار اور ہر حرکت بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ حصول کمال کے لیے تصور کمال ضروری ہے۔ اور جذبہ تکمیل کی تسکین کے لیے کسی پیکر جمال و کمال کی محسوس تصویر اور واضح تمثیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ رب العالمین نے انسانی شخصیت کی امکانی تکمیل کے لیے ذات مصطفیٰ علیہ التحیتہ والثناء کو خوبی و کمال، حسن و جمال اور اخلاق عالیہ کا مکمل ترین نمونہ بنا کر بھیجا، تاکہ حصول کمال کے لیے انسانی کارواں کو منزل مقصود مل جائے اور مقصد تخلیق پورا ہو جائے۔ پس حضور علیہ السلام تمام انسانوں کے مطاع اور خاتم الانبیاء قرار پائے۔ حضور علیہ السلام **وانک لعلی خلق عظیم** کے مصداق اور رفعت اخلاق کے حرف آخر ہیں اور **ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ** کا آسمانی اعلان آپ کے مطاع کل ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اور **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ** کی نوید اس دعوے کی تائید مزید ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یاز نور مصطفیٰ اور را بہا
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیٰ است

رب العالمین کی عنایت ہدایت ہمہ گیر اور ہمہ رس ہے۔ لیکن انسانی تہذیب و تمدن کے دور طفولیت میں، نور ہدایت، نسلی، لسانی اور جغرافیائی حد بندیوں میں ظہور پذیر ہوتا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا چراغ ہدایت نینوا اور بابل کے لیے تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شمع ہدایت سے کنعان کا علاقہ منور ہوا۔ جمال یوسفی کی روشنی سے مصر کو تنویر حاصل ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فانوس ہدایت سے بنی اسرائیل کے گھرانے کی ظلمت کافور ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی تابشوں سے بھی ایک خاص قوم اور خاص علاقہ نے اخذ فیض کیا۔

لیکن آخر کار رب العالمین کی حکمت بالغہ نے تکمیل تمدن اور اتمام ہدایت کے

Marfat.com

لیے ایک ہی آفتاب عالمتاب کے ذریعے' عالمین کے ذرے ذرے کو مستنیر اور بچے بچے کو مستفید کرنے کا انتظام فرما دیا۔ تاکہ انسانی تعلیم اور تکمیل' نسلی اور وطنی حد بندیوں سے آزاد ہو کر شرف انسانی کے ایک ہی مقام رفیع تک پہنچ جائے اور ایک خدا کا ایک پیغام' ایک ہی رسولؐ کے ذریعے انسانیت عامہ کو شرف انسانی کے ایک ہی مقام وحدت پر لے آئے اور یوں ایک نظریاتی وحدت' انسانیت کو اپنے دامن عاطفت میں محصور و محفوظ کر لے۔ اور نسلی یا لسانی خانہ ساز حدود و قیود' وحدت انسانی کی تکمیل منزل کی راہ میں حائل نہ ہوسکیں۔ اور اسوہ رسول کی اطاعت کی برکت سے ایک ایسی نظریاتی قوم وجود پذیر ہو جائے۔ جو قیامت تک کے لیے انسانی شرف و مجد اور خوبی و کمال کا معیار قرار پائے۔

لہٰذا چھوٹے چھوٹے اور متفرق مدرسوں اور کالجوں کے بجائے ایک ہی عالمگیر یونیورسٹی کا انتظام کر دیا گیا۔ جس میں بہ یک وقت روحانی' جسمانی' نفسیاتی' طبعیاتی' اقتصادی' معاشرتی اور سیاسی علوم کی تعلیم و تربیت کا مکمل اہتمام کر دیا گیا۔ اب اس ایک ہی درسگاہ سے' ایک ہی معلم انسانیت کے فیض تربیت سے' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمرفاروق' حضرت عثمان غنی ذوالنورین' حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے حکمران اور جہاں بان پیدا ہوئے۔ جن کے عدل و انصاف کے سامنے نوشیرواں کے عدل و انصاف کی داستانیں ماند پڑ گئیں۔ اور جن کے انتظامی اصولوں اور ضابطوں نے ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیا۔ اور دنیا کی سیاسی اور انتظامی تاریخ کے صفحات پر اپنے حسن انتظام اور بے لاگ عدل و انصاف کے ابدی اور غیرفانی نقوش ثبت کر دیئے۔

پھر اسی درسگاہ سے وہ کشور کشا اور مردان میدان بھی پیدا ہوئے۔ جن کی ہمت اور جرات کے سیل رواں کے سامنے ظلم و جبر اور عصیان و طغیان پر مبنی' عظیم اور قدیم حکومتوں کے فلک بوس ایوان اقتدار خس و خاشاک کی طرح بہ گئے۔ ان میں حضرت خالد بن ولیدؓ' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ' حضرت عبیدہ بنؓ جراح' حضرت عمروؓ بن العاص جیسے فقید المثال سپہ سالار قابل ذکر ہیں۔ جن کے حالات و واقعات آج بھی

Marfat.com

اہل عقل و دانش کے لیے اعجاز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رضی اللہ عنہم

پھر اسی درسگاہ علم و فضل کے فیض تربیت سے حضرت عمر بن خطاب' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت ام سلمہ' ابی بن کعب' معاذ بن جبل اور زید بن ثابت جیسی یگانہ روزگار نابغہ شخصیات پیدا ہوئیں۔ جن کے علم و حکمت کے سوتوں سے تا قیامت تشنگان علم و حکمت سیراب ہوتے رہیں گے۔ (ان کی فقہ اور قانون کی قائم کردہ بنیادوں پر) فقیہہ اور متقن' رفیع اور دقیع عمارتیں استوار کرتے رہیں گے۔ رضی اللہ عنہم)

پھر دینی' دنیاوی' جسمانی اور روحانی علوم کی اسی جامعہ سے حضرت ابوذر غفاری' حضرت سلمان فارسی' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت مصعب بن عمیر' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت محمد بن سلمہ اور حضرت ابو درداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے عبادت گذار' قناعت شعار' شب بیدار' وفا شعار اور لذائذ فانی سے بیزار' قرب حق سے سرشار' عباد و زہاد پیدا ہوئے۔ جن کی ایمانی ضیاء طالبان معرفت کو تاابد روحانی جلا بخشتی رہے گی۔ ''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را''

پھر اسی درسگاہ محبت سے وہ سرشار بادہ وفا بھی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے راہ حق میں تسلیم و رضا کی نئی نئی روشیں تراشیں اور غیر فانی داستانیں مرتب کریں اور یہ کشتگان تسلیم و رضا' عشاق کو وفا و بقا کا ابدی اسلوب سکھا گئے۔ ان میں حضرت ہالہ حضرت خباب' حضرت حرام بن ملحان' حضرت کعب بن عمر غفاری' حضرت بلال' حضرت زبیر' سعید بن زید اور حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شامل ہیں۔ اور یہ سب مردان وفا کیش کی عظیم جماعت میں سے مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔

گویا حضور رحمتہ للعالمین علیہ الصلوۃ التسلیم وہ آفتاب عالم تاب ہیں۔ جن کے رشحات نور سے' پست و بلند' باغ و راغ' کوہ و دمن' دشت و چمن' سرو و سمن' بحر و بر' شجر و حجر' خشک و تر' اسود و احمر' ابیض و اصفر' شاہ و گدا' ادنیٰ و اعلیٰ' عربی و عجمی' رومی و حبشی یکساں فیض یاب ہوئے۔

Marfat.com

یہ وہ ابر بہار ہے جس سے لق و دق صحرا' وادی بے آب و گیاہ' یخ بستہ کوہسار' نشاط انگیز آبشار' حسین لالہ زار اور رنگین مرغزار' اپنی اپنی بساط اور ضرورت کے مطابق بہرہ ور و بہرہ یاب ہوئے۔ اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

طبعی' نسلی اور لسانی اختلافات کے باوجود متعلمین درس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب ایک ہی خدا کے پرستار تھے۔ نشہ عشق مصطفیٰ میں سرشار تھے' کفرو شرک سے بیزار تھے' انسانیت کے غمگسار تھے' تعمیرو ترقی کے پاسدار تھے اور دنیائے تخریب میں جہان تعمیر کے معمار تھے' وہ عقل کی بستی میں عشق کی مستی کے علمبردار تھے۔

ہم تا بہ ابد سعی و ترقی کے ولی ہیں
ہم مصطفوی مصطفوی مصطفوی ہیں

حضور رحمتہ اللعالمین کی رحمت' رب العالمین کی ربوبیت کی طرح ہمہ گیر اور ہمہ رس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کا منتہا ہیں اس لیے سب کے مطاع ہیں --- ان کی اطاعت غایت حیات ہے کیونکہ صرف یہی وجہ نجات ہے ----- ان کے اقوال سراپا حکمت اور ان کے اعمال سراپا عصمت ہیں ---- یہی وسیلہ تکمیل ہیں۔ اس لیے یہی علت تخلیق ہیں ----- رحمتہ للعالمینی ربوبیت کی انتہا ہے اس لیے یہی وجہ بقا و ارتقاء ہے۔

خلق و تدبیر و ہدایت ابتدا ست
رحمتہ اللعالمینی انتہا است

اسی لئے حضور علیہ السلام کی طرف سے صلائے عام ہے۔ اگر تم کو محبت خدا کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو کہ اس سے محبت محبوب بن جاتا ہے۔ اگر تم خادم ہو تو میری پیروی کرو' اگر مخدوم ہو تو میری پیروی کرو' اگر راعی ہو تو میری پیروی کرو' اگر رعایا ہو تو میری پیروی کرو' اگر سپہ سالار ہو تو میری پیروی کرو' اگر زاہد شب زندہ دار ہو تو میری پیروی کرو' خطیب ہو یا طبیب' معلم ہو یا متعلم' پدر ہو یا شوہر' پسر ہو یا برادر' یتیم ہو یا مسافر' میری ہی پیروی کرو' رزم ہو یا بزم' مکتب ہو یا مسجد' زراعت ہو یا صنعت' سیاست ہو یا حکومت' صحت ہو یا مرض' رنج ہو یا راحت' فرحت ہو یا

Marfat.com

کلفت' میری ہی پیروی کرو کہ میری ذات میں سب کے لیے سب حالات کے لیے اور تمام اوقات کے لیے' ابدی اور سرمدی' اکمل اور ارفع اسوہ حسنہ موجود ہے۔ جو مفصل بھی ہے اور مبسوط بھی' واضح بھی ہے اور محفوظ بھی' جامع بھی ہے اور کفیل بھی' حسین بھی ہے اور جمیل بھی' اور یہ اسوہ حسنہ روایتی نہیں حقیقی ہے۔ صرف علمی نہیں عملی ہے' افسانوی نہیں واقعاتی ہے۔ یہ صرف عرشی ہی نہیں فرشی بھی ہے۔

پس تمام کائنات کی فلاح و صلاح' بقا و ارتقاء' تعمیر و تحسین تنویر و تزئین کے لیے اتباع اسوہ حسنہ ہی قطعی اور حتمی ذریعہ ہے اس ابدی اور سرمدی ذریعہ نجات کو ہر انسان تک پہنچانے اور اتباع اسوہ حسنہ کی اہمیت کو بتانے اور منوانے کے لیے ہی یہ عظیم الشان سیرت کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔ (جس کے انعقاد کی سعادت کے حصول پر حکومت پنجاب عموماً" اور محکمہ اوقاف خصوصاً" مستحق تبریک ہے۔

اس سلسلہ میں گورنر پنجاب میجر جنرل غلام جیلانی خاں صاحب نے جس حسن عقیدت کا ثبوت دیا ہے وہ قابل تبریک ہے۔ اور ناظم اعلیٰ اوقاف خان آفتاب احمد خان صاحب نے جس محبت و عقیدت سے حسن انتظام کیا ہے۔ وہ قابل تحسین ہے۔ دعا ہے کہ ان سب پر حضور علیہ السلام خاص عنایت فرمائیں۔ آیئے اب قال کو حال کے سانچے میں ڈھالیں' اور اتباع اسوہ رسول کریم سے کسب فیض اور حصول سعادت کا آغاز اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال سے کریں۔ تاکہ عہد حاضر کی ظلمت کو تنویر اور تشنگی کو تسکین مل جائے۔ اور انسان کی روح مضطرب اسوہ حسنہ کی رحمت و برکت سے اس اطمینان کو پالے جو حاصل حیات اور وجہ نجات ہے۔

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اسوہ رسول وہ آفتاب عالم تاب ہے کہ جس کے طلوع کے بعد غروب نہیں۔ یہ وہ صبح بہار ہے کہ جس کے بعد موسم خزاں نہیں۔ آیئے اسی مرکز نور و سرور' اور منبع کیف و حضور سے بہرہ ور ہو کر کائنات کو امن و امانت' اخوت و محبت' عدل و صداقت دیانت و شرافت' خیریت و برکت اور رحمت و سعادت کا گہوارہ بنا دیں۔ یہ کام قال

Marfat.com

سے نہیں بلکہ حال سے ہو گا۔ دلیل لفظی سے نہیں بلکہ مثال عملی سے ہو گا۔ جب ہم سیرت طیبہ کے سانچے میں ڈھل کر اور اولیاء کبار کے نقش قدم پر چل کر' آقائے ہجویری' خواجہ اجمیری' مجدد سرہندی اور دیگر اولیاء امت رحمتہ اللہ علیہم کی طرح اسوہ مصطفائی کے رنگ یکتائی اور سنت مصطفائی کے فیضان خدائی سے مزین ہو کر نکلیں گے۔ تو ہماری ہی شخصیت کی جاذبیت اور ہمارے ہی حسن و جمال کی جامعیت سے دنیا بدل جائے گی۔ اور ہمارے ہی فیضان اتباع مصطفیٰ سے وہ روحانی انقلاب برپا ہوجائے گا۔ جو ارتقائے انسانیت کا ضامن بھی ہے اور تقاضائے فطرت کا متکفل بھی۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

یہ مقالہ حکومت پنجاب کے زیر اہتمام منعقدہ سیرت کانفرنس کے موقع پر پڑھا گیا۔

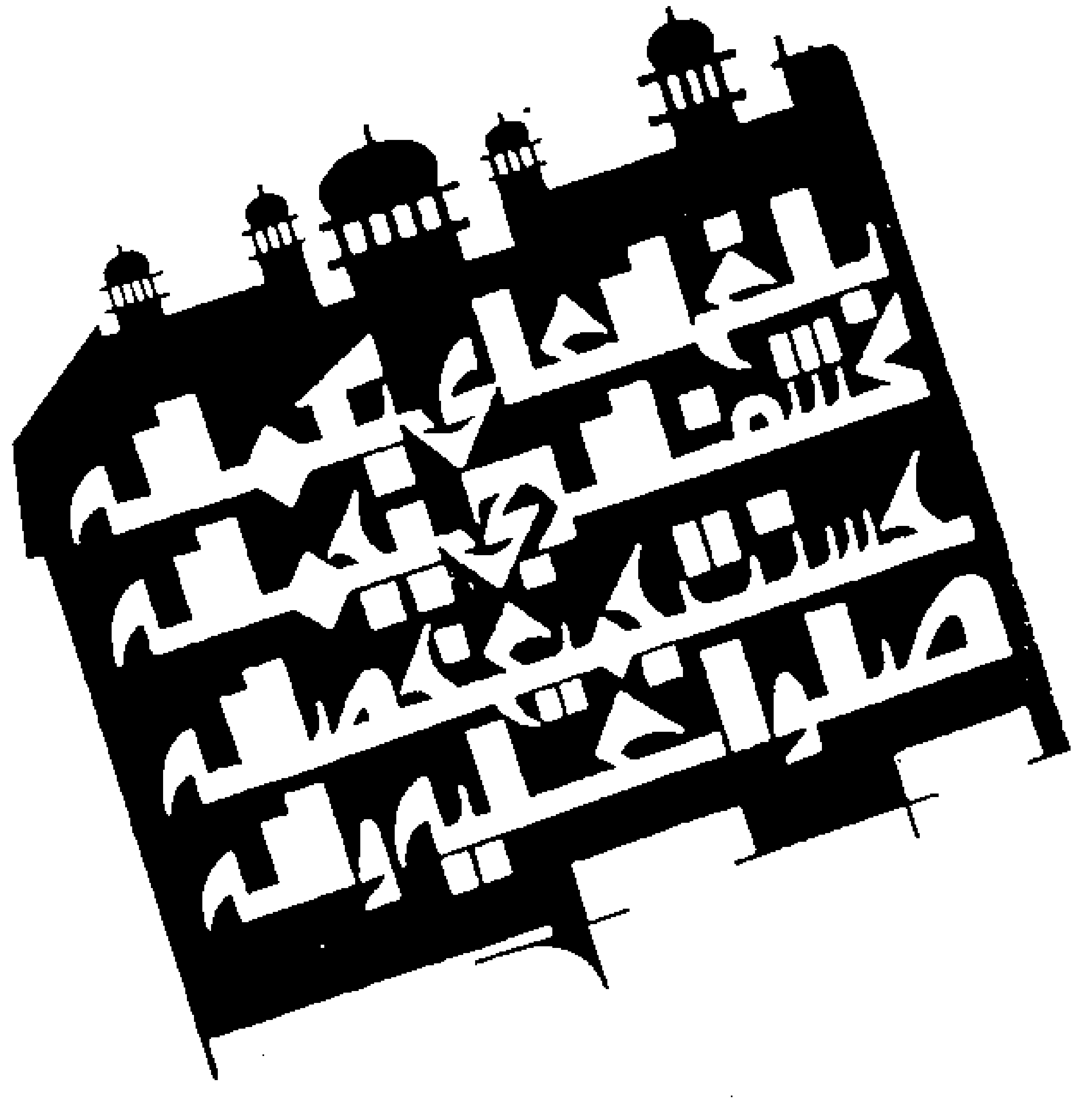

Marfat.com

رسول رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور

اصول جنگ

جنگ ناگوار ہے لیکن ناگزیر بھی ہے۔ یہ سراپا ہلاکت و تخریب ہے لیکن محافظ حیات و تعمیر بھی ہے۔ جراح کے نشتر سے درد بھی ہوتا ہے اور خون بھی بہتا ہے لیکن مواد فاسد کے نکالنے کا چارہ کار بھی یہی ہے۔ دوائی کی کڑواہٹ ناگوار ہے لیکن بحالی صحت کے لئے یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے۔ جب تک دنیا میں شر موجود ہے خیر کو اس سے الجھنا ہی پڑے گا۔ جب تک ظلم کی چیرہ دستیاں موجود ہیں ان کو روکنے کا انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ جب تک جبر و جور بے لگام رہیں گے عدل و انصاف کو اپنا تحفظ کرنا ہی پڑے گا اور پھر یہ ابتلاء وجہ ارتقاء بھی ہے۔ جنگ کی ظلمتوں کے بعد ہی امن و سعادت کی صبح روشن منور ہوتی ہے اور جنگ کی باد سموم کئی بار امن کی نسیم بہار کی پیامبر ہوتی ہے۔

جنگ کی جبلت بھی دوسری بنیادی جبلتوں کی طرح فطرت انسانی کا ایک بنیادی تقاضا ہے۔ اس میں بے مقصد افراط ہو تو ظلم و جبر کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اور تفریط ہو تو بزدلی اور نامردی کا روپ دھار لیتی ہے۔ با مقصد ہو تو جہاد ہے اور بے مقصد ہو

Marfat.com

تو فساد ہے۔ مقصد سے مراد اسلامی اخلاقی اقدار کا تحفظ ہے اس کا مقصد ہوس ملک گیری یا تاخت و تاراج ہو تو یہ رہزنی ہے۔ لیکن اگر مقصد تحفظ عدل وانصاف ہو تو کمال رہبری ہے۔ پس جنگ کے جواز یا عدم جواز اس کی افادیت یا مضرت کا دارو مدار اس کے مقصد پر ہے۔ اگر مقصد اچھا ہے تو جنگ مظہر بر و خیر ہے۔ لیکن اگر مقصد برا ہے تو جنگ سراپا شر و قہر ہے۔ اس کا دوسرا پہلو جنگ کے دوران میں غیر ضروری ظلم و جور بلا وجہ کشت و خون اور انتقامی شکست وریخت کو روکنے سے متعلق ہے خصوصاً" آج کل کے فضائی اور ایٹمی دور میں شہری آبادی پر بمباری ہسپتالوں تک پر فضائی حملے اور نہتے شہریوں کے کشت و خوان جیسے غیر اخلاقی اور غیر انسانی افعال کے انسداد کا انتظام ہے۔

آپ کو حیرت ہو گی کہ سائنس اور ایجاد میں حیرت انگیز ترقی کے باوجود انسان نے اخلاق و کردار میں ترقی نہیں کی۔ حرب و ضرب کے ہولناک آلات بنانے کے ساتھ ساتھ ان کے استعمال پر تحدید کا کوئی اہتمام نہیں کیا نتیجہ یہ ہے کہ ہر آن انسانیت کی پوری اجتماعی زندگی خطرے میں ہے کوئی ملک اور کوئی آبادی محفوظ نہیں ہلاکت کے مہیب عفریت' ایٹمی قوتوں کی صورت میں فضاؤں میں منڈلا رہے ہیں ہلاکت کے یہ جنات جس وقت بھی بوتل سے باہر آگئے قیامت صغری برپا ہو جائے گی اب کہیں جا کر یہ احساس ہوا ہے کہ تخفیف اسلحہ اور تحدید قوت کا کوئی ضابطہ بنایا جائے اور کچھ عرصہ تک کے لے انسانی زندگی کی "فرصت حیات" کو طول بخشا جائے لیکن ہنوز کوئی نتیجہ بخش حل یا تجویز سامنے نہیں آئی۔ اسلحہ سازی کی دوڑ میں برتری کا جذبہ بڑھتا جاتا ہے اور انسان کے بیشتر وسائل ہلاکت آفرینیوں کے سامان میں اضافہ کے لیئے وقف ہو چکے ہیں۔

آیئے مغرب کے قانون جنگ کی ترتیب اور ہیئت کی تاریخ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے چلیں اور پھر یہ بھی دیکھتے چلیں کہ آج سے چودہ سو برس پہلے رسول رحمت ختمی مرتبت علیہ التحیۃ والثنا نے انسان کو ایک مکمل اور عظیم اخلاقی ضابطہ جنگ و جہاد مہیا فرما کر انسانیت پر کتنا بڑا احسان وانعام فرمایا۔

Marfat.com

۱۶۱۸ء سے ۱۶۴۸ء تک کی تیس ۳۰ سالہ جنگ میں اس بے دردی اور سفاکی سے انسانی کشت و خون ہوا اور تاخت و تاراج میں اتنی فراوانی ہوئی کہ اس جنگ کے خاتمہ پر مفکرین کو انسانیت کی اس ہولناک تباہی سے بچانے کے طریقوں پر غور کے لئے مجبور ہونا پڑا چنانچہ ۱۶۴۸ء میں جنگ کے خاتمہ پر ویسٹ فالیا(west falia) کی کانگریس میں یورپ کے مفکرین نے غور و فکر کے بعد گروٹیوس کی اس سفارش کو قبول کرلیا کہ :

"جنگ میں اس شریفانہ رعایت کو ملحوظ رکھا جائے کہ عورتوں' بچوں' بوڑھوں' پادریوں' کاشتکاروں' تاجروں اور جنگی قیدیوں کو قتل و غارت سے محفوظ رکھا جائے۔"

یہ واضح رہے کہ اس چیز کو بطور ایک قانون کے نہیں بلکہ بطور ایک شریفانہ رعایت کے منظور کیا گیا گروٹیوس ہالینڈ کے ایک مقنن تھے اور انہوں نے بین الاقوامی قانون پر ایک مشہور تاریخی کتاب (Dcivre Bellac Pacis) لکھی جو بعد میں تمام بین الاقوامی قوانین کے لئے اساس کا کام دیتی رہی۔ گروٹیوس نے پہلی بار جنگ میں اخلاق کی آمیزش کی کوشش کی لیکن اس کی رائے بھی یہ تھی کہ قانون میں ان تمام لوگوں کا قتل جائز ہے "جو دشمن کی حدود میں پائے جائیں قطع نظر اس کے کہ وہ عورتیں ہوں یا بچے اور بوڑھے" کشت و خون کا یہ غیر محدود حیوانی حق آج تک ہر جنگ میں پوری فراخ دلی سے استعمال کیا جا رہا ہے اور اس میں آج سے تین سو سال پہلے کی اور آج کی جنگوں میں قطعا کوئی فرق نہیں بلکہ سائنس کی تباہ کن ایجادات کی وجہ سے حالیہ جنگوں میں خونریزی اور بربادی اپنی انتہا کو جا پہنچی ہے۔ ناگا ساکی پر صرف ایک ایٹم بم گرنے سے جو تباہی ہوئی وہ اس سے پہلے کی جنگوں کی سالوں کی تباہی سے بھی کہیں بڑھ گئی۔

انیسویں صدی کے وسط تک یورپ میں جنگی اصلاح کے سلسلہ میں کوئی منظور شدہ ضابطہ قانون موجود نہ تھا اور محارب فوجوں کی رہنمائی کے لئے اور انہیں غیر ضروری کشت و خون سے بند رکھنے کے لئے کوئی ایسا قانون موجود نہ تھا۔ جس کو قوموں نے اجتماعی طور پر منظور کیا ہو۔ ۱۸۶۳ء میں پہلی مرتبہ امریکہ نے اپنی فوجوں کی

Marfat.com

راہنمائی کے لئے ایک ہدایت نامہ مرتب کیا۔ امریکہ کے اتباع میں انگلستان' روس' جرمنی اور فرانس نے اس سے ملتا جلتا ایک ایک ہدایت نامہ اپنی اپنی افواج کو مہیا کیا۔ اس کے ایک سال بعد حکومت سوئزر لینڈ نے جنیوا کے مقام پر ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کروائی جس میں بیماروں' زخمیوں اور معالجوں کے تحفظ کے لئے کچھ سفارشات مرتب کی گئیں' جن کی تفصیلی وضاحت او قانونی ہیئت جنیوا کی تیسری بین الاقوامی کانفرنس میں مرتب کی گئی جس کو ہم ایک ضا .طہ قانون کا نام دے سکتے ہیں۔

اس کے بعد زار روس اگزنڈر دوم کی تحریک پر ۱۸۷۴ء میں بروسلز کانفرنس ہوئی۔ جس میں پہلی مرتبہ بری جنگ کے متعلق کچھ اصلاحی قانون بنائے گئے لیکن اکثر حکومتوں نے اس کی توثیق نہ کی اور جرمنی اور انگلستان نے ان کے ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ بروسلز کانفرنس کی تجاویز ۲۵ برس تک بیکار پڑی رہیں حتی کہ ۱۸۹۹ء میں زار نکولس ثانی کی تحریک پر ہیگ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دنیا کی ۲۶ حکومتوں نے حصہ لیا اور جنگ کی اصلاح کے سلسلہ میں کچھ مزید کام ہوا۔ یہ کانفرنس بھی اپنا کام مکمل نہ کر سکی اور اصلاح جنگ کے سلسلہ قانون کی تدوین کا کام مزید ۸ سال کے لیے رکا رہا۔ ۱۹۰۷ء میں امریکہ کے صدر مسٹر روز ویلٹ اور زار نکولس ثانی کی تحریک پر دوبارہ ہیگ کانفرنس منعقد ہوئی اور وہ ایک حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہی اس میں پہلے سمجھوتوں کی توثیق کے علاوہ مندرجہ ذیل امور کے متعلق بھی کچھ فیصلے ہوئے۔

۱۔ آغاز جنگ کے لے اعلان جنگ کا لزوم۔

۲۔ حالت جنگ میں دشمن کے تجارتی جہازوں کا تحفظ۔

۳۔ حالت جنگ میں جہازوں پر گولہ باری اور ان کی گرفتاری کے متعلق قوانین۔

۴۔ بری اور بحری جنگوں میں غیر جانبداروں کے متعلق ضابطہ کار۔

یورپ میں جنگی قوانین کی تدوین کی اس مختصر تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یورپ کو ابھی مہذب قوانین جنگ سے آشنا ہوئے ۶۰ ساٹھ برس

Marfat.com

سے زیادہ وقت نہیں گزرا اور قوانین کی تکمیل نے وقت سے حساب لگائیں تو ماننا پڑے گا کہ بیس برس سے پہلے تک یورپ میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا جنگلی قانون ہی کار فرما تھا۔

اور یورپ کے پاس کوئی ایسا ضابطہ قانون موجود نہ تھا جو حالت جنگ میں بھی انسان کو انسانی حدود و قیود کے اندر رکھ سکے۔ اور ممکن حد تک جنگ کی تباہ کاریوں کو کم کر سکے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی ضابطہ جنگ اور اصول جہاد پر نظر ڈالئے تو واضح ہو جائے گا کہ وہ ایک ایسا انتہائی مہذب اور مکمل ضابطہ قانون ہے جس میں آج تک کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی اور یورپ نے بعد از خرابی بسیار جو کچھ کام اصلاح جنگ کے سلسلہ میں کیا ہے وہ اسلامی ضابطہ قانون کی ہی ایک نا تمام خوشہ چینی معلوم ہوتی ہے اور بعض معاملات میں تو یورپ کا ضابطہ قوانین' اسلامی ضابطہ قوانین سے بہت پیچھے ہے۔

مقصد جہاد اور اصلاح جنگ

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کے وقت عرب میں جنگ ایک نہایت ہی ہولناک اور مہیب امر تھی اس میں ہر ظلم و جور اور ہر قسم کی تخریب و تعزیر جائز تھی عرب میں جنگ کے کے محرکات عموما مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ مال غنیمت کا شوق (یعنی اجتماعی لوٹ کھسوٹ)

۲۔ تفاخر و انتقام

طریقہ جنگ میں غیر مقاتلین پر تعدی مثلا" دشمنوں کو آگ میں جلانا' غفلت میں حملہ' مقتولوں کی لاشوں کی تذلیل' بد عہدی' بچوں' بوڑھوں اور عورتوں کا قتل یہ سب امور نہ صرف جائز تھے بلکہ یہ ایک معمول کی شکل اختیار کر چکے تھے۔

روم اور ایران میں بھی بعینہ یہی امور رائج تھے اور ان کے ہاں بھی جنگ میں مظالم اور تخریب کا معیار کسی طرح بھی جاہل عربوں سے کم نہ تھا۔

یہ وہ ماحول تھا جس میں حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح جنگ کا علم بلند فرمایا اور دنیا کو اصلاح جنگ کا وہ مہذب اصول مہیا فرمایا جو رہتی دنیا

Marfat.com

تک انسانوں کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ اسلام نے جنگ کو ایک نیا رنگ دے دیا۔ اور تطہیر مقصد اور تہذیب کار سے اس تخریب کو تعمیر' جنگ کو امن اور فساد کو جہاد بنا دیا۔ اسلام کا نظریہ یہ تھا کہ جنگ فی الاصل ایک مصیبت ہے لیکن جب دنیا میں اس سے بڑی مصیبت یعنی ظلم و طغیان اور فتنہ وفساد پھیل جائے اور ظالم انسانوں کی سرکشی انسانیت کے امن و راحت کو تباہ کرنے پر تل جائے تو محض دفع فتنہ و فساد کے لئے جنگ نہ صرف جائز ہو جاتی ہے فرض ہو جاتی ہے۔ اس جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے کر اسلام نے تمام ذاتی اغراض کا قلع قمع کر دیا اور صرف رفع شر اور حصول خیر کو ہی مقصد جہاد قرار دیا۔

○ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ہم میں سے کوئی جوش غضب سے لڑتا ہے کوئی حمیت قومی میں حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ جو شخص راہ خدا میں لڑتا ہے اسی کی جنگ راہ خدا میں ہے۔

○ حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص خدا کی راہ میں لڑنے گیا اور اونٹ باندھنے کی رسی حاصل کرنے کی نیت دل میں کرلی تو اسے وہ رسی ہی ملے گی ثواب کچھ نہ ملے گا"

○ ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو مالی فائدہ اور ناموری کے لیے جنگ کرتا ہے؟ ایسے شخص کو کیا ملے گا؟ حضور علیہ اصلواۃ والسلام نے فرمایا **لا شئی لہ** اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔

دیکھیے حضور علیہ السلام نے مقصد جنگ کو کتنا مہذب' کتنا مقدس اور کتنا تعمیری بنا دیا۔ تطہیر مقصد سے ہی جنگ کا رنگ بدل گیا اور یہ تحفظ تہذیب و شرافت کا ایک مقدس فریضہ بن گئی۔

مقصد جنگ کی تقدیس کے ساتھ ساتھ طریقہ جنگ کی بھی ایسی تطہیر فرمائی کہ جاہلیت کی تمام ظالمانہ رسمیں اور وحشت و بربریت کے تمام گھناؤنے افعال یک قلم

Marfat.com

ناجائز قرار دے دیئے اور عرصہ رزم کو بھی تہذیب و شرافت کی بزم بنا دیا۔

○ غیر اہل قتال مثلاً" عورتیں' بچے' بوڑھے' بیمار' زخمی' اندھے' سیاح' خانقاہ نشین' زاہد' معبدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی تمام بے ضرر لوگوں کے قتل کو سختی سے ممنوع فرمادیا۔ ایک مرتبہ میدان جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر سخت اظہار ناراضگی فرمایا اسی وقت سالار لشکر کو ہدایت فرمائی کہ آئندہ عورتوں' بچوں اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کیا جائے فتح مکہ کے موقع پر آپ نے شہر میں داخلہ سے بھی پہلے ہدایت فرمادی کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان دینا۔ (فتوح البلدان)

○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں فوج بھیجتے تو ہدایت فرما دیتے کہ معابد کے بے ضرر خادموں اور خانقاہ نشیں زاہدوں کو قتل نہ کرنا۔ **لا تقتلوا اصحاب الصوامع**

غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز

کان اذا جاء قوما" بليل لم يغر عليهم حتى يصبح

آنحضرت علیہ السلام جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے ان پر حملہ نہ فرماتے۔

○ دشمن کو آگ میں جلانے کی ممانعت فرمادی فرمایا آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے کسی اور کو سزا وار نہیں۔

○ قتل صبر کی ممانعت! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو باندھ کر تکلیفیں دے دے کر مارنے سے منع فرمادیا۔

لوٹ مار کی ممانعت فرمادی' ایک دفعہ سفر جہاد میں اہل لشکر نے بکریاں لوٹ کر ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا حضور علیہ السلام کو خبر ہوئی تو آکر سب دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا لوٹ کھسوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے۔ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے لوٹے ہوئے مال کو حرام قرار دیا۔

Marfat.com

تباہ کاری کی ممانعت

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل والله لا یحب الفساد (البقرہ ۲۰۵)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شام و عراق کی طرف جانے والی فوجوں کو جو ہدایات دی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ بستیوں کو ویران نہ کرنا اور فصلوں کو خراب نہ کرنا۔

مثلہ کی ممانعت

عبداللہ بن یزید انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے لوٹ کے مال اور مثلہ (قطع اعضاء) کی ممانعت کر دی ہے نبی کریم علیہ السلام فوجوں کو بھیجتے وقت بتاکید ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

لا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا

بدعہدی نہ کرو غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرو

قتل اسیر کی ممانعت

حجاج بن یوسف نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر کو کہا کہ وہ ایک اسیر کو قتل کر دیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس بات کی اجازت نہیں دی البتہ اس بات کا حکم دیا ہے کہ قیدی کے ساتھ احسان کا برتاؤ کریں۔ یا اسے فدیہ لے کر رہا کر دیں۔ قاصدوں اور سفیروں کے قتل کی بھی حضور علیہ السلام نے ممانعت فرما دی۔ مسیلمہ کذاب کا قاصد عبادہ بن الحارث جب اس کا گستاخانہ پیغام لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو لا ان الرسل لا تقتل لضربت عنقک

"اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا"

Marfat.com

قتل و غارت کے خلاف اور دوران جنگ اخلاقی حدود کی پاسداری کے متعلق عام ہدایات

فوجوں کی روانگی پر انکو اصلاحی واخلاقی ہدایات دینے کے اصول سے انیسویں صدی کے وسط تک نام نہاد مغربی دنیا نا آشنا تھی لیکن حضور علیہ السلام کا شیوہ تھا کہ فوجوں کی روانگی پر ان کو تقویٰ اور خوف خدا کی نصیحت فرماتے اور پھر ارشاد فرماتے "جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ ان لوگوں سے جو اللہ سے کفر کرتے ہیں مگر جنگ میں کسی سے بد عہدی نہ کرو' غنیمت میں خیانت نہ کرو' مثلہ نہ کرو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو"

○ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق نے شام کو فوجیں روانہ کرتے وقت ان کو جو ہدایات فرمائی تھیں ان کو تمام مورخین اور محدثین نے نقل کیا ہے اور وہ اسلامی ضابطہ جنگ کا لب لباب ہیں۔ ان سے اسلامی قانون جنگ کی عظمت' وسعت اور اصلاحی حیثیت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ ہدایات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عورتیں بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں

۲۔ راہبوں اور عابدوں کو پریشان نہ کیا جائے اور ان کے معابد مسمار نہ کئے جائیں

۳۔ مثلہ (لاشوں کے اعضاء کاٹنا) نہ کیا جائے

۴۔ پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں اور کھیتیاں نہ جلائی جائیں

۵۔ آبادیاں ویران نہ کی جائیں

۶۔ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے

۷۔ بد عہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے

۸۔ اطاعت کرنے والوں کی جان و مال کا تحفظ' مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کی طرح ہی کیا جائے

۹۔ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے

۱۰۔ جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے

Marfat.com

○ اصلاح جنگ کی اس عظیم اخلاقی تعلیم کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ فتح مکہ میں مسلمان فاتح فوج کے شہر میں داخلہ کے واقعات سے کیا جا سکتا ہے یہ اصلاح آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے عرب جیسی انتہائی غیر متمدن اور جنگی معاملات میں ظالم اور سفاک قوم میں عملاً رائج کی گئی۔ یہ یقیناً آسمانی انقلاب تھا اور امام الانبیاء کا معجزانہ کارنامہ تھا کہ انتہائی جاہل اور ظالم قوم کو تہذیب و تمدن' انسانیت اور شرافت کے اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ صدیوں بعد بھی نام نہاد تہذیب و تمدن کے علمبردار ان بلندیوں کے دامن کو بھی نہیں چھو سکتے۔ جنگ کے سلسلہ میں یہ عظیم انقلابی اصلاح صرف آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں ہوئی۔

○ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اہل مکہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ملک بدر کیا ان کی املاک چھین لیں۔ ان کے بچوں کو قتل کیا۔ ان پر عرصہ حیات تنگ کیا مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین نہ لینے دیا کئی دفعہ وہاں جا کر مسلمانوں پر بھرپور حملے کئے۔ عرب بھر میں بلکہ حبشہ' ایران اور روم تک جا کر مسلمانوں کے خلاف مسلسل پروپیگنڈا کیا۔ وہ شہر جب فتح ہو اور وہی دشمن جب مفتوح ہوئے تو ان کے ساتھ اسلامی فوجوں کا انتہائی مہذب اور شریفانہ سلوک دیکھیے اور پھر انصاف سے بتائیے کہ تاریخ انسانیت کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش کر سکتی ہے۔ جو فتح مکہ جیسی رواداری' قانون کی پاسداری' فوجی ڈسپلن اور اخلاقی ذمہ داری کے احساسات کا حامل ہو اور اگر تاریخ ایک بھی ایسا واقعہ اپنے دامن میں نہیں پاتی تو پھر تقاضائے انصاف یہی ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام کے احسان عظیم کا بہر حال اعتراف کیا جائے اور ان کی مقدس تعلیم کو اپنا کر انسانیت کو جنگ کی غیر ضروری ہلاکت آفرینیوں سے بچایا جائے۔ جذبات کے انتہائی ہیجان کے عالم میں اخلاق کی پاسداری تہذیب و شرافت کی دلیل ہے۔ اس ایٹمی دور میں اصلاح جنگ کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کو اپنانے میں ہی انسانیت کی نجات ہے ورنہ لوگ سائنس کے تیار کردہ جہنم میں بھسم ہو کر رہ جائیں گے۔

مقصد جنگ کی تطہیر اور طریقہ جنگ کی تہذیب میں ہی انسانی فلاح و تعمیر کا راز مضمر ہے اور اس سلسلہ میں حضور رحمت للعالمین علیہ السلام کی تعلیمات ہی حرف آخر

Marfat.com

کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یورپ کا قانون جنگ آج بھی اسلامی تعلیمات کی ناتمام خوشہ چینی پر مبنی ہے اب ضروری ہے کہ اقوام عالم کا مرکزی ادارہ' اصلاح جنگ کے سلسلہ میں مرتب شدہ قوانین کے عملی نفاذ کا بھی احترام کرے۔ آج ہر قوم ان بین الاقوامی اصلاحی قوانین کا منہ چڑا رہی ہے بین الاقوامی اخلاق کی تذلیل کی جا رہی ہے اور بین الملکی قوانین کی تضحیک کی جا رہی ہے اور اسے شرمناک قانون شکنی کو ہی قوت کا نام دیا جارہا ہے اور جمعیت اقوام ایک بے بس تماشائی کی طرح ان قانون شکنیوں کو دیکھ رہی ہے۔ اس کا انجام ایک ہولناک اور عالمگیر تباہی کی صورت میں برآمد ہونا یقینی ہے۔ بھارت کا بین الاقوامی قانون کے خلاف پاکستان کے نوے ہزار فوجیوں کو طویل عرصہ تک حراست میں رکھنا ان پر آئے دن فائرنگ کرنا اور ان کو بین الاقوامی منظور شدہ مراعات سے بھی محروم رکھنا۔ اس بین الاقوامی قانون شکنی کی تازہ اور بدترین مثال ہے۔

یہ صرف بھارت اور پاکستان کا ہی معاملہ نہیں بلکہ بین الاقوامی قانون کے احترام کا بھی معاملہ ہے۔ اگر بعض خود سر اور کوتاہ اندیش قوموں کی ان بے اعتدالیوں کو خاموشی سے گوارا کر لیا گیا تو بین الاقوامی قانون کا احترام قطعاً" ختم ہو جائے گا اور پھر اقوام عالم کو مستقل بد امنی اور ہولناک تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

قانون ضامن امن ہوتا ہے اور اس کا احترام دلیل تہذیب' احترم قانون کو چھوڑ کر انسان حیوان سے بد تر ہو جاتا ہے۔ عدل کی بجائے قوت حکمران ہو تو دنیائے تہذیب جنگل کا روپ دھار لیتی ہے اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول دنیا کو جنہم بنا دیتا ہے بہرحال یہ مفکرین عالم کے لیے ایک اہم لمحہ فکریہ ہے۔ جنگ کے سلسلہ میں

اسلام کی عظیم تعلیم ضامن امن اور محافظ تہذیب ہے۔ ضرورت ہے کہ دنیا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم رحمت سے مستفید ہو کر دائمی امن و رحمت سے ہمکنار ہو جائے۔

خلق و تدبیر و ہدایت ابتدا است
رحمتہ للعالمینی انتہا است

Marfat.com

عقیدت و ارادت

○

انکی تعلیمات کی جب دل میں تابانی ہوئی
گلہ بانوں کے مقدر میں جہاں بانی ہوئی

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

○

رفیق معتبر غار ثور ہے صدیق
دلیل منزل مقصود جس کی راہبری

○

اے گل باغ رسالت مجھے تیری ہی قسم
زلف یٰسین سے ماخوذ ہے نکہت تیری

○

غازہ روئے صداقت ہے شہادت تیری
مایہ خون پیمبر ہے شجاعت تیری

○

تیری خاطر ہوا سجدہ نبوت کا طویل
کس قدر حق کو بھی منظور ہے راحت تیری

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

والذی جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ہم المتقون (پ ۲۴ ع ۱)

شاگرد کی تکمیل استاد کی قابلیت اور محنت کی دلیل ہوتی ہے اور مریض کی صحت طبیب کی فراست اور حکمت کا ثبوت ہوتی ہے۔ معلم اگر کسی خاص متعلم کی طرف خصوصی توجہ دے اور اسے مسلسل اپنی معیت اور شفقت سے نوازے۔ وہ متعلم معلم کی تعلیمی صلاحیت اور قابلیت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اور اس کی صلاحیتوں اور خوبیوں کے عرفان سے استاد کی تربیت کے فیضان کی پہچان ہوتی ہے۔ پھر جو معلم یا فنکار جس فن کا ماہر خاص ہوتا ہے اس کا شاگرد یا فنی شاہکار اسی خصوصی فن کا ترجمان اور آئینہ دار ہوتا ہے۔

عمارت کا حسن' معمار کے حسن تعمیر کی دلیل ہوتا ہے۔
شعر کا حسن شاعر کے حسن ذوق کی دلیل ہوتا ہے
تصویر کا حسن مصور کے کمال فن کی دلیل ہوتا ہے

انبیاء علیہم السلام کا خصوصی کام چونکہ انسانی سیرت و کردار کی تکمیل و تشکیل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے تربیت یافتہ صحابہ کی تربیت و سیرت' انبیاء کی پیغمبرانہ اور معجزانہ تربیت کی دلیل ہوتی ہے۔ جس طرح انبیاء کے جمال سیرت سے خدا کے کمال تخلیق کا عرفان ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کے رفقاء کی شخصیت سے انبیاء کے حسن تربیت اور فیضان صحبت کا پتہ چلتا ہے۔

Marfat.com

پھر جس کو محبوب کبریا اور امام الانبیاء علیہ التحیتہ و الثناء اپنی خصوصی رفاقت اور معیت کے لیے چن لیں اور خلوت و جلوت' سفرو حضر' رزم و بزم میں اپنی خصوصی معیت اور تربیت سے نوازیں۔ اس کی شخصیت کے کمال اور اس کی سیرت کے جمال کا اندازہ محال ہے اور وہ عظیم ہستی' وہ پروردہ فیض نبوت' وہ ادب خوردہ نگاہ محبت' وہ ختم المرسلین کا مونس و ہمدم' وہ رحمتہ للعالمین کا رفیق پیہم' وہ وارفتہ جمال مصطفائی' وہ مظہر انوار مجتبائی' وہ عندلیب باغ رسالت' وہ پروانہ شمع نبوت' وہ تربیت نبوت کا شاہکار' یار غار اور یار مزار حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت اقبال اس ممدوح کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں۔

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما

ہمت او کشت ملت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

حضور ختم المرسلین علیہ السلام کے پہلے جانشین اور خلیفہ اول بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اصلی نام عبداللہ' ابوبکر کنیت اور صدیق لقب تھا۔ باپ کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ والدہ ماجدہ کا نام ام الخیر سلمہ تھا۔ یہ معزز گھرانہ خاندان قریش کے قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ جو عرب میں اپنی نجابت اور وجاہت کے لحاظ سے بہت ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اور مقدمات قتل میں خون بہا کا فیصلہ اسی خاندان کے سپرد تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس چھوٹے تھے۔ دور طفولیت سے ہی شرافت' متانت اور دیانت و صداقت کے پیکر تھے۔ اس لحاظ سے حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک طبعی اور فطری مناسبت کے حامل تھے۔ حضور علیہ السلام کے دعوہ نبوت کے بعد بالغ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ہی تھے۔ کہ دیرینہ رفاقت اور طبعی مناسبت کی وجہ سے مزاج نبوت کے شناسا و عارف تھے اور اس عرفان نے ہی وہ ایقان بخشا کہ فوراً" ہی

Marfat.com

صداقت نبوت پر ایمان لائے۔ دولت ایمان کے ساتھ مال و دولت دنیا میں بھی قریش میں سب سے ممتاز تھے۔ کپڑے کی تجارت فرماتے تھے اور حلقہ بگوش اسلام ہونے کے وقت چالیس ہزار درہم کے مالک تھے اس تمام اثاثے کو اسلام کی راہ میں خرچ کر دیا۔ آپ کے اسلام لانے اور تبلیغ دین فرمانے سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص انہی کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ بہت سی لونڈیوں اور غلاموں کو جو اسلام لانے کی پاداش میں اپنے مالکوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ آپ نے خرید کر آزاد فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔ آپ کے مالی ایثار کی تعریف فرماتے ہوئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

مانفعنی مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر

کہ ابو بکر کے مال سے بڑھ کر کسی کے مال نے مجھے نفع نہیں پہنچایا۔ (ترمذی

معزز و محترم شخصیت ہونے کے باوجود اسلام کی راہ میں جسمانی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑیں۔ ایک مرتبہ مشرکین نے آپ کو اتنا پیٹا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ اضاعت ملیہ اور شماتت ہمسایہ' احباب کی سرد مہری اور اغیار کی دیدہ دلیری جیسی ہر پرخار وادی سے گذرنا پڑا۔ کاروباری مقاطعہ اور ترک وطن تک کی نوبت آئی۔ لیکن آپ کی جبین سعادت پر شکن تک نہ آئی۔

محویت محبت رسالت اور مقصدیت ضرورت اور صداقت نے آلام دنیا و ما فیہا سے بے نیاز و آزاد کر دیا۔

دلوں کو فکر دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

عشق نبوت اور محبت کی صداقت کو ایسا نبھایا کہ تکمیل تک پہنچایا اور محبت و وفا کا وہ معیار قائم کیا۔ کہ یار غار کی ترکیب' اظہار صدق و صفا کے لیے محاورہ بن گئی۔ عشق نے حسن کو اتنا چاہا کہ خود زبان حسن سے صدیق کا نام پایا۔ واقعہ معراج کو عقل نا تمام کی زد سے باہر پا کر جب لوگوں نے انکار و تشویش کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے

Marfat.com

اپنی مومنانہ فراست سے اس واقعہ کی بلا توقف تصدیق فرما کر صاحب معراج سے صدیق کا لقب پایا۔ جس طرح رستم کا نام طاقت میں' حاتم طائی کا نام سخاوت میں اور حضرت یوسف علیہ السلام کا نام حسن صورت میں ضرب المثل ہے اسی طرح نبوت کی رفاقت' محبت اور خدمت میں حضرت ابوبکر صدیق کا نام ضرب المثل ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے شعر۔

همت او کشت ملت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

میں دراصل قرآن حکیم کی آیت

ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا۔ (پ ۱۰ ع ۱۲)

کی نفیس اور حکیمانہ تشریح کی ہے۔ غار ثور میں "دو میں سے دوسرے" یقیناً حضرت صدیق ہی ہیں۔ اسلام میں خود پیغمبر اسلام کے بعد صدیق کا دوسرا نمبر ہے۔ غار میں بھی یہ دوسرے تھے۔ بدر میں جب حضور علیہ السلام فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے۔ تو آمین کہنے والے یہی دوسرے تھے۔ قبر میں سب سے پہلے رفاقت رسالت مآب کی نعمت سے بہرہ یاب ہونے میں بھی یہی دوسرے تھے۔

جب کفار مکہ نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر لیا اور جان لینے کے درپے ہوئے تو حضور علیہ السلام حضرت صدیق کے گھر ہی کو حصار عافیت سمجھ کر وہاں تشریف لے گئے اور ان نازک حالات میں سفر ہجرت میں اپنی معیت و رفاقت اور خدمت کے لیے حضرت صدیقؓ ہی کو چنا گیا۔ نبوت کی طرف سے یہ انتخاب حکم خدا ہی سے تھا۔ اس سے حضرت صدیقؓ کے کمال عشق و ایمان کی خدائی تائید و تصدیق ہوتی ہے غار میں پہلے خود داخل ہو کر غار کو صاف کر کے حضور علیہ السلام کو بلا کر اپنی آغوش عافیت میں دعوت استراحت دینا کمال سعادت ہے کہ تین دن تک پیکر خوبی و جمال کی بارگاہ ناز میں پذیرائی نیاز اور عشق کا حسن کو تنہا پانا اور دیکھنا اور اس محویت دید جمال میں سانپ کے ڈسنے تک سے بے خبر رہنا اور محبوب خدا کے لعاب پاک کے تریاق سے زہر کو تریاق

Marfat.com

اور موت کو حیات بنا لینا' کمال کرامت و صداقت ہے۔ نص قرآنی نے **لصاحبہ** کہہ کر صدیق اکبر کی صحابیت اور صداقت ایمانی کی تسلیم کو ضروریات دین میں سے بنا دیا ہے اور **لا تحزن ان اللہ معنا** کی نوید سے صدیق کو خصوصیت معیت الٰہی کی بشارت میں شامل کر لیا ہے۔ اسی لیے حضور رسالت ماب کا ارشاد ہے۔

یتجلی للمومنین عامتہ ویتجلی لک خاصتہ (حاکم)

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا اور تمہارے لیے (اے ابوبکر) خاص تجلی ہوگی۔

اور حزن و ملال جو حیات مستعار کے دو ناگذیر کانٹے ہیں ان کو **لاتحزن** کی نوید جانفزا سے حضرت صدیق کے قلب باصفا سے نکال کر اطمینان و انکسار کے سدا بہار پھولوں سے دل کی خلوت کو معطر کر دیا گیا۔ اور دنیوی و اخروی حزن سے قلب صدیق کو پاک کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر' حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔

یا ابابکر انت عتیق من النار

یعنی اے ابوبکر تو دوزخ سے آزاد ہے۔ (رواہ حاکم)

ادب نبوت کی پاسبانی کا اتنا احساس تھا کہ مدینہ میں تشریف فرمائی کے موقع پر کئی لوگ ناواقفی کی بنا پر پہلے ابوبکر صدیق کی طرف توجہ کرتے۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے حضرت صدیق فرق نبوت پر چادر کا سایہ کر کے خادمانہ طور پر کھڑے ہو گئے تاکہ خادم و مخدوم اور آقا و غلام میں امتیاز ہو جائے۔

حضرت صدیق کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے چند ارشادات نبوت تبرکاً" بیان کیے جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

سدوا عنی کل خوختہ فی ھذا المسجد غیر خوختہ ابی بکر

سب کے دروازے مسجد میں سے بند کر دو لیکن ابوبکر صدیق کا دروازہ مسجد کی طرف کھلا رہنے دو (بخاری)

Marfat.com

فرمایا :

ولو کنت متخذا خلیلا لا تخذت ابابکر خلیلا ولکن خلتہ الاسلام

اگر میں اپنے رب کے بغیر کسی اور کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ اسلام کا بھائی ہے۔ (ترمذی)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپ نے فرمایا پھر آئیو۔ اس نے عرض کی اگر میں آؤں اور آپ موجود نہ ہوں

قال ان لم تجدینی فات ابابکر

تو فرمایا اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آ جانا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مالاحد عندنا من ید الا وقد کا فیناہ بہا ما خلا ابابکر فان لہ عندنا یدا یکافیہ اللہ بہا یوم القیامتہ

میں سب کے احسانوں کا بدلہ دے چکا ہوں۔ مگر ابوبکر صدیق کا احسان بے حساب ہے۔ اس کا بدلہ قیامت کو اللہ تعالیٰ خود چکا لے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ابوبکر خیرنا وسیدنا و احبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ ابوبکر ہم سب سے بہتر اور ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے زیادہ حضور علیہ السلام کو محبوب ہیں۔ (ترمذی)

ایک حدیث میں ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے کاش میری زندگی بھر کے تمام عمل ثواب میں حضرت صدیق کی غار ثور میں معیت نبوت کی اک رات کے برابر ہو جاتے۔

الغرض حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا تمام خاندانی جاہ و جلال اپنا تمام مال و منال

Marfat.com

بے قیل و قال ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا اور قربانی و ایثار کے میدان میں ہمیشہ اولیت کا مقام حاصل کیا۔ ایک دفعہ خوش حالی کے دور میں حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالی عنہ اپنا نصف اثاثہ خدمت دین متین کی نیت سے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور دل میں خیال کیا کہ دیکھوں کہ آج صدیق مجھ سے گوئے سبقت کیسے لے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر کہا کہ آدھا مال و منال خدمت دین کے لیے لے آیا ہوں اور آدھا مال اہل و عیال کی کفالت کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایثار پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ یہ گفتگو ابھی ہو رہی تھی کہ

اتنے میں رفیق نبوت بھی آ گیا
جس پر بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہیے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

اور بقول اقبال ۔

فدائے ہمت آں رند مستم
خدا را گفت مارا مصطفیٰ بس

اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے ابتدائی دور ابتلا میں حضرت صدیق حضور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست بن کر رہے۔ ہر کٹھن امتحان اور ہر کڑے وقت میں کوہ استقامت بن کر باطل کی یورشوں کا مقابلہ کیا۔ اس سلسلہ میں جانی اور مالی ایثار و قربانی کے ہر امتحان میں کامیاب و کامران رہے۔ اپنی مسلسل قربانیوں اور

Marfat.com

مخلصانہ خدمات سے بارگاہ رسالت میں وہ قرب و رسوخ حاصل کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

نبوت کی طویل ترین تربیت و معیت سے ایسی حسین و جمیل شخصیت پائی کہ تربیت نبوت کا شاہکار اور اسلامی اخلاق و کردار کی اعلیٰ ترین مثال بن گئے۔ اسی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ حضور رسالت مآب کے وصال کے بعد حضور کے پہلے خلیفہ اور جانشین بننے کے بعد اس منصب جلیلہ کو اس حسن و خوبی سے نبھایا کہ قصر اسلام استوار اور نظام اسلام پائیدار ہو گیا اور اسلام کا دائرہ عرب سے عجم تک پہنچ گیا اور داخلی خارجی طور پر اسلامی معاشرہ قرآنی اقدار کا مظہر بن گیا۔

حضور رسالت مآب کی رحلت کے حادثہ سے مسلمانوں پر غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ہزاروں داخلی اور خارجی دبے ہوئے فتنوں نے سر اٹھایا۔ فراق رسالت مآب کے المیہ کے ساتھ ساتھ اسلام کی بقا اور تحفظ کی عظیم ذمہ داری بھی مسلمانوں پر آ پڑی۔ اس نازک وقت پر حضرت صدیق نے خلافت و امارت کی عظیم ذمہ داری کے بوجھ کو مومنانہ عزم کے ساتھ اٹھایا اور تربیت نبوت سے حاصل شدہ فراست مومنانہ سے ہر الجھن کو سلجھایا اور ہر فتنے کو دبایا۔ اسلام کی بقا اور ارتقاء کی رفتار کو تیز تر فرمایا اور تھوڑے ہی وقت میں حالات پر پوری طرح قابو پا کر امن و سلامتی کا ماحول پیدا کر دیا۔

حضور علیہ السلام کی رحلت کی خبر سے ہر دل بے چین اور دماغ پریشان ہو گیا۔ وارفتگان محبت کی وارفتگی بے قابو ہو گئی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حوصلہ مند انسان عالم وارفتگی میں خنجر بکف ہو کر اس خبر کی اشاعت کو روکنے لگے۔ کچھ لوگ گم صم تھے کچھ محو گریہ تھے۔ کچھ سرگریبان تھے۔ قیامت کا منظر تھا کہ حضرت صدیق نے اپنے خطبہ میں مسلمانوں کو ایسے رنگ میں تلقین صبر کی۔ اور اس طرح اس حادثہ عظیمہ کی توضیح کی کہ مچلتے ہوئے جذبات سنبھلنے لگے اور غم کے طوفانی بادل چھٹنے لگے۔ آپ نے فرمایا:

من کان یعبد محمدا فانہ قدمات و من کان یعبد اللہ فانہ حی لا یموت

Marfat.com

جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا' وہ جان لے کہ حضور نے رحلت فرمائی ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا' وہ جان لے کہ اللہ حی و قیوم ہے' وہ کبھی نہیں مرے گا۔

پھر آپ نے اسی مفہوم پر مبنی قرآن حکیم کی آیت پڑھی

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقبتم علی اعقابکم (ال عمران)

یہ آیت اس موقع و محل کے ایسی مناسب تھی کہ بعض صحابہ کو یوں معلوم ہوا کہ یہ اسی موقع کے لیے نازل کی گئی اور بعض کو یوں محسوس ہوا' اس کا مفہوم ہم پر آج ہی واضح ہوا ہے۔ خلافت کی ذمہ داری کو سنبھالتے ہی آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا وہ اسلامی حکومت کے مقاصد اور انسانی آزادی کی اہمیت اور مسلم معاشرہ کی مساوات کا مقدس منشور ہے اور اس سے آپ کی انتہائی گہری اسلامی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا:

"لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں نیک کام کروں تو اس میں میری مدد کرو اور اگر میں غلطی کروں تو مجھ کو ٹوکو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت' تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے' جب تک میں اس کا حق نہ دلا دوں اور تمہارا قوی میرے نزدیک کمزور ہے' جب تک اس کے ذمہ جو حق ہے وہ وصول نہ کر لوں۔ جو قوم اللہ کے رستے میں جہاد ترک کر دیتی ہے اس پر ذلت و خواری مسلط ہو جاتی ہے۔ اگر کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ اس پر بلائیں اور عذاب نازل کرتا ہے تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے نبی کی اطاعت کروں گا۔ لیکن اگر میں ان کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے"۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳)

حضور علیہ السلام نے اپنی رحلت سے دو دن پہلے ایک لشکر تیار فرمایا اور اس کی قیادت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمائی تھی جن کے والد ماجد

Marfat.com

شام کی پہلی مہم میں شہید ہو گئے تھے۔ حضور کی علالت کی خبر سن کر یہ لشکر مدینہ پاک سے باہر خیمہ زن رہا تا آنکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے رحلت فرمائی۔ اس کے نتیجہ میں منافقین' مانعین زکوۃ اور جھوٹے نبیوں کے فتنوں نے سر اٹھایا لیکن حضرت صدیق نے جیش اسامہ کو روانگی کا حکم فرمایا۔ اکابر صحابہ نے مشورہ دیا کہ داخلی فتنوں کے اس دور میں لشکر کو باہر بھیجنا مناسب نہیں ہے کیونکہ خود مدینہ پاک کی سلامتی کو خطرہ ہے۔ لیکن اس وارفتہ محبت و اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جس لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم روانہ فرمانے کا حکم دے چکے ہیں' میں اسے ضرور روانہ کروں گا خواہ میں مدینہ میں اکیلا رہ جاؤں اور مجھ پر بڑی سے بڑی مصیبت آ جائے لیکن فرمان نبوی ضرور پورا ہو گا۔

بعض لوگوں نے یہ بھی مشورہ دیا کہ اسامہ ابھی نوجوان ہے نا تجربہ کار ہے لہذا کسی زیادہ باصلاحیت اور مناسب شخص کو لشکر کی قیادت سونپی جائے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو ڈانٹا اور فرمایا جس کو رسالت مآب قیادت دے گئے ہیں اسے میں کیسے مسترد کر سکتا ہوں۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احترام حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اطاعت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا طرہ امتیاز ہے آپ پیادہ پا لشکر کو الوداع کرنے گئے۔ حضرت اسامہؓ نے ہزار اصرار کیا کہ حضور سوار ہو جائیں یا مجھے بھی پاپیادہ چلنے کی اجازت دیں۔ لیکن آپ نے فرمایا تم سوار ہی رہو' ذرا اللہ اور رسول کی راہ میں میرے پاؤں کو بھی خاک آلود ہونے دو۔

حاکم وقت کا یہ جرات مندانہ انکسار اسلامی مساوات اور اخوت کی بڑی موثر اور قابل قدر مثال ہے۔

لشکر کی روانگی کی خبر سن کر شرپسندوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر بعض بیرونی قوتوں کے ایما پر مدینہ پر لشکر کشی کی۔ حضرت صدیق نے کمال مستعدی سے تھوڑے سے لشکر کو ساتھ لے کر اچانک ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ اس فوری کارروائی سے وہ لوگ بھاگ نکلے۔

Marfat.com

مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کا وقت آیا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین و منافقین کے اجتماعی خطرہ کے پیش نظر مانعین زکوٰۃ سے نہ الجھنا وقت کا تقاضا ہے۔ حضرت صدیق نے جرات ایمانی سے کام لیتے ہوئے فرمایا۔

" زکوٰۃ بھی ایمان کی طرح فرض ہے۔ میں اس سلسلہ میں ہرگز نرمی نہیں کر سکتا اگر کسی کے ذمہ ایک رسی بھی ہے تو میں ضرور لوں گا۔"

آپ کی اس استقامت استوار اور اس عزیمت خوشگوار سے نظام اسلام کو بے حد تقویت اور استحکام حاصل ہوا۔

جھوٹے مدعیان نبوت برساتی مینڈکوں کی طرح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد نمودار ہوئے کچھ لوگ اپنے اپنے مخصوص مذموم مقاصد کی خاطر ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ملک میں ہر طرف بد امنی پھیلا دی۔ ان میں اسود عنسی نے یمن میں، مسیلمہ کذاب نے قوم بنو حنیفہ میں، طلیحہ اسدی نے (جو اپنی قوم کا سردار اور مشہور جنگ جو تھا) نجد میں، اور سجاع نے وسط عرب کے قبائل میں دعوی نبوت کیا۔ لیکن حضرت صدیق اکبر نے کمال جرات و عمل سے اس فتنہ کی سرکوبی کی۔ اور اس نازک صورت حال سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے مخالفوں کے بغض و عناد، عہد شکنی اور ظلم و تشدد کے باوجود عین جنگ کی حالت میں اسلام کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا تحفظ کیا۔ اس سلسلہ میں اپنے سپہ سالاروں کو جو ہدایت نامہ جاری فرمایا وہ ہمیشہ کے لیے تمام اقوام عالم کے لیے روشن اور ہدایت کا ابدی منشور قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس نے جنگ کو بھی اخلاقی حدود و قیود سے آشنا کر دیا۔

اس سلسلہ میں آپ کا ہدایت نامہ یوں ہے۔ فرمایا:

۱۔ کسی بوڑھے، بیمار، عورت یا بچے کو قتل نہ کیا جائے۔

۲۔ راہبوں اور گوشہ نشینوں کو تنگ نہ کیا جائے اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے۔

۳۔ مثلہ نہ کیا جائے (یعنی کسی کی آنکھ، یا کان نہ کاٹا جائے۔)

۴۔ سایہ دار اور پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں۔ باغوں اور سبزوں کو تباہ نہ

Marfat.com

کیا جائے۔

۵۔ بستیوں کو ہرگز تباہ نہ کیا جائے۔

۶۔ معاہدوں کا ہر حال میں پاس کیا جائے۔

۷۔ اور جو لوگ اطاعت قبول کرلیں ان کی جان و مال کا پورا تحفظ کیا جائے اور انہیں مسلمانوں کی طرح پورے حقوق انسانی دیئے جائیں۔

جنگ کے ان مہذب اور شریفانہ اصولوں کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق کی مومنانہ بصیرت اور دینی شرافت کا اندازہ لگا لیجئے یہ سب حضور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت کی برکت تھی اور تعلیم نبوت کا اثر تھا۔

آپ طبعاً" سخی اور فیاض تھے۔ غربا اور مساکین کی اعانت آپ کی عادت تھی' بہت کچھ کمایا لیکن سب کچھ خدا کی راہ میں لٹایا۔ بردبار' حلیم' لیکن دین اور حق کی راہ میں ساحل استوارہاور کوہ برقرار تھے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اپنے دور خلافت میں بیت المال میں مال جمع نہ ہونے دیا بلکہ بیت المال کا تمام کا تمام مال مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

شب بیدار تھے۔ راتوں کو عبادت میں کھڑے رہتے۔ چہرہ آنسوؤں سے تر رہتا۔ رقیق القلب ہونے کے باوجود ہر مشکل اور نازک وقت میں رفاقت و خدمت نبوت کی ذمہ داریوں کو بطریق احسن ادا فرمایا۔ ہجرت میں' غار میں' بدر میں' احد میں' حنین میں سایہ کی طرح ہادی اسلام کے ساتھ رہے اور فرماں داری' جاں نثاری' رفاقت و مودت کا اعلیٰ ترین معیار قائم فرمایا۔ بیت المال کا اثاثہ تقسیم کرتے وقت مرد' عورت' آزاد' غلام چھوٹے اور بڑے سب سے یکساں سلوک فرمایا۔

آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپ کے دور خلافت میں سادگی اور قناعت کا معیار اور بھی بلند ہوگیا۔ آپ کا وظیفہ قوت لایموت اور بنیادی انسانی ضرورت تک محدود تھا۔ وفات سے قبل وصیت کی کہ میری فلاں زمین بیچ کر حاصل شدہ وظیفہ کی

Marfat.com

تمام رقم بیت المال میں جمع کرا دی جائے۔ جب یہ رقم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو آپ رو دیئے اور فرمایا

ابو بکر تم اپنے جانشینوں کے لیے بے حد دشوار کام چھوڑ گئے ہو۔

حضرت صدیق اکبر کے ڈھائی سالہ دور خلافت میں اسلام کو بڑا استحکام اور فروغ نصیب ہوا۔ داخلی اور خارجی فتنوں کا قلع قمع ہوگیا۔متنبیین کو شکست فاش ہوئی۔ نظام زکوٰۃ پوری طرح کار فرما ہوگیا۔ روم اور ایران ' دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتوں کو بیک وقت نیچا دکھایا۔ لیکن اس سیاسی استحکام کے ساتھ مسلمانوں کی دینی تعلیم' تبلیغ' تربیت اور تنظیم کا کام بھی جاری رہا۔

جنگ یمامہ میں جب بہت سے حفاظ شہید ہو گئے تو اکابر صحابہ نے حضرت صدیق کو مشورہ دیا کہ قرآن کریم کو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد کردہ ترتیب کے مطابق ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت کو جو مدنی سورتوں کی ترتیب و تدوین کا کام حضور علیہ السلام کی زیر ہدایت کر چکے تھے۔ اس اہم کام پر مقرر کیا گیا انہوں نے یہ کام بطریق احسن انجام دیا اور قرآن حکیم حضور علیہ السلام کی ترتیب و ہدایت کے مطابق معرض وجود میں آیا۔ یوں قرآن حکیم کی ابدی حفاظت کا کام مکمل ہوگیا۔ اسی نسخہ کی نقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مختلف علاقوں میں ارسال فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بجا فرمایا کہ قرآن حکیم جمع کرنے کی وجہ سے ابو بکر بہترین اجر کے مستحق ہوئے۔

دور جاہلیت میں بھی حضرت صدیق خوش اخلاق' غمگسار اور پاکباز تھے۔ سخاوت' شجاعت' شرافت' مروت اور ذہانت کا ایسا حسین امتزاج فیضان رسالت کا شاہکار تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق جیسی عظیم اور حسین شخصیت معرض وجود میں آئی۔

یوں حلقہ عشاق میں صدیق کا مقام
جیسے فلک پہ چاند' ستاروں کے درمیاں

Marfat.com

امام حسین رضی اللہ عنہ
اور
سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولنبلونکم بشیء من الخوف و الجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون (البقرہ)

ذرہ آفتاب عالم تاب کی درخشانیوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ قطرہ بحر بیکنار کی وسعتوں کا ادراک نہیں کر سکتا۔ میں بھی عظمت حسین کو کما حقہ بیان نہیں کر سکتا۔ میں اس مقام پر اپنی ناتوانی کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں ادعائے تقریر لے کر نہیں آیا بلکہ امام عالی مقام کی بارگاہ عالی میں عقیدت کے چند پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ان کے داماں کے لیے

میں کارکنان جلسہ کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس اجتماع میں شمولیت کی دعوت دے کر اظہار عقیدت کا موقعہ دیا۔

میرے لیے موضوع مقرر ہوا ہے "امام حسین اور سنت رسول صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم" عنوان بیان کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کیونکہ عطف مغائرت کو ظاہر کرتا ہے اور حسین تو عین پیکر سنت رسول ہے پھر یہ مغائرت کیسی۔ کو پھول کو پھول ثابت کرنے کے لیے دلائل کی ضرورت نہیں کہ اس کا رنگ و بو ہی خود دلیل ہے۔ اسوہ حسین بھی اسوہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تشریح ہے۔ اگر قول و فعل نبوت کو پیکر بشری میں منتقل کر دیا جائے تو اس کا نام حسین بن جاتا ہے۔

داستان حسن جب پھیلی تو لا محدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

علمائے علم الحیات اور نفسیات کے ہاں یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے کہ سیرت اور کردار پر نسل کا زیادہ اثر ہوتا ہے یا ماحول کا۔ ایک مدرسہ فکر اس خیال کا حامی ہے کہ نسلی اثرات ضرور انسانی مزاج میں انجام کار اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ جیسا ماحول ویسا کردار۔ اور سب سے قوی اثر ماحول کی قوتوں کا ہوتا ہے۔ حضرت حسین کے کردار کی تشکیل میں یہ دونوں اثرات یکساں کار فرما رہے۔ ان کو نسلی اثرات ملے تو بے مثال اور ماحول نصیب ہوا تو لاجواب۔ ان کا خمیر خاتم النبیین کے خمیر سے وجود پذیر ہوا۔ اور ان کی تعلیم کا گھوارہ آغوش رسالت بنی۔ سیدہ بتولؓ کی آغوش عاطفت میں ان کے دل و دماغ کی تربیت ہوئی اور حضرت مرتضیٰؓ جو باب علوم نبوت اور پروردہ آغوش رسالت ہیں' ان کے معلم بنے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا **حسین منی و انا من حسین** کہ "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں"۔ اسی منیت اور یگانگت کی ترازو پر حضرت امام حسین کی شخصیت کو تول کر دیکھئے اور پھر ان کی عظمت کا اندازہ لگائیے۔ دیہات کی زمیندار مستورات جب مٹی کے برتن خریدتی ہیں تو آٹا رکھنے والے اور پانی یا اناج ڈالنے والے برتن کو معمولی دیکھ بھال کے بعد خرید لیتی ہیں۔ لیکن جب دودھ والے برتن کی باری آتی ہے تو اسے خاص اہتمام سے خوب دیکھ بھال کر خریدا جاتا ہے۔ اور خیال رکھا جاتا ہے کہ مٹی بھی اچھی ہو۔ اچھے کاریگر کا تیار کردہ ہو۔ شکل و صورت بھی عمدہ ہو۔ اور پھر گھر کی مالکہ دودھ والے برتن کی صفائی اور دیکھ بھال بھی خود کرتی ہے۔ تاکہ کہیں دودھ خراب نہ ہو جائے۔ رات کو

Marfat.com

حفاظت سے سنبھال کر اپنی چارپائی کے نیچے رکھتی ہے کہ کہیں کوئی جانور دودھ کو ضائع نہ کر دے۔ جس برتن کی تعمیر اور حفاظت کا اہتمام اس درجہ کیا جائے۔ اس کے متعلق یقین ہوتا ہے کہ اس میں کوئی قیمتی چیز ڈالنی مقصود ہے ورنہ دوسرے تمام برتنوں سے زیادہ اس کی دیکھ بھال نہ ہوتی۔ اسی طرح امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخلیق اور تربیت کے لیے قدرت نے جو خصوصی اہتمام کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت ایک فقید المثال اور یگانہ روزگار شخصیت تیار کرنا چاہتی تھی۔

اس شخصیت کو نگاہ رسالت نے کس انداز سے دیکھا اور اپنے ہاں کیا مقام دیا۔ اس پر نگاہ ڈال لیجئے۔ میرا یقین ہے کہ قلب رسالت کے عواطف محبت اور نفرت عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے۔ ہم تو اپنے جبلی تقاضوں کی بنا پر محبت اور نفرت کا فیصلہ کرتے ہیں لیکن نگاہ رسالت' صلاحیت کی بنا پر ان جذبات کا تعین کرتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے جب دوش رسالت پر حسین کو اٹھا اٹھا کر کائنات میں سربلند کیا تو یہ صرف عام انسانی پدری محبت کی نمود نہ تھی بلکہ رسالت کی نگاہ امتیاز کا اعلان عام تھا کہ یہ دنیا میں راکب دوش رسالت ہے تو عقبیٰ میں نوشہ بزم شہادت ہے' جنت کے جوانوں کا سردار ہے' باطل کے مقابلہ میں یہی حق کا ساحل استوار ہے اور یہی شہداء کا سرخیل اور گلشن صداقت کا گل سرسبد ہے جس کو ہمیشہ رسالت کی آغوش محبت میں جگہ ملی' جو آغوش رسالت میں پروان چڑھتا رہا اور زبان رسالت سے غذائے وحی حاصل کرتا رہا۔ دست رسالت نے جس کو سنوارا اور لبہائے نبوت نے جس کو محبت کے ساتھ چوما۔ حسین کی لغزش پا کو دیکھ کر خاتم المرسلینؐ منبر سے اترے اور اس لیے حسین کو تھام لیا کہ حسین کی لغزش پا امت مسلمہ کی دائمی شکست تھی۔ ننھے سے حسین کو تھام تھام کر دست رسالت نے یہ تلقین کی کہ باطل کے مقابلہ میں کوہ استوار بن کر جم جانا ڈٹ جانا' کٹ جانا لیکن جھکنے کا نام نہ لینا کہ تیری لغزش پا اسلام کی موت ہے۔ چنانچہ وہی تعلیم تھی جس نے حسین کو دنیائے حق و صداقت کا ہیرو بنا دیا۔ اسی حسینؓ نے کربلا کے میدان میں باطل کو وہ شکست فاش دی اور حق و صداقت کے علم کو کچھ اس طرح بلند کیا کہ دنیائے حریت قیامت تک حسینؓ کے نام پر ناز کرتی رہے

Marfat.com

گی۔

فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے
جن کا تو آقا ہے ان کو ناز کرنا چاہیے

حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت عطا ہونے پر فرشتوں نے احتجاج کیا اور عبودیت کاملہ کو اپنے استحقاق خلافت کی دلیل کے طور پر پیش کیا اور یہ بھی کہا کہ انسان خون خرابہ کرے گا اور نادانی کا مرتکب بھی ہو گا۔ لیکن بارگاہ رب العزت سے جواب ملا۔ **انی اعلم مالا تعلمون** جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ کربلا کے ہنگامہ خونیں کے وقت قدرت نے احتجاج کرنے والے فرشتوں کو انسانی عظمت اور کمال عبودیت کا منظر دکھایا ہو گا۔ بہتر ۷۲ لاشیں کٹی پڑی تھیں۔ جن میں دودھ پیتا بچہ بھی شامل تھا۔ زخمی اور پیاسا باپ اس مسلے ہوئے غنچہ ناشگفتہ کی لاش کو آغوش میں لئے کھڑا ہے۔ سایہ دار جگہ نہیں کہ جہاں بچے کے لاشہ کے لیے قبر کھودے کدال پاس نہیں جس سے گڑھا کیا جائے۔ مجبوراً" باپ انگلیوں سے تپتی ہوئی ریت میں ننھی سی قبر کھودتا ہے اور اپنے ننھے سے لخت جگر کو اس قبر میں رکھ کر مٹی ڈال دیتا ہے اور اس کیفیت کا اندازہ تو کیجئے۔ میر انیس نے ایک شعر میں اس درد ناک منظر کی تصویر کشی کی ہے۔

ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبیر اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

سب کچھ لٹا کر جب شبیر دامن کو جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس عالم میں جب اپنے خدا کے سامنے سجدہ عبودیت ادا کیا تو فرشتوں کی دنیا میں کہرام مچ گیا اور سب نے پکار پکار کر اعلان اور اعتراف کیا اے پروردگار واقعی انسان ہی حق عبودیت ادا کر سکتا ہے۔ حق محبت کی ادائیگی اسی کا مقام ہے اور یہی حقیقتاً تیری خلافت کے قابل ہے۔

کمال نبوت کی انتہا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور کمال شہادت کا آخری نقطہ حسین تھے کربلا کی قربانی شخصی نہ تھی بلکہ اجتماعی تھی۔ یہاں تمام خانوادہ نبوت کو بلا

Marfat.com

استثنا باطل کے مقابلے کے لیے صف آراء کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ شیر خوار علی اصغر بھی مستثنیٰ نہ رہے۔ ان کو بھی باپ کی آغوش محبت میں لیٹ کر جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اپنی کم سنیت اور کیفیت کے لحاظ سے یہ قربانی از ازل تا ابد عدیم النظیر رہے گی۔

یہ سچ ہے کہ حسین اقلیم شہادت کا جدا رہے اور اوج خلافت کا درشہوار ہے۔

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

علامہ اقبالؒ نے کربلا کے معرکہ حق و باطل کی حقیقت کو کیا اچھے طریقہ پر بیان کیا ہے۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زھر اندر کام ریخت
خواست آں سر جلوہ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت!
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت!
تاقیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

ایسا کیوں نہ ہوتا۔ حسین کی رگوں میں رسالت کا خون تھا۔ ان کی ذات مورد آیتہ تطہیر تھی۔ ان کی فطرت کی نفاست' باطل کی پرچھائیں بھی قبول نہ کر سکتی تھی۔ حق پرستی اور حق نیوشی کی وہ داستان رنگین جو خاندان رسالت کے خون رنگین سے حسین نے کربلا کی سرزمین پر لکھی' انمٹ ہے۔ اور رہتی دنیا تک حریت پسندوں اور حق پرستوں کے لیے مشعل ہدایت بنی رہے گی۔

یہ وہ موت ہے جس کو موت کہنا گناہ ہے۔ اس موت کو حیات ابدی سے تعبیر کیا

Marfat.com

گیا ہے۔ کربلا کی شام غریباں کی اوٹ میں حسین نے اس سحر تاباں کی تعمیر کی۔ جو تا ابد ظلمت شب پر خندہ زن رہے گی۔ حسین خلافت کے نیر درخشاں ہیں۔ حسین شہادت کے ماہ تاباں ہیں۔ حسین طوفان حیات میں روشنی کا مینار ہیں جس کو دیکھ دیکھ کر لاکھوں سفینے طوفانوں سے بچ کر ساحل آشنا ہو گئے۔

غرضیکہ امام حسین از سر تا پا پیکر سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ ان کی عبادت و ریاضت، شجاعت و صداقت سب کچھ فطرت رسالت کا عکس جمیل ہے۔ یہ قرآن کی زندہ تفسیر ہیں اور سنت رسول کی تابندہ تصویر ہیں۔

نطق جس کا زینت دین پیغمبر وہ حسین
تھا جو شرح مصطفیٰ تفسیر حیدر وہ حسین
جس نے رکھ لی نوع انسانی کی عزت وہ حسین
کٹ گیا لیکن نہ کی فاسق کی بیعت وہ حسین
لاکھ پہ بھاری ہوئے جس کے بہتر وہ حسین
تشنگی جس کی جواب موج کوثر وہ حسین
وہ کہ خونی غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا
جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

دعا ہے ہم سب کو اللہ تعالیٰ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کا اسوہ حسنہ ہر وقت مشعل ہدایت بن کر ہمارے سامنے رہے۔ (آمین) ایک تقریر

Marfat.com

کربلا میں کون جیتا' کون ہارا؟

چشم فلک نے کیسی کیسی قاہرانہ قوتوں کی نمود دیکھی اور تاریخ کی سیج پر کیسے کیسے ظالم اور جابر کردار نمودار ہوئے۔ زرق برق لباس میں ملبوس کثیرلاؤ لشکر ہمرکاب' تخت مرصع پر متمکن' کتنی نظرکش ان کی نمود تھی اور کتنی ہیبت ناک ان کی شخصیت تھی۔ دولت ان کی کنیز تھی۔ عزت و حشمت غلام بے دام تھی اور روندی ہوئی انسانیت ان کی حلقہ بگوش تھی۔

لیکن ہیبت و عظمت کے وہ مغرور پیکر کہاں گئے؟ ان کے وہ لاؤ لشکر اور مرصع تاج و تخت کیا ہوئے! ایک افسانہ پارینہ یا ایک خواب سراب تھا کہ جلوہ دکھا کر گزر گیا۔ تاریخ کے دامن میں ان کے لیے کوئی پھول موجود نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں انسانوں کے لیے کانٹے بو کر گئے تھے انسان کے دل میں ان کے لیے کوئی مقام عزت موجود نہیں کہ وہ انسانیت کو ذلیل کرنے والے تھے۔ آہ! یہ ہے انجام ان قائدین تخریب کا جو حق و باطل اور باقی اور فانی میں امتیاز نہ کر سکے انہوں نے حال کی فانی مسرتوں کو مقصد حیات بنا لیا اور حیات ابدی کے تقاضوں کو بھول گئے۔ آیئے ان میں سے چند ایک کے حال دیکھئے کہ یہ سرمایہ عبرت ہے۔

لیکن یہ داستان نا مکمل رہے گی۔ جب تک کہ اس کا دوسرا پہلو بھی کھل کر سامنے نہ آ جائے۔ یہاں آپ کو کچھ بے سر و سامان' لیکن با ایمان افراد نظر آئیں

Marfat.com

گے۔ جو محبت مقصد کے نشہ میں سرشار ہیں۔ نہ تعداد پر غرہ ہے اور نہ سامان پر ناز ہے ان کی متاع گرانمایہ صرف حق و صداقت کی بے پناہ محبت ہے۔ ان کی شکستہ کشتیاں بپھری ہوئی موجوں کا مذاق اڑاتی ہیں اور ان کی آبلہ پائی' نوک خار کی تیزی پر مسکراتی ہے۔ فقر و فاقہ اور ظلم و جور کی کوئی رکاوٹ ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ زخموں پر زخم کھاتے ہیں لیکن مسکرا مسکرا کر بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ عقیدت ان کے پاؤں چومتی ہے اور منزل خود بڑھ کر ان کا استقبال کرتی ہے۔ یہ جرعہ کشان بادہ صداقت' انسانیت کے محسن اور تہذیب و شرافت کے علمبردار ہیں۔ تاریخ کے صفحات ان کے تابناک تذکروں سے روشن ہیں اور کاروان حیات ان کے دم قدم سے رواں دواں ہے۔ یہی حاصل حیات ہیں' یہی سرمایہ انسانیت ہیں اور یہی امامان تہذیب ہیں۔ انسانیت کے دامن میں انہی کے لیے عقیدت کے پھول ہیں جو تا قیامت ان کے نقوش قدم پر نثار کرتی رہے گی۔

بہ آں گروہ کہ از بادہ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

بابل کے مرصع تخت پر نمرود پورے کر و فر سے متمکن ہے۔ ملک میں خوشحالی کا دور دورہ ہے۔ تجارت و زراعت کی فراوانی ہے زمین زرخیز ہے اور موسم معتدل ہے۔

خزانہ میں مال و منال کی کثرت ہے۔ فوجیں آراستہ اور مستعد ہیں۔ لیکن اس مادی خوش حالی کے ساتھ یہ کیا ہے۔ کہ انسان پتھروں کے خود ساختہ مجسموں کے سامنے سرنگوں ہے۔ وہ بلندی کی بجائے پستی کی طرف جا رہا ہے۔ انسانیت کی کتنی توہین ہے کہ وہ سنگ و خشت سے خائف و ترساں ہے۔ خالق کائنات نے تمام جسمانی اور تمدنی ضروریات کی تسکین کا تمام سامان با فراط مہیا کر رکھا ہے۔ لیکن انسان کی ناشکری اور بدبختی دیکھیے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو بھول کر خود فراموش ہو چکا ہے۔ اور شجر و حجر کو اپنا معبود بنائے بیٹھا ہے۔

اس کاروان ضلالت کا سرکردہ نمرود ہے اور وہ نجوم و کواکب کی تابشوں کا پرستار ہے۔ اس تمام مملکت میں صرف ایک ہستی ہے جو خود شناس اور خدا شناس ہے اور وہ

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات با برکت ہے۔ ان کی خودی فلک شگاف اور ان کی نگاہ کمند مہر و ماہ ہے۔ انسانیت کی یہ تذلیل ان کے لیے سوہان روح ہے۔ وہ انسان کو خود آگاہ اور مہر و ماہ سے بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی نگاہ تیز مہر و ماہ پر تنقید کرتی ہے اور ان کی زوال پذیری کو دلیل بندگی بنا کر واضح کرتی ہے۔ وہ بے حس قوم کے دلوں میں احساس شعور پیدا کرنے کے لیے ان کے خود ساختہ بتوں کو داغدار بناتے ہیں۔ اور باز پرس ہونے پر کمال بے باکی سے فرماتے ہیں کہ جو بت اپنا تحفظ نہیں کر سکتے اور اپنے ناک' کان نہیں بچا سکتے۔ وہ تمہارے معبود اور محافظ کیسے بن سکتے ہیں۔ اس کا جواب دلیل سے نہیں بلکہ کج بحثی اور قوت سے دیا جاتا ہے اور ان کو گرفتار کر کے مادی ترقی لیکن روحانی پستی کے پیکر' نمرود کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ حضرت خلیل اللہ بظاہر تنہا ہیں۔ کوئی یار و مددگار نہیں ساری قوم مد مقابل ہے۔ حق و باطل اور ایمان و سامان کا معرکہ ہے۔ اس پیکر صداقت سے بتوں کی توہین کا بدلہ لینے کے لیے آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا جاتا ہے اور اس پیکر صداقت کو آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

نار' نور کیسے بن گئی! یہ میرا مقصود نہیں بلکہ میں تو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ چھ ہزار سال کے طویل زمانے کے بعد آج اس واقعہ پر نظر ڈالیے اور تاریخ سے پوچھیے کہ بھڑکتے شعلوں نے کس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اور کس کو حیات ابدی کی نوید مل گئی۔ آج اسی آگ کے کنارے کھڑا ہوا۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام فتح و کامرانی کے پھریرے اڑا رہا ہے اور صاحب تخت و تاج نمرود ایک کونے میں مجرم بنا ہوا کھڑا ہے اور آنسو بہار رہا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

Marfat.com

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

آیئے تاریخ کا ایک اور ورق الٹے اور خیر و شر اور حق و باطل کی آویزش کا ایک اور خونیں منظر ملاحظہ کیجئے۔ ایک چھوٹا سا قافلہ' مختصر سے متاع سفر کے ساتھ ایک لق و دق صحرا میں جا رہا ہے۔ چند بچے اور مستورات بھی ساتھ ہیں ظاہری کروفر کے فقدان کے باوجود قافلہ بھر میں ایک عجیب ملکوتی سا تقدس پایا جاتا ہے۔ قافلہ سالار کے چہرے سے انوار جمال کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ وقار و تمکنت' لگام پکڑے ہوئے ہے تو شرافت و سیادت رکاب تھامے ہوئے ہے۔ ہمراہی ادب و احترام سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اتنے میں سامنے سے گرد و غبار کا طوفان اٹھتا ہے۔ غبار چھٹتا ہے۔ تو ایک عظیم لشکر آلات حرب و ضرب سے آراستہ' کیل کانٹے سے لیس' اس مختصر سے کاروان بے سامان کا راستہ روک لیتا ہے اور پھر مکمل محاصرہ کر لیا جاتا ہے۔ قافلہ سالار حملہ آوروں کو کچھ خطوط دکھاتا ہے اور مشفقانہ انداز میں سمجھاتا ہے لیکن حملہ آور بہرحال بر سرپیکار ہی رہتے ہیں۔ رود فرات قریب ہی ہے۔ قافلوں پر لشکری پانی بند کر دیتے ہیں۔ بچے پیاس سے بلکتے ہیں لیکن شقی القلب حملہ آوروں کے دل میں کوئی بھی جذبہ ترحم پیدا نہیں ہوتا۔

وہ تو یہ اذیتیں دے کر قافلہ سالار سے اپنا کوئی مطالبہ منوانا چاہتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ گرمی کی شدت پیاس کی کلفت اور محاصرہ کی سختی سے تنگ آ کر' امیر قافلہ ان کا مطالبہ مان لے گا۔

کئی دن اسی عالم میں گذر جاتے ہیں قافلہ والوں کے ننھے منے بچے' بھوک اور پیاس سے بے تاب ہو کر تڑپتے ہیں۔ لیکن قافلہ سالار کوہ وقار بنا۔ اس عالم کرب و بلا میں ہزاروں حملہ آوروں کے سامنے یکہ و تنہا ڈٹا ہوا ہے نہ اس کے چہرے پر بل ہے نہ گردن میں خم۔

"اذان اور نماز' ذکر اور فکر کا اہتمام ہے اور اسی میں محویت ہے"۔

لشکر اعداء میں محفل ناؤ نوش اور بزم طرب کا اہتمام ہے اور قافلہ والوں کے ہر خیمہ سے تسبیح و تہلیل کی آواز آتی ہے اور ایک ملکوتی قسم کے انوار کی بارش ہوتی نظر آتی ہے۔

Marfat.com

اب دیکھئے ایک شہسوار، جرات و شجاعت کا پیکر، کندھے پر مشکیزہ ڈالے ہاتھ میں علم لیے، ساحل دریا کی طرف جا رہا ہے۔ فوجیں راستہ روکے کھڑی ہیں لیکن وہ تن تنہا لڑتا بھڑتا آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیجئے وہ ساحل دریا تک پہنچ گیا، اور مشکیزہ پانی بھر لیا۔ وہ زخموں سے نڈھال اور شدت عطش سے بے قرار ہے۔ پانی کے کنارے پر کھڑا ہے۔ لیکن پانی منہ میں نہیں ڈالتا کہ جب تک قافلہ سالار دشت کربلا اور ننھے منے بچے اور مستورات پانی نہ پی لیں۔ خود پانی پینا شان مردانگی نہیں

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو!

اس شہسوار کا نام عباس علمدار ہے۔ دیکھو! فوج اعداء اس پر ٹوٹ پڑی۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔ وہ اکیلا پروں کے پرے صاف کر رہا ہے خود بھی لہو لہان ہے اور خون کی ندیاں بھی بہا رہا ہے۔ اس کی انتہائی کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح پانی کا مشکیزہ بچا کر خیموں تک پہنچ جائے۔ اس کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔

لیکن وہ بائیں ہاتھ میں مشکیزہ تھامے ہے۔ اب بایاں ہاتھ بھی کٹ چکا ہے۔ لیکن وہ دانتوں سے مشکیزہ تھامے بڑھ رہا ہے۔ اب مشکیزہ میں ایک تیر آ کے لگا ہے اور اس کا پانی بہہ نکلا ہے۔ نوجوان غازی نگاہ حسرت سے خالی مشکیزے اور پھر خیموں کی طرف نگاہ ڈالتا ہوا گر جاتا ہے۔ یہ شرافت اور شجاعت کا وہ محیر العقول واقعہ ہے۔ جس کو تاریخ انسانیت کبھی بھلا نہ سکے گی۔ لشکر اعداء کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے۔ لیکن عباس علمدار کا علم آج بھی لہرا لہرا کر دنیا کو شجاعت اور وفا کا درس دے رہا ہے۔

اسی میدان میں دیکھیے ایک نوجوان کس جرات و ہمت سے بڑھ رہا ہے۔ عزم و شجاعت کا مجسمہ، نجابت و شرافت کا مرقع، نہ اپنی قلت کا ڈر، نہ دشمن کی کثرت سے خائف! محبت مقصد کے نشہ میں سرشار، مردانہ وار مبارز طلبی کرتا ہے۔ بظاہر بھوک و پیاس سے نڈھال ہے۔

لیکن نگاہوں سے مصطفیٰ کا جمال اور جبیں سے مرتضیٰؑ کا جلال آشکار ہے وہ زخموں پر زخم کھا رہا ہے۔ لیکن موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا رہا ہے۔ وہ عالم نزع میں ہے اور اس کا مقدس باپ اپنے لخت جگر کے پیکر صد چاک کو آغوش میں لیے پوچھ رہا ہے کہ جان پدر! تو نے موت کو کیسا پایا تو بیٹا مسکرا کر جواب دیتا ہے

Marfat.com

کہ ابا جان میں اس موت کو شہد سے بھی شیریں پا رہا ہوں۔ اب پیاس مٹ گئی کہ رسالت مآبؐ ہاتھ میں جام کوثر لیے مجھے بلا رہے ہیں۔

یہ ہم شبیہہ مصطفیٰ اور نور نگاہ مرتضیٰ شہزادہ والا جاہ سیدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب اسی کارزار بے آب و گیاہ میں کشتوں کے پشتوں کے درمیان کھڑا ہوا' جلتے ہوئے خیموں کی طرف پشت کیے زخموں سے چور' لیکن مستی محبت میں سرشار ایک عاشق زار قبلہ رو کھڑا ہے۔ جن و ملائک اس کی اس ادائے عبودیت کو حیرت و استعجاب سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ تربیت نبوت کا شاہکار ہے۔ یہ روح اسلام کا آئینہ دار ہے۔ اس کے خون رنگیں کے چھینٹوں سے گلشن شرافت پر بہار ہے جو اور اس کی ہمت مردانہ پر بقائے حریت کا دار و مدار ہے۔ یہ وہ پروانہ ہے جو حسن بے نیاز کی ہر فرمائش اور ہر ادا پہ نثار ہے کو اور

ولنبلونکم بشی من الخوف و الجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات۔ و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (البقرہ

کی تفسیر اپنے خون مشکبو سے کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر کچھ اس طرح رقم کر رہا ہے کہ حوادثات روزگار اس کو تا قیامت مٹا نہیں سکتے۔ اس امتحان گاہ صبر و رضا میں حضرت امام عالی مقام نے شتر کے بجائے برادر کی قربانی پیش کی اور گوسفند کے بجائے دل بند کو حق کی راہ میں قربان کر دیا۔

متاع حیات کی وہ کون سی جنس گراں مایہ ہے جو کہ کربلا میں محبت کی بھینٹ نہ چڑھا دی گئی ہو اور غم و الم کی وہ کون سی آزمائش ہے جس میں کامیابی سے پورا نہ اترا گیا ہو۔ قربانی کا یہ مقام ترقی کی انتہا ہے۔ شہادت کا یہ انداز صداقت کی انتہا ہے اور موت کا یہ اسلوب حیات ابدی کا حامل ہے۔

اسی جاں فروشی کے صلہ میں بارگاہ حسن سے عشق صادق کو "**وبشر الصابرین** کا انعام ملا اور **بل احیاء ولا کن لا تشعرون**" کی خلعت فاخرہ نصیب ہوئی۔ بچے ذبح ہو گئے خیمے جل گئے۔ لاشے بے گور و کفن پامال ہوتے رہے۔ مخدرات' عفت مآب

Marfat.com

اسیر سلاسل ہو گئیں۔

غرضیکہ ظلم و جور کی انتہا ہو گئی لیکن صبر و وفا نے بھی ریگزار کربلا پر اپنے خون رنگین سے وہ گل بوٹے تراشے کہ رہتی دنیا تک انسانیت اس خاک پر عقیدت کے پھول اور نیاز کے درائے شاہوار نچھاور کرتی رہے گی۔

شمر اور زیاد کا مال اور یزید کی شوکت شاہانہ کا حال دنیا دیکھ چکی۔ آج یہ نام صفحات تاریخ پر حرف غلط کی طرح موجود ہیں۔ لیکن حضرت امام حسین اور ان کے وفا شعار رفقاء کے تذکار حرز جان ہیں اور جان ایمان ہیں اور دلوں کی دھڑکنوں میں محفوظ ہیں۔

آج تاریخ سے پوچھئے کہ کربلا میں کون جیتا اور کون ہارا؟
کسے ابدی موت ملی اور کس نے حیات جاوداں پائی؟

ہمارے سلام ہوں۔ ان پیکران صبر و رضا پر' اور ان سرمستان بادہ وفا پر کہ جنہوں نے فانی پر باقی کو اور دنیا پر دین کو ترجیح دی اور بل احیاء و لکن لا تشعرون کے امتیاز سے سرفراز ہوئے۔

○

اے حسین ابن علی تم پر سلام
نازش آل نبی تم پر سلام
تم پہ لاکھوں رحمتیں لاکھوں سلام
اے شہیدان محبت کے امام
لالہ گوں' لالہ بدن' لالہ کفن
اے چمن اندر چمن اندر چمن
زندگی ہی زندگی تیری حیات
اے حیات اندر حیات اندر حیات
افتخار ملت بیضا ہے تو
رب کعبہ کی قسم یکتا ہے تو

○○○

Marfat.com

جذب و جنوں

○

خرد فریب زندگی' جنوں شعور زندگی
یہ راز دار زندگی' وہ محو جستجو ابھی

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

○

سنگ حوادثات سے ڈر نہ سکا سر جنوں
لاکھ جتن کئے تھے گو عقل بہانہ ساز نے

○

خرد تو کوئے طلب کے غبار میں گم ہے
جنوں مشاہدہ حسن یار میں گم ہے

○

خزینہ لازوال حکمت ہیں تیرے مکتوب اے مجدد
لکھے ہیں قرطاس علم پہ کلک شوق سے شاہکار تو نے

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

تصوف کا اجمالی تعارف

سطور ذیل میں تصوف کا تاریخی اور لسانی پس منظر بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ تصوف کے سطحی اور اجمالی تعارف پر ہی اکتفا پیش نظر ہے

قد افلح من تزکی (پ ۳۰ ع)

ترجمہ : تحقیق کامیاب ہوا جس نے تزکیہ کر لیا۔

تصوف کا مقصد تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن ہے۔ حدیث میں اس کو احسان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ اصطلاح اسلام میں قدیم بھی ہے اور اہم بھی' اس لفظ کے ساتھ تزکیہ نفس' اصلاح باطن' حسن اخلاق' خدمت خلق' ضبط نفس' زہد و ریاضت' ذوق و شوق اور تعلیم اسلام و تبلیغ دین کا خاص تعلق رہا ہے۔ صاحب رسالہ (قشیریہ) نے تصوف کی تعریف میں فرمایا

"التصوف ھو علم تعرف بہ احوال تزکتہ النفوس و تصفیتہ الاخلاق و تعمیر الظاھر و الباطن لنیل السعادۃ الابدیتہ

ترجمہ : تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعے نفس کو پاک کرنے اور اخلاق کو درست کرنے اور ظاہر و باطن کی صفائی کے احوال کا علم حاصل ہوتا ہے۔ تاکہ سعادت ابدی حاصل ہو سکے۔ تصوف کے خلاف ایک بڑی غلط فہمی یہ پھیلائی جاتی ہے کہ تصوف کی بنیاد ایسے عناصر پر ہے جو اجنبی تمدنوں سے اسلام میں داخل ہوئے' حالانکہ تصوف

Marfat.com

کتاب و سنت کے بنیادی سرچشموں سے ماخوذ راہ معرفت و محبت ہے۔

تصوف کے تمام سلاسل کا مقصود ذات حق سبحانہ تعالیٰ اور اس کی رضا ہے۔

تمام صوفیائے کرام نے اپنے مقالات ملفوظات اور مکتوبات اور اپنی تصنیفات و تالیفات میں اسی حقیقت کو اجاگر کیا ہے تصوف کی اصل حضور ختمی مرتبت علیہ التحیتہ والثنا' صحابہ کرام' اہل بیت عظام اور تابعین علیہم الرحمتہ والرضوان کے عہد میں موجود تھی اور اسی اصل و اساس پر بعد کے صوفیہ نے اس مسلک کو برقرار رکھا۔

○ اسلامی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ ختم ہوگیا اور خلفاء و سلاطین کے ضعف و فتور کی وجہ سے اشاعت دین اسلام کے لیے جہاد کا جذبہ مفقود ہو گیا تو صوفیاء نے اشاعت اسلام کا بیڑا اٹھایا خاص کر مشائخ نقشبندیہ اور چشتیہ اور قادریہ نے جزائر (شرق الہند) کی قوموں میں اشاعت اسلام کے لیے روحانی تصرفات اور اپنے کردار کی خصوصیات کے ذریعے جو اقدامات کیے ان کے اثرات سلاطین و مجاہدین کی جنگی فتوحات سے کہیں زیادہ موثر اور دیرپا ثابت ہوئے' علامہ اقبال نے بھی اعتراف کے طور پر یہی کہا ہے۔

نہیں فقر و سلطنت میں کچھ امتیاز ایسا
وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ تیغ بازی

قال سے حال تک

دراصل تصوف کا نظام مذہب کی ظاہری رسوم و قیود کی سطحی پیروی اور اسی پر انحصار نجات کے خلاف' ایک مجتہدانہ رد عمل تھا۔ اہل تصوف نے حال کو قال پر ترجیح کا نعرہ بلند کیا۔ عبادت میں کیفیت کو لازم قرار دیا۔ رسوم ظاہری میں ذوق باطنی کی حلاوت کی طرف توجہ دی۔ غرض کہ مذہب کو ایک سطحی مجموعہ رسوم بنا دینے کی مخالفت اور اس کو ایک نفسیاتی اور روحانی تجربہ بنانے کی اہمیت پر زور دیا۔

انسانوں کا ذوق تجسس' محض شنید پر قناعت نہیں کرتا۔ علمی طور پر شنید' دید کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ سننے کا مقام اور ہے اور ذاتی مشاہدہ کا مقام اور ہے۔ ہزار ہا عقلی

Marfat.com

دلائل بھی، ذاتی تجربہ کی نفسیاتی اہمیت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ آپ ہزار مرتبہ سن لیں کہ پانی ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن پینے کے بغیر پیاس تو نہیں بجھتی آپ کھانڈ کی مٹھاس پر کتابوں کی کتابیں پڑھ لیں۔ لیکن اسے چکھے بغیر آپ اس کی لذت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے۔ حقائق مذہب کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ خداوند کریم کے قرب و معیت، عالم ارواح کی حقیقت، حیات بعد الممات، کشف والہام وغیرہ کے متعلق ذاتی تجربے کے بغیر یقین کامل کا مقام حاصل نہیں ہوتا، پس ان حقائق کے متعلق قال کو حال تک لے جانا ہی تصوف کا اہم کام ہے۔ یہ کام بڑا کٹھن اور صبر آزما ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ بھی بے حد اہم اور قیمتی ہے، مردان کار ذوق و طلب کی ان طویل وادیوں میں آبلہ پائی کے باوجود شیخ طریقت کی رہنمائی میں جادہ پیائی کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ کوئے جاناں تک جا ہی پہنچتے ہیں۔ اور مقصود کو پا ہی لیتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

(مولانا رومؒ)

سائنس اور تصوف

مادی فلسفہ حیات، زندگی کی مادی توجیہ کرتا ہے۔ وہ صرف بذریعہ حواس ظاہری معلوم تجربات کا ہی قائل ہوتا ہے۔ سائنس نے زندگی کے اسی نظریے کو اپنایا اور اس پر اپنے تمام تجربات کا انحصار کیا۔

سائنس کا کام کیونکہ معین حالات سے معین قسم کے نتائج پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور زندگی کے لیے عملی سہولتوں کا حصول ہوتا ہے۔ اس لئے سائنس کو زندگی کا وہی تصور راس آتا ہے جس میں زندگی جامد رنگ میں سامنے آئے اور تجریہ و ترکیب کا معروض بن سکے۔

لطافت اور حرکت کے اجزاء سائنس کی زد میں آتے بھی نہیں اور وہ ا ـــ انا بھی نہیں چاہتی۔ چنانچہ زندگی میں حسن اور مقصدیت کا تصور سائنس کی زد ـــ باہ

Marfat.com

ہے بلکہ سائنس کے تصور جمود کے خلاف ہے۔ اس لئے سائنس کا نظریہ علم بھی سراسر مادی اور سطحی قسم کا ہے۔ محسوس کو ہی موجود سمجھنا سائنس کا شیوہ ہے۔ سائنس کی بعض کامیابیوں اور مفید ایجادات نے عام عقل کو ایسا متاثر کیا ہے کہ اس نے سائنس کے فتوے کو ہی سب کچھ سمجھ لیا اس لئے کشف و الہام اور ذوق و وجدان کا انکار کر دیا اور ان تجربات کے متعلق ایک استہزاء آلودہ شیوہ اختیار کر لیا۔ اہل تصوف نے باطنی ذریعہ علم کو زندہ رکھنے' اس کے ذریعے حاصل شدہ نتائج کو حاصل کرنے اور منوانے' مقصد حیات' حسن حیات اور وجدانی ازواق کا ذاتی ادراک کرنے پر خاصی توجہ دی اور یوں ایک بہت اہم' لازمی اور بالاتر ذریعہ علم کو زندہ رکھا اور اس کے تقدس کو منوایا۔

تصوف نے عبد کو معبود اور بندے کو خدا کے رنگ میں رنگنے کا بیڑا اٹھایا تاکہ انسان اپنی ممکن بلندیوں کو پالے اور انسانی روح اپنے مقام کمال تک جا پہنچے۔ روح کو جسم پر مقدم رکھنے' آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے' باقی کو عارضی پر غالب رکھنے کی تعلیم اور تلقین سے انسان ملکوتی الصفات بنتا گیا اور ایسے سلیم الطبع اور صحیح الذوق اجزاء کے اجتماع ہی سے ایسا صالح معاشرہ وجود پذیر ہو سکتا ہے۔ جو ضامن امن اور کفیل ارتقاء ہے۔ جسم و روح اور ظاہر و باطن میں یہ ہم آہنگی' ظاہر کو باطن اور جبلت حیوانی کو محبت ذاتی کے ماتحت رکھنے ہی سے ممکن ہے۔ پس تصوف ہی تحسین و تکمیل ذات انسانی کا ذریعہ ہے اور اسی ذریعہ سے انسان مقصود حیات کو پا سکتا ہے اور اس سچی خوشی کو حاصل کر سکتا ہے جو ثمرہ معرفت ہے۔

من کی دنیا

اہل تصوف نے (بطور مقصود کے نہیں بلکہ بطور دلیل کے) باطنی قوئ کو ترقی دے کر باطنی حواس کی دلیل مہیا کی۔ تاکہ انسان صرف ظاہری حواس ہی میں محصور ہو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ حصول علم کے لیے اس کے علم میں باطنی حواس کی شرکت سے بے پناہ اضافہ ہو سکے اور مولانا رومؒ کے ارشاد۔

Marfat.com

نطق آب و نطق باد و نطق گل
ہست محسوس حواس اہل دل

کا مفہوم واضح ہو سکے۔

نیز اہل تصوف نے ذات مطلق سے صحیح رابطہ کے بعد روح انسانی میں جو غیر معمولی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں' ان کا اظہار فرما کر قلوب کو اس باطنی انعام کے حصول کی طرف توجہ دلوائی اور یوں حواس اور عقل کے ذرائع کے ساتھ ساتھ انسان کو حواس باطنی کے ذریعے عالم باطنی کی سیر کی طرف مائل و متوجہ کیا۔ جس کی سیر عالم ظاہر سے بدرجہا زیادہ پر از معلومات اور حسین و جمیل ہے اور بقول بیدل

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن در آ
تو زغنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن در آ

اور تصوف نے ہی اس من کی دنیا کی طرف قلوب کو مائل کیا جو اقبال کی زبان میں غیر فانی اور مستقل ہے۔

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دولت' قلب رسا اور دل بینا کا نام ہے اور علم تصوف کا یہی پیغام ہے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
عقل گو آستاں سے دور نہیں
لیکن اس کی تقدیر میں حضور نہیں
علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

(اقبالؒ)

بندہ نے بھی من اور تن کی دنیا کا فرق یوں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

Marfat.com

من کی دنیا سرور کی دنیا
تن کی دنیا غرور کی دنیا
من کی دنیا تمام قرب و وصال
تن کی دنیا ہے دور کی دنیا
تن کی دنیا شنید کی دنیا
اور ہل من مزید کی دنیا
من کی دنیا شہید نور جمال
من کی دنیا ہے دید کی دنیا

(ارمغان فیض)

Marfat.com

گوش سے آغوش تک

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (پ ۲۱ الروم)

تاریخ انسانی کے ہر دور میں اور دنیا کے ہر خطے میں کچھ ایسے افراد ہمیشہ پیدا ہوتے رہے۔ جو عام سطح شعور سے بلند تر' اور عام انسانی سطح احساس سے عمیق تر' شعور و احساس کے حامل ہوتے رہے۔ انہوں نے عام انسانی تجربہ پر اکتفا نہ کیا' بلکہ ان کی روح بے تاب ہمیشہ حدود نا آشنا رہی' زمان و مکاں کی پہنائیاں ان کے لیے ہمیشہ تنگ ثابت ہوئیں' اور انہوں نے ہمیشہ حجابات زمان و مکاں کو اٹھا کر حسن مستور کو بے حجاب دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ فانی اور تغیر پذیر مناظر پر مطمئن نہ ہو سکے اور وہ ہمیشہ ثابت' قائم اور باقی کی تلاش میں منہمک رہے۔

یہ اس گروہ کی بات ہے' جس نے اپنی ذاتی سعی و عمل اور طلب و جستجو سے شاہد حقیقی کو پانے کی کوشش کی' حسن مستور نے خود اپنی جلوہ فرمائی اور حسن عالم آشوب کی خود نمائی کا جو اہتمام' وحی و نبوت کے ذریعے کیا ہے۔ وہ میرے دائرہ بیان سے ماورا ہے۔ کہ وہ طلب و جستجو کا نتیجہ نہیں' بلکہ ذات مطلق کی اپنی ذاتی حکمت و عنایت کا معاملہ ہے۔ نبوت کا منصب طلب کا نتیجہ نہیں' بلکہ عنایت کا معاملہ ہے۔ یہ سند فضیلت نہیں کہ مطالعہ اور محنت سے حاصل کی جائے' بلکہ یہ منصب اور عہدہ ہے جو ضرورتاً" اور مصلحتاً ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اپنے منتخب بندوں کو عطا کیا جاتا

Marfat.com

ہے۔ اس سلسلہ میں اپنی حکمت وہی جانتا ہے۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (پ ۸ الانعام)

اور اس معاملہ میں اصطفاء و انتخاب بھی اسی کی حکمت بالغہ پر منحصر ہوتا ہے۔ **فالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** میرا دائرہ بیان صرف ان بندگان خاص کی طلب و جستجو اور سعی و عمل کے تعارف تک محدود ہو گا۔ جنہوں نے حواس ظاہری اور ان کے معروض عالم ظاہر سے گذر کر، حواس باطنی اور ان کے معروض عالم باطنی کی یافت کے لیے کوشش کی اور محسوس سے غیر محسوس اور مجازی سے حقیقی کی طرف رجوع کیا۔

رومی اور اقبال

مولانا رومؒ نے اصل سے فصل کو ہی علت اضطراب قرار دیا اور اصل سے وصل کو ہی حقیقی اطمینان اور سچی مسرت کا مصداق سمجھا۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت میکند

ہر کرا کہ دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

حضرت اقبال کی جستجوئے مضطرب بھی عالم رنگ و بو پر قناعت نہ کر سکی، اور کسی وادی سدا بہار کے حصول میں کوشاں رہی۔ یہ ڈوبنے والے ستارے اور مرجھانے والے پھول، حسن قائم و دائم کے متوالوں کو مطمئن نہ کر سکے۔ اور کہنا ہی پڑا۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر !!

Marfat.com

چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

یہ دنیائے ماورائے حواس' یہ خزاں نا آشنا عالم رنگ و بو' یہ کائنات حسن سرمدی' ہمیشہ سے طالبان حقیقت کی جستجو کا مرکز و محور رہی۔ طول سفر اور مشکلات راہ کے باوجود' ہمیشہ کچھ نہ کچھ محو مقصد' مردان کار اس راہ میں گامزن رہے۔ اور دنیائے ظاہر کے فریب خوردہ اور کم ہمت مکینوں کو اس عالم باطن کی پر بہار وادیوں کی دل فریبیوں کی کیفیات سے آگاہ کرتے رہے اور ان پستی کے مکینوں کو بھی رفعت کی وادیوں کی طرف محو پرواز ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ خود مست فرزانوں نے ان خدامست دیوانوں کا مذاق بھی اڑایا۔ محسوس کے پرستاروں نے دنیائے غیر محسوس کے ان دانشوروں سے کٹ حجتی بھی کی۔ لیکن یہ دھن کے پکے ہمیشہ رفعت کی منزلیں طے کرتے رہے اور بلندیوں سے پستی کے ان مکینوں کو محبت اور نجات کی نوید سناتے رہے۔ رنگ و نسب اور وقت اور فاصلہ کے اختلافات کے باوجود ان سیاحان عالم بالا کے مشاہدات اور تجربات میں ایک حد تک یکسانیت اور مشابہت ہمیشہ موجود رہی اور یہ یکسانیت اور مطابقت اس بات کی شہادت دیتی رہی کہ حقیقت شناسی ایک امر واقعی ہے اور انداز دید میں اختلاف کے باوجود منظر کی کیفیت میں اتحاد و اتفاق' دلیل صداقت ہے۔

حسن مستور سے محبت کا عالمگیر جذبہ

حسن مستور سے محبت کا یہ جذبہ' نوع انسانی کی مشترکہ متاع ہے' عریاں سے گذر کر پنہاں کی تلاش' فطرت انسانی کا ایک قوی تقاضا ہے۔ مذہب سے والہانہ لگاؤ اس تقاضا کی دلیل ہے۔ ہاں بعض افراد میں یہ تقاضا انتہائی طور پر ترقی یافتہ ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی تمام مساعی کو اسی طلب و جستجو پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ وہ متلاشیان حق و صداقت کے سالار کارواں ہوتے ہیں اور عالم زمان میں عالم لا زماں کے نقیب ہوتے ہیں اور دنیائے اضطراب میں اطمینان کے اور جہان فانی میں حسن باقی کے قاصد ہوتے ہیں۔ اگر طلب و جستجو میں عقل و ادراک کا پہلو غالب ہو تو حکماء اور فلسفی وجود پذیر ہوتے ہیں' اگر طلب و جستجو' اطاعت اور انقیاد کا رنگ اختیار کرے تو زہاد کا زمرہ بن جاتا ہے اور

Marfat.com

اگر عشق و سرمستی کا پہلو غالب ہو تو عظیم فن کار معرض وجود میں آتے ہیں' اور اگر مناسب انداز میں یہ تینوں پہلو بعض لوگوں میں موجود ہوں۔ تو صوفیاء اور عرفاء کا طبقہ بن جاتا ہے۔ بہرحال وسائل کے اختلاف کے باوجود منزل ایک ہی ہوتی ہے۔ فلسفی اور فن کار حریم ناز کے دروازے پر رک جاتے ہیں۔ لیکن صوفیاء باریاب حریم خاص ہو جاتے ہیں اور ان کی جستجو کامیاب اور ان کی سعی مشکور ہو جاتی ہے۔

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

عرفاء کی شہادت یقین انگیز ہے

عظیم موجد اور محقق' کائنات کے متعلق جب کچھ نئے حقائق پیش کرتے ہیں تو گو وہ حقائق ہمارے لئے نئے اور نامانوس ہوتے ہیں اور ہمارے فہم و فکر سے بظاہر ماورا ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم انہیں ان محققین کی علمی عظمت' مسلسل محنت اور دوسرے ہمعصر اور ہم مرتبہ علماء کی تائید کے پیش نظر' من و عن قبول کر لیتے ہیں۔ ثانیاً" یوں سمجھئے کہ جب کوئی عظیم اور جواں ہمت سیاح' جان جوکھوں میں ڈال کر طویل سفر کی زحمتوں کو برداشت کر کے کوئی نئی دنیا دریافت کرتا ہے۔ تو ہم صرف اسی بنا پر اس کی دریافت کے وجود کا انکار نہیں کر دیتے کہ ہماری وہاں تک رسائی نہیں ہو سکی۔ یا ہم یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ پہلے ہمیں بھی بذات خود اس نئی دنیا کا مشاہدہ کرا دو تو پھر ہم اس کے وجود کو تسلیم کر لیں گے۔ ہم ایسا اس لیے نہیں کرتے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ اتنے دشوار اور طویل سفر کی زحمتوں کو برداشت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ وہ کوئی کوئی جواں ہمت' مرد کار ہوتا ہے جو علمی جستجو میں' طویل اور صبر آزما مشکلات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور نئے نئے اکتشافات سے نوع انسانی کو بہرہ مند کرپاتا ہے۔ پس اسی طرح آپ کو ان سیاحان عالم بالا' اور ان متلاشیان حق تعالیٰ کے اکتشافات اور مشاہدات کا محض اس بنا پر انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ آپ ان مشاہدات سے محروم ہیں۔ یہ بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ عمریں اس حسن مستور کی تلاش میں گذر جاتی

Marfat.com

ہیں۔ تب کہیں جا کر زمان و مکاں کے ہزاروں پردوں میں نہاں اس جان جہاں کے حسن عالم آشوب کی ایک جھلک نظر آتی ہے اور عاشقان باصفا اور زائرین حسن کبریا کے نزدیک وہ ایک تجلی ہی حاصل حیات ہوتی ہے اور اس سے ہی وہ سب کچھ پا لیتے ہیں' جس کے بعد انہیں کسی اور چیز کے پانے کی تمنا باقی نہیں رہتی۔

ایک اشارہ ایک تبسم ایک نگاہ بندہ نواز
اس سے زیادہ اے غم جاناں دل کی قیمت کیا کہیے

روحانی شعور پر تنقید سے پہلے تزکیہ باطن چاہیے

ان طالبان طریقت اور ان عارفان حقیقت کے ادعائے وصال و دید جمال پر تنقید و تنکیر دلیل و برہان سے ممکن نہیں۔ لہٰذا ان باطنی کیفیات سے تعارف کے لیے ایک حد تک تطہیر قلبی اور جلائے باطنی ضروری ہے کہ یہ معاملہ تجزیہ' ترکیب اور کمیت کا نہیں' بلکہ تصفیہ' احساس اور کیفیت کا ہے اور وجدانی معرفت کا ہے۔ یا تو آپ کو وجدانی سطح شعور تک ابھرنا ہو گا اور یا محض اس بے ریا اور با خدا گروہ کے ادعائے معرفت کا ان کی ذاتی صداقت کی بنا پر یقین کرنا ہو گا۔

لیکن گو بات وجدان اور عرفان ہی کی ہو۔ زبان و بیان کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوتا کہ تفکر بغیر الفاظ و کنایات کے ممکن ہی نہیں۔ باطنی سرمستی کو بھی جام و مینا کے الفاظ ہی سے معنون کرنا پڑے گا۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اس لیے عرفان کی باتیں جب زبان تک آئیں گی' تو ایک حد تک فلسفہ اور حکمت بن جائیں گی۔ لا زمان و لا مکاں کے معاملہ کو' عقل محدود' زمان و مکاں تک لائی' تو پھر یہ کیفیت بیان بن کر زبان پر آئی۔ اس سے بات الجھے یا سلجھے یہ ضرور ہوا کہ خلوت کے راز جلوت میں پہنچے اور حسن پاکباز کا بیان خلوت حرم سے نکل کر جلوت مغاں تک پہنچا۔ کہاں کی بات کہاں تک پہنچی' اب کوئی کیا سمجھے اور کیا سمجھائے۔ غلط

Marfat.com

فہمیوں پر غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور غلط فہمیوں اور غلط اندیشیوں کے اس مرتب مجموعے کو کبھی کبھی حکمت و فلسفہ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا۔

انجام خرد ہے ناصبوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری
ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی

دل در سخن محمدیؐ بند
اے پور علی ز بو علی چند

(اقبال)

فلسفی کو منکر حنانہ است
از حواس انبیاء بیگانہ است
نطق آب و نطق باد و نطق گل
ہست محسوس حواس اہل دل

زبان و بیان کی تنگیاں' لا زمان و لا مکاں کی وسعتوں کی کیسے متحمل ہو سکیں' کہ مطلق اور مقید اور لا محدود اور محدود کا معاملہ ہے۔ لیکن اس ناقص وسیلہ اظہار اور ناقص فہم کے بغیر' غور و فکر کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں۔ جب تک حقیقت کا تجربہ وجدانی احساس کے رنگ میں نہ ہو' تب تک زبان و بیان کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے۔ تو آیئے اب ہم فہم و فکر کے چند بنیادی اصولوں سے شروع ہوتے ہیں اور عقل و شعور سے حسن مستور کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ جہاں تک بھی یہ ساتھ دے اس سے کام لیں اور جہاں پر رک جائے وہاں وجدان و شعور باطن کا دامن تھام لیں کہ وہ باریاب حریم ناز ہیں۔

Marfat.com

انا کا علم حضوری

خودی کا رازداں ہو جا' خدا کا ترجمان ہو جا

فہم و شعور کا پہلا اصول اپنی انا کا تعین ہے۔ اس عرفان ذاتی کے لیے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ میرا یہ مضمون لکھنا اور آپ کا پڑھنا اور غور کرنا اسی انا کے یقین و اذعان پر ہی مبنی ہے۔ آپ کو اور مجھے بھی اپنے ہونے کا اس حد تک یقین ہے کہ ہم اسے بغیر کسی دلیل کے تسلیم کرتے ہیں۔ آج تک کوئی فلسفی' کسی مخاطب کو دلیل کے ذریعے اس کے نہ ہونے کا قائل نہیں کر سکا۔

خود آگاہی' خودی کا ایک حیرت انگیز خاصہ ہے۔ اسی خاصہ کی وجہ سے ہنگامہ کائنات بپا ہے۔ اور انسان کی ساری جدوجہد اور تگ و دو اسی خاصے کی وجہ سے ہے۔ اسی کی وجہ سے خودی اپنے آپ کو بغیر آنکھوں کے دیکھتی اور بغیر کانوں کے سنتی ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو کسی حس کی مدد کے بغیر' براہ راست پوری طرح سے جانتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں ہوں' کیونکہ میں سوچ رہا ہوں' جان رہا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں۔ اگرچہ میں اپنی خودی کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ شعور خودی کے سلسلہ میں "دید یا شنید" کا لفظ استعمال کرنا غلط ہو گا۔ تاہم میرے لیے میری خودی کا علم آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہوئی اشیاء سے بہت زیادہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ بلکہ میں جن چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ کر جانتا ہوں وہ اسی لیے جانتا ہوں کہ میری خودی ان کو جانتی ہے اور اپنی خودی کے شعور و علم کے بغیر کسی بھی چیز کو جانا نہیں جا سکتا۔ پس خودی کا شعور و علم ہر قسم کے علم کی بنیاد ہے اور ہر قسم کے علم سے زیادہ یقینی علم ہے۔ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر دنیا بھر میں کسی چیز کا یقینی علم ہمیں حاصل ہے تو صرف اپنی انا اور خودی کا ہی ہے۔ اس علم کے بغیر ہم کسی بھی "غیر خودی" کا علم حاصل نہیں کر سکتے۔

التباس حواس

خارج کی دنیا کے متعلق ہمارا علم قیاسی ہے اور ہمارا قیاس' حواس پر مبنی ہوتا

Marfat.com

ہے۔ حواس کے بدلنے سے ہمارا علم بھی بدل جاتا ہے اور حواس میں التباس کا امکان ہوتا ہے اور ایسے امکانات کا ذاتی تجربہ آپ کو بھی شاید حاصل ہو۔ بسا اوقات آنکھوں کو بادل کے بجائے چاند چلتا ہوا نظر آتا ہے' اور کشتی کے مسافر کو اپنی کشتی کے بجائے ساحل متحرک نظر آتا ہے اور جب دو گاڑیوں میں کراس ہو اور دوسری گاڑی چل کھڑی ہو تو اپنی گاڑی چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور سرسام وغیرہ کی حالت میں موجود چیزیں غائب اور غائب چیزیں موجود نظر آتی ہیں۔ ایسی ہی اور بھی کئی مثالیں التباس حواس کے سلسلہ میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

کائنات اور خودی

کوئی شخص کائنات کے متعلق تو کہہ سکتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور زمین و آسماں در حقیقت موجود نہیں' یا ان کی حیثیت ایک خواب یا وہم کی سی ہے یا یہ حقیقت نہیں بلکہ روئے حقیقت کا نقاب ہیں' لیکن اپنی خودی کے متعلق کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ ایک وہم ہے۔

فروغ دانش ما از قیاس است
قیاس ما ز تقدیر حواس است
چو حس دیگر شد ایں عالم دگر شد
سکون و دیر و کیف و کم دگر شد!
تواں گفتن جہان رنگ و بو نیست
زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
خودی از کائنات رنگ و بو نیست
حواس ما میان ما و او نیست

(اقبال)

اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں اپنی خودی کے وجود کا دھوکا ہو رہا ہے' اور درحقیقت ایسی کوئی چیز موجود نہیں' جو اپنے آپ کو "میں" کہہ سکتی ہو' تو ہم اس سے پوچھ سکتے

Marfat.com

ہیں کہ اس دھوکے یا وہم کا علم یا احساس کس کو ہو رہا ہے؟ اگر ایک دھوکے کا علم یا احساس ایک حقیقت ہے اور خود ایک دھوکا یا وہم نہیں' تو وہ چیز کس طرح ایک دھوکا یا وہم ہو سکتی ہے' جس کو یہ علم یا احساس ہو رہا ہے اور یہی چیز خودی ہے جو اپنے آپ کو "من" کہہ رہی ہے۔

اگر گوئی کہ "من" وہم و گمان است
نمودش چوں نمود ایں و آنست
بگو با من کہ دارائے گماں کیست
یکے در خود نگر آں بے نشاں کیست

(اقبالؒ)

خودی حق ہے

یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ خارج کی دنیا تو آشکار موجود ہو۔ لیکن اس کے باوجود دلیل و ثبوت چاہتی ہو اور خودی نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود یقینی ہو اور ثبوت و دلیل کی محتاج نہ ہو اور اس حد تک یقینی ہو کہ تمام مسائل اور براہین و دلائل اس کے ہونے پر مبنی ہوں۔ اس سے زیادہ خودی کے حقیقی ہونے کا کیا ثبوت ہے لہٰذا خودی' حق ہے باطل نہیں اور وہ موجود ہے غیر موجود نہیں۔

جہاں پیدا و محتاج دلیلے
نمی آید بفکر جبرئیلے
خودی پنہاں ز حجت بے نیاز است
یکے اندیش و دریاب ایں چہ راز است
خودی را حق بداں باطل مپندار
خودی را کشت بے حاصل مپندار
(اقبالؒ)

عالم خارجی کے متعلق میری انا کا علم اپنے حواس پر مبنی ہے۔ میری آنکھیں کچھ

Marfat.com

تاثرات کسی چیز کے متعلق دماغ تک پہنچاتی ہیں۔ میرے کان کچھ تہیجات کسی خارجی شے کے متعلق دماغ تک بھیجتے ہیں۔ میری قوت لامسہ بھی کچھ تاثرات مہیا کرتی ہے۔ میری قوت شامہ ناک کے ذریعہ ایک خاص قسم کا خوشگوار یا ناگوار تاثر مہیا کرتی ہے۔ ان تمام تاثرات کو اکٹھا کر کے' میری انا' شئے خارجی کے متعلق ایک تصور قائم کرتی ہے۔ اور اس کو ایک خاص نام سے موسوم کرتی ہے۔ دیکھئے میں نے جو کچھ جانا وہ صرف داخلی تاثر ہی ہے۔ جو میرے ہی حواس نے' میرے ہی شعور میں پیدا کیا' وہ کسی خارجی شے کی حقیقت کا علم نہیں بلکہ عملی افادی حیثیت سے ایک داخلی تصور ہے جو شعور نے پیدا کر لیا ہے۔ پس میرے علم کی حدود عالم خارجی کی حدوں تک نہیں بلکہ صرف حواس خمسہ کی داخلی حدوں کی انتہا تک ہی ہیں۔

ٹیلیگراف آپریٹر کی مثال

اس کی ایک مثال یوں بھی ہے کہ ہمارا نفس ایک ٹیلی گراف کے آپریٹر کی طرح ایک بند اور مقفل کمرے میں بیٹھا ہے۔

اسے ٹیلی گراف کے آلات کے ذریعے کمرے سے باہر کے کسی پیغام رساں کا پیغام پہنچتا ہے اور وہ آپریٹر اسے نقطوں اور لکیروں کی شکل میں وصول کرتا ہے۔ وہ نقطے اس بات کی دلیل تو ہیں کہ کوئی پیغام رساں کمرے سے باہر موجود ہے۔ لیکن وہ نقطے اور علاماتی نشان نہ تو خارجی پیغام کی پوری شرح و بسط کے ساتھ ترجمانی کر سکتے ہیں اور نہ ہی پیغام رساں کی ذات کے متعلق کوئی تفصیلی یا تشریحی واقفیت مہیا کر سکتے ہیں۔ کمرے کے اندر بند انسان تار برقی کے ذریعہ باہر کی دنیا سے جو رابطہ قائم کر پاتا ہے وہ نہایت ناقص ہوتا ہے۔ یہی حال ہماری انا اور عالم خارجی کا بھی ہے۔ حضرت اقبال نے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تواں گفتن جہان رنگ و بو نیست
زمین و آسماں کاخ و کو نیست

Marfat.com

چوں حس دیگر شد ایں عالم دگر شد

فرض کیجئے کہ کسی طلسماتی شعبدہ سے ہمارے حواس میں کچھ ایسی تبدیلی کر دی جائے کہ کان دیکھنا اور آنکھیں سننا شروع کر دیں تو خارجی تاثرات تو پھر بھی انا تک جاتے رہیں گے لیکن ان کا داخلی نتیجہ قطعاً" مختلف ہو گا۔ نغمہ روشن اور شاداب نظر آئے گا۔ جلوہ حسین ترنم بن جائے گا۔ قوس قزح کے رنگ ساز و آواز کی حسین ترکیب بن جائیں گے اور بلبل کی نغمہ سرائی' مانی و بہزاد کی رنگ آمیزی کا روپ دھار لے گی۔ عالم خارجی تو وہی ہو گا لیکن ہمارا داخلی تاثر' تبدیلی حواس سے قطعاً" بدل جائے گا۔ اور اسی بدلے ہوئے تاثر کو ہم عالم خارجی کا صحیح تصور قرار دیں گے۔

حقیقت سے بلا واسطہ رابطہ اور اس کا صحیح علم' عقل کے بس کی بات نہیں اور اس غیر محسوس حقیقت کے متعلق بذریعہ حواس ایک نا تمام تصور کا قیام' عملی طور پر مفید بھی ہے اور ضروری بھی۔ لیکن اس فرضی تصور کو ہم نہ تو مکمل کہہ سکتے ہیں اور نہ واقعی! اس نامکمل اور غیر واقعی تصور پر ہی قناعت کر لینا عوامی تقاضا اور وقتی مفاد ہے لیکن نوع انسانی میں کچھ ایسے فرزانے بھی ہوتے ہیں۔ جو ناقص اور فرضی امور پر مطمئن نہیں ہو پاتے۔ وہ حقیقت کو کما حقہ سمجھنا چاہتے ہیں اور وہ عمومیت کو کسی قیمت پر بھی حقیقت کا معیار ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ وہ حواس کے التباس کو جانتے ہیں اس لیے حقیقت شناسی کے سلسلہ میں حواس کی نا تمامی کے پیش نظر وہ کچھ "شاذ اور ماوراء" قسم کے ذرائع علم کو استعمال کرتے ہیں اور وہ علم و عرفان کے اس جہان تک پہنچ جاتے ہیں' جو عقل و حواس کے وہمی جہان سے ماوراء ہے۔

داخلی تجربہ یقینی ہے

IDEALISM کے نقطہ نظر سے' جو کچھ میں جانتا ہوں وہ میرا ذاتی اور داخلی علم ہی ہے۔ جو نا تمام حواس کے نا تمام پیغامات کا نتیجہ ہے۔ میں اپنے حواس کے دائرہ کے باہر نہ جا سکتا ہوں اور نہ حقیقت کو پا سکتا ہوں۔ داخلی تجربہ کو معیار علم قرار دینے

Marfat.com

کے بعد عالم خواب کے مشاہدات اور سرسام کے تصورات کو بھی حقیقی ہی ماننا پڑے گا۔ کہ ان میں اور حواس کے مہیا کردہ علم میں داخلی تجربہ کی حیثیت سے کچھ فرق نہیں۔ IDEALISM نے حقیقت کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے وہ نہایت درجہ لطیف اور حسین ہے۔ یہ صرف عقلی تگ و دو کا نتیجہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس میں کچھ قلبی انکشاف کا بھی حصہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم ایک تصوراتی فلسفی سے سوال کرتے ہیں کہ جس حقیقت کو تم بیان کرتے ہو اس کے عرفان کا عملی ذریعہ کیا ہے؟ تو فلسفی چپ ہو جاتا ہے۔ وہ دلیل و برہان سے حقیقت کی طرف اشارہ کناں تو ہوتا ہے، لیکن وجدان و عرفان کے ذریعے اس تک رسائی کا ذریعہ نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ حقیقت نہ حواس کے پیمانے سے ناپی جا سکتی ہے اور نہ ہی عقل کی ترازو پر تولی جا سکتی ہے۔ اسے تو صرف دل بیدار، بطور حال کے ہی پا سکتا ہے اور یہ بات فلسفی کو نہیں بلکہ صوفی کو حاصل ہوتی ہے۔ حریم حسن کی طرف اشارہ اور وہ بھی دور کا اشارہ عقل کی انتہا ہے۔ لیکن وصال یار کی سرمستیوں کا مزہ عشق کا منتہا ہے اور عشق سر کا کام نہیں بلکہ دل کا کام ہے۔ بشرطیکہ دل بینا بھی ہو اور بیدار بھی

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ اور علم حصولی

بذریعہ حواس حاصل ہونے والا علم حصولی کہلاتا ہے اور علم حصولی کی غلط بنی اور غلط اندیشی کے متعلق امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔ ''علم حصولی در حقیقت نفس شے کا علم نہیں ہوتا۔ اس میں نفس شے کی نسبت جہل ثابت ہوتا ہے۔ علم حضوری کے سوا جو بھی علم حصولی ہے سرا سر جہل ہے۔ یہاں معلوم دراصل وہ ہے جو ذہن میں موجود ہے، اور یہ صرف صورت شے ہوتی ہے اور صورت شے حقیقت شے نہیں ہو گی۔ پس علم حصولی صرف صورت شے تک محدود رہتا ہے اور علم حضوری حقیقت شے کو پا لیتا ہے۔ علم حضوری (علم بلا حواس)

Marfat.com

میں عالم و معلوم کا اتحاد ہوتا ہے اور جب علم حضوری میں معلوم نفس شے ہے نہ کہ اس کی صورت تو معلوم وہاں ہو بہو منکشف ہو جاتا ہے اور اس کی کنہ و حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ عارف کے ہاں حق تعالیٰ کی ذات کی نسبت علم حضوری ثابت ہوتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ صوفی پر حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ منکشف ہو جائے اور واجب تعالیٰ کی ذات کما حقہ معلوم ہو جائے۔ اعتراض ادراک میں ہے جہاں احاطہ ثابت ہوتا ہے نہ کہ انکشاف میں" (جلد سوم مکتوب۔ ۴۸)

علم حصولی (حواس کا علم) ظنی ہے

Scepkcol فلسفی (لاادری) ہوں (Idealist) تصوراتی حکماء یا صوفیاء علم حسی کے وہمی اور ناقابل یقین ہونے پر سب ہی متفق ہیں۔ حقیقت کے متعلق عقلی جستجو ہمیں تین نتائج میں سے ایک نہ ایک کو قبول کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

(ا) یا تو ہم ظاہری دنیائے صور و اشکال کو ہی حقیقی دنیا تسلیم کرلیں اور اسی طلسم کثرت میں حیات مستعار کو گذار جائیں۔

(ب) یا حقیقت کے متعلق ایک خود ساختہ اور نا تمام سا علاماتی قسم کا تصور قائم کرلیں اور اسی کی پرستاری پر ہی قناعت کرلیں۔

(ج) یا ایک لا ادری فلسفی کی طرح' حقیقت کے علم کو ناقابل حصول اور اس سعی کو غیر مشکور سمجھ کر ترک کردیں۔

روح انسانی اور تقاضائے وصال

معصوم انسانی روح ابدی کے تقاضائے دید اور تمنائے وصال کو یا تو عقل جزئی شک و انکار کی ڈانٹ ڈپٹ سے دبا دینا چاہتی ہے اور اگر یہ ابدیت کا طفل معصوم پھر بھی اپنے مطالبہ سے باز نہ آئے تو ایک ہشیار دایہ کی طرح' ایک خود ساختہ اور نا تمام تصور حقیقت کا کھلونا اس کے ہاتھ میں تھما دیتی ہے اور اگر بچے کا تقاضا اور اس کا بسورنا پھر بھی جاری رہے تو سائنس ماں کے روپ میں' عملی افادیت اور تجرباتی یقین کا

Marfat.com

پستان اس کے منہ میں ڈال دیتی ہے۔ لیکن عرفان حقیقت اور تمنائے وصال کا ازلی اور ابدی روحانی تقاضا ان صور و اشکال' رد و انکار یا دلیل و برہان سے پورا نہیں ہوتا۔ تو پھر فنون لطیفہ اور شعور باطنی کے حکماء کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ عقل و حکمت' جسمانی اور دماغی تقاضے تو پورے کر دیتی ہیں۔ بقائے حیات اور تحفظ نوع کا مقصد بھی پورا کر دیتی ہیں اور ذرا اوپر اٹھ کر آرام و آسائش کا اہتمام بھی کر دیتی ہیں لیکن روح انسانی کی باطنی تشنگی (جو جستجوئے حسن اور تمنائے جمال کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتی ہے) کی تسکین کا سامان نہیں کر پاتیں یہیں سے دین اور تصوف کی حدیں شروع ہو جاتی ہیں۔ تلاش حقیقت کے سلسلہ میں عقل کی ناتمامی اور نارسائی' سمند شوق کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے اور طالب حقیقت' عقل کے وسیلہ علم و ادراک کو چھوڑ کر کسی ایسے ذریعہ علم کا متلاشی ہوتا ہے' جو حسن مطلق کو این و آں' چنیں و چناں اور زمان و مکاں کے پردے اٹھا کر عالم ابدیت میں عریاں دیکھ سکے۔ جس کو صوفیاء عرفان اور ایقان کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوب سے ظاہر ہے کہ یہ وہ رویت نہیں ہوتی جس کی کلام حکیم نے نفی کی ہے کہ اس میں وہ ادراک نہیں جس میں احاطہ پایا جائے بلکہ یہ علم حصولی کی سی کیفیت ہے۔ جہاں زندگی' زندگی کو پا لیتی ہے اور محویت علم میں عالم و معلوم کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

فطرت انسانی اور تلاش حسن

انسان نے ہمیشہ حسن و کمال کے ماورائی اور ارفع و اعلیٰ تصور کی جستجو کی' اور اس جستجو کو پرستش کی حد تک پہنچایا اور ہمیشہ ظاہر پر باطن کو ترجیح دی اور حسن مستور کی یافت کے لیے عالم ظاہر کے حسی لذائذ کو ترک کیا اور مال و جان جیسی عزیز متاع کو شاہد حقیقی کی رضا اور جمال معنی کی لقا کے لیے تیاگ دیا۔ اس مسلسل جستجو اور پیہم ایثار سے بڑھ کر فطرت انسانی کی طلب حسن و کمال کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ عقل کہتی ہے کہ انسان کی ساری تگ و دو صرف لذت و بقا کے لیے ہی ہے۔ لیکن

Marfat.com

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان راہ شوق و محبت میں درد و غم کو فرحت و مسرت سے بھی بڑھ کر پیار کرتا ہے اور اکثر اوقات راہ طلب میں مفاد عاجلہ اور حیات مستعار کی فنا کو ہی بقا قرار دیتا ہے تو عقل بوکھلا جاتی ہے اور فطرت انسانی کے ان بظاہر غیر حیاتیاتی تقاضوں کی تشریح میں ناکام ہو جاتی ہے۔ اور اس میں اگر فطرت انسانی کی جستجوئے حسن کو بھی شامل کر لیا جائے اور اس سلسلہ میں انسان کی مساعی اور اظہار حسن کے لیے فنون لطیفہ' شاعری' موسیقی اور نقش آرائی کی جمیل بوقلمونیوں کو بھی شامل کر لیا جائے' تو فطرت انسانی کے ان تقاضوں کی نفسیاتی توجیہہ اور عملی تسکین کے سلسلہ میں عقل و دانش اور فلسفہ و سائنس بالکل بیکار ہیں۔ یہ طوعاً" و کرہاً" انسانی فطرت کے ان تقاضوں کے وجود کو تو مان لیتے ہیں۔ لیکن ان کی تسکین اور تشفی کے سلسلہ میں کچھ نہیں بتا سکتے۔

منطق اور تقاضائے حسن

منطق اور سائنس یہ نہیں بتا سکیں' کہ پتھروں کے ایک پہاڑ پر گھاس کے چند تنکے جب منجمد پانی (برف) سے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ تو کیوں بعض حساس طبیعتوں میں اس منظر سے ایک آسمانی مسرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ اور کیوں کوئل کی "پی کہاں" اور بلبل کی نوا سنجی' ایک شاعر کے دل میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے اور اسے کسی گمشدہ دنیائے حسن و جمال کی یاد ستانے لگتی ہے اور کیوں صوت و صدا کی ایک خاص ہم آہنگی' موسیقی کے رنگ میں' بعض لطیف طبائع پر کیف و مستی کی ایسی کیفیت طاری کر دیتی ہے کہ اسے فردوسی نغموں کا ماحول یاد آنے لگتا ہے اور کیوں الفاظ کا حسن ترتیب الفاظ میں ایک نئی معنویت اور کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور کیوں صریر خامہ نوائے سروش معلوم ہونے لگتی ہے؟ اور کیوں نقطوں اور لکیروں کا ایک خاص تناسب' شعور کو ایک ایسے خاص مقام پر لے جاتا ہے۔ کہ عالم بے صورت سے رابطہ ہونے لگتا ہے؟ آخر یہ سب کچھ کیوں ہے؟ تقاضائے حسن کی افادیت کیا ہے؟ اس کی تسکین کے ذریعے کیا ہیں؟ وہ کونسا جذبہ ہے جو عقل کی چنیں و چناں کی

Marfat.com

سعی لا حاصل سے گذر کر درد و غم، حسن و جمال اور شعر و آہنگ کے وسائل سے، حقیقت تک رسائی کے ذرائع مہیا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں اکثر کامیاب ہو جاتا ہے۔ ان راستوں سے تلاش حسن کی سعی کو عشق کہا جاتا ہے۔ اور عشق ہی تصوف کی جان ہے اور تصوف ہی احسان ہے اور احسان ہی عرفان و ایقان ہے۔ **والذین امنوا اشد حبا اللہ** عشق کی شان ہے اور بشر الصابرین اسی کا فیضان ہے۔ بایزید ہوں یا جنید، جامی ہوں یا رومی۔ چشتی ہوں یا نقشبندی، قادری ہوں یا سہروردی شاذلی ہوں یا اویسی، عشق ہی سب کا امام ہے۔

عقل است غلام من عشق است امام من

عشق اور حسن

عشق حقیقی کو حسن مطلق کا پیغام، عقل و حواس سے ماوراء، کسی اور ذریعہ سے ملتا ہے۔ درد و غم ہو یا شعر و آہنگ، کشف و الہام ہو یا وجدان و ایقان یہ سب منزل جاناں کی راہیں ہیں یہ حسن نما اور عشق انگیز ہیں۔ ان کی حدیں لا مکان سے جا ملتی ہیں اور عرفان کی یہ راہ طویل، عقل کی ست گامی سے نہیں بلکہ عشق کی برق رفتاری سے طے ہوتی ہے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

روح بیکراں، عشق بیکراں کے پر لگا کر، وادی حسن بیکراں تک بیکراں پرواز کرتی ہے۔ عشق سے مزاج انسانی میں وہ انقلاب شعور پیدا ہوتا ہے، کہ این و آں اور زمان و مکاں کے پیمانے بدل جاتے ہیں ---- اور پھر آوان و اکوان کے طلسم ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور توحید کے زور سے عالم ناسوت کی تنگی، عالم لاہوت کی بیکرانی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری
زماں ہے نہ مکاں **لا الہ الا اللہ**

زمان و مکاں کا طلسم، عشق کے افسون سے ہی ٹوٹتا ہے۔ اور شاہد حقیقی کا جلوہ

Marfat.com

زمان و مکان کے حجابات اٹھنے کے بعد ہی نظر آتا ہے۔ حسن کی خواہش نمود سے یہ طلسم رنگ و بو' وجود پذیر ہوتا ہے۔ بوئے گل' گل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور عالم صورت' عالم حقیقت کی طرف اشارہ کناں ہوتا ہے۔ رنگ و آہنگ' ادائے ناز بن کر' کسی نازنین کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ حسن کے اشارے' حسن رنگ و بو بن کر دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ اور عشق ناصبور' رہ شوق میں گامزن ہو جاتا ہے۔ بہرحال ناز و نیاز اور ہجر و وصال کا یہ معاملہ عقل و برہان کے ذریعے نہیں بلکہ عشق و وجدان کے ذریعے طے ہوتا ہے۔

فلاسفہ اور نظریہ جمال

ہیگل کا مقولہ ہے کہ "جب حقیقت منتظر' لباس مجاز میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ تو حسن بن جاتی ہے۔" *(Philosiphy of Relegion Vol: II P.8)*

اقبال کہتا ہے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

بقول ڈولف یوکن "نیکی' حسن اور سچائی اظہار حقیقت کے تین شفاف آئینے ہیں اور روحانی دنیا کے تین بے خطا راستے ہیں۔"

شاہد حقیقی کا جلوہ مستور' حسن کے آئینے میں ہی ظہور فرماتا ہے اور دیدہ دل اس کی ہلکی سی جھلک دیکھ پاتا ہے۔ افلاطون دید حسن سے اثر پذیری کو' ایک نیا اور خارجی واقعہ نہیں قرار دیتا۔ بلکہ عالم ملکوت میں روح نے قریب سے جو جلوہ حسن دیکھا تھا' اس کی یاداشت قرار دیتا ہے۔ افلاطون کے نزدیک روح جب قید جسم سے آزاد تھی تو اس نے فضائے ملکوت میں حسن ازل کی جو جھلک دیکھی تھی' اسی کی یاد' انسان کے تحت الشعور کی گہرائیوں میں ہمیشہ موجود رہتی ہے اور عالم صور و اشکال میں جب روح کو اسی حسن ازل کی کوئی ادنیٰ سی جھلک نظر آتی ہے تو اسے پھر سے حسن ازل یاد آ جاتا ہے' اسی لئے دید حسن کا وہ لمحہ انتہائی لذیذ اور مسرت بخش ہوتا ہے اس لمحے میں

Marfat.com

روح، تنگنائے کون و مکاں سے پرواز کر کے، پھر سے دنیائے لامکاں تک جا پہنچتی ہے۔

صورتش بر خاک و جاں در لا مکاں
لا مکانے فوق وھم سالکاں

اس لیے دید حسن کی محویت ایک ذہنی کیفیت نہیں ہوتی بلکہ ایک خالص روحانی تجربہ ہوتی ہے، اس لمحے میں روح انسانی، انتہائی بلندیوں کو چھو لیتی ہے اور اس پر کشف حقیقت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایک ناپختہ اور بد ذوق انسان اس خالص روحانی تجربہ کے باوجود مادی پستیوں سے اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ اور حجاب صورت میں ہی الجھ جاتا ہے لیکن ایک صاحب ذوق سلیم اور پختہ مزاج انسان صورت کے حجاب مجازی کو اٹھا کر، اس کے پیچھے حسن حقیقی کو پالیتا ہے۔ اسی لیے حسن مجازی بعض کے لیے رحمت ہے اور بعض کے لیے زحمت، سقیم کے حق میں زہر ہے لیکن سلیم کے حق میں تریاق، جس نے سراب کو آب سمجھا وہ محروم رہا اور جس نے آب خالص کو تلاش کر لیا وہ سیراب ہو گیا۔ شیشہ کے عکس پر فریفتہ ہونا اور بات ہے اور شیشہ میں جلوہ نمائی کرنے والے محبوب کے روئے زیبا کو بلاواسطہ دیکھنا کچھ اور معنے رکھتا ہے۔

حضرت امام ربانیؒ کا ارشاد

صوفیاء نے موسیقی کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ، سننے والے کے مزاج کی صلاحیت یا عدم صلاحیت کی بنا پر ہی کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی اسی حقیقت کا موید معلوم ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

چوں معاملہ عارف بصرف ذات تعالیٰ و تقدس ے افتد و جمیع نسب و اعتبارات ساقط میگردد دران موطن عروج متعسر میشود و بے علاقہ و تعلق بر آمدن دشوار مینماید دریں وقت گاہ باشد کہ بحکم **النظرة الاولی لک** نگاہ اول کہ بمظاہر جمیلہ تعلق کند دریں مقام مدد نماید و بسرعت بالا برد و از مجاز کہ قنطرہ حقیقت گفتہ اند **بحقیقت** رساند اما دریں وقت محافظت از نظرہ ثانیہ کہ النظرة الثانیہ علیک فرمودہ اند لازم ست کہ

Marfat.com

مضر و سم قاتل ست

ترجمہ : جب عارف کا معاملہ حق تعالیٰ کی ذات سے آ پڑتا ہے اور تمام نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہو جاتے ہیں تو اس مقام میں عروج مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بغیر تعلق و علاقہ کے دشوار دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت کبھی ایسا ہوتا ہے کہ **النظرۃ الاولی لک** یعنی (پہلی بار کا دیکھنا تیرے لئے ہے) کے موافق پہلی نگاہ جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس مقام میں مدد کرتی ہے اور وجہ بلندی بن جاتی ہے اور مجاز حقیقت تک لے جانے کا پل بن جاتا ہے۔ لیکن دوسری نظر وبال بن جاتی ہے اس سے بچنا لازم ہے۔ (دفتر سوم مکتوب نمبر ۶۱)

جو ناظر جمال معین سے مطلق کی طرف پرواز کر گیا اس کے لیے مجاز' حقیقت رسی کا زینہ بن گیا اور جو جلوہ محدود و متعین میں ہی پھنس گیا وہ پستی کا اسیر بن گیا۔ اور بلندی سے محروم رہ گیا۔ کثرت سے وحدت' مجاز سے حقیقت اور فانی سے باقی کی طرف رجوع ہی عرفان ہے اور اس سے محرومی سرا سر زیاں ہے۔ اور اس کا انکار باعث خسران ہے۔

زمان و مکاں اعتباری ہیں

اہل باطن کے نزدیک یہ زماں و مکاں' بتان وہم و گماں اور محض اعتباری ہیں۔

ہم زمان و مکاں میں مقید' فانی اور متغیر' جلوہ ہائے پا بہ رکاب کو ہی حقیقی دنیا کیوں مان لیں؟ اور حواس خمسہ کے ذریعے حاصل ہونے والے ظنی اور محدود علم حصولی کو ہی کیوں قطعی اور حقیقی سمجھ لیں؟ صوفیاء اور عرفاء نے ہمیشہ ظاہر کے پس پردہ باطن میں جھانکنے کی کوشش کی اور متغیر اور فانی کے پیچھے سے قائم و دائم کے متلاشی رہے' وہ ہمیشہ اس مرغزار کی تلاش میں رہے' جو سدا بہار اور خزاں نا آشنا ہے۔

صوفیاء ہی کامیاب منزل ہیں

حقیقت کے متلاشیوں کو صورت کبھی دھوکا نہ دے سکی' اور لا مکاں کے باہمت

Marfat.com

سیاحوں کو زمان و مکاں کی تنگ دامانیاں کبھی راس نہ آئیں۔ انہوں نے دیدہ ظاہر کے محدود منظر سے اوپر اٹھ کر دیدہ دل کے ذریعے دنیائے لا محدود کو دیکھنے کی کوشش کی۔ انہوں نے آسمانی ہدایت اور اس پر مبنی ذاتی علم و تجربہ کی بنا پر' ہمیشہ ایک پائیدار اور سدا بہار' دنیائے حقیقت کی خبر دی' شنید سے اس دنیائے حقیقت کا سراغ پایا اور دید سے حق الیقین کا مقام پایا اور اس راہ میں دلیل و برہان کی ناتمامی' نار سائی اور کشف و وجدان کی حقیقت شناسی اور منزل رسی کا یقین دلایا۔

انہوں نے نیکی' صداقت اور حسن کے زینوں کے ذریعے بام حقیقت تک رسائی حاصل کی اور بعد میں آنے والے طالبان حقیقت کی رہنمائی کی۔ اپنی دریافت کے نتائج کو مذہب اور لطافت (فنون لطیفہ) کی علاماتی لیکن جذباتی زبان سے ادا کرنے کی کوشش کی۔ کیفیات سرمدی جب حروف و اصوات کے سانچوں میں ڈھلیں تو کئی الجھنیں آ پڑیں۔ بحر بیکراں جام و سبو میں کیسے سمائے اور حسن مطلق کی تنویر عقل مقید کی زد میں کیسے آئے؟ اسی لئے صوفیاء اور عرفاء کے بیان میں ابہام رہا جس نے کبھی تضاد' کبھی اختصار اور کبھی تکرار کا رنگ اختیار کیا۔ یہ ابہام وجود حقیقت اور نفس حسن کے متعلق نہیں' بلکہ زبان و بیان کی نا تمامی کا آئینہ دار ہے۔

حقیقت شناسی کی تمام کوششوں میں صرف تصوف ہی کامران رہا اور منزل حقیقی تک پہنچنے میں صرف صاحب ایقان و ایمان' صوفیا اور عرفا ہی کامیاب رہے۔

انہوں نے اپنے وسیع علم اور طویل تجربہ کے بعد یہ ثابت کیا کہ حقیقت شناسی اور حسن مطلق کی یافت کے سلسلہ میں حواس بے کار ہیں اور عقل جزی ناکام ہے۔ انہوں نے دیدہ دل کی بیداری اور شعور باطن کی پختگی کو ہی' حقیقت شناسی کا قطعی اور ناقابل خطا ذریعہ قرار دیا۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ حقیقت شناسی سر کا نہیں بلکہ دل کا کام ہے۔ عقل محدود' حقیقت کو زمان و مکاں کے پیمانوں میں ناپتی ہے اور الفاظ و اصوات میں اس کو مقید کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے ناکام رہتی ہے' لیکن عشق تحدید و تقیید کے قفس کی تیلیاں توڑ دیتا ہے اور روح مقید کو وہ آزادی نصیب ہو جاتی ہے جو اس کا مطلوب و مقصود ہے۔ وہ کثرت میں وحدت اور جز میں کل کو پالیتا ہے اور روح

Marfat.com

کو اضطراب طلب کے بعد وہ سچا اطمینان نصیب ہو جاتا ہے' جو تکمیل ذات کا کفیل اور کامیابی کی دلیل ہے۔

امام غزالی کا اعتراف

حضرت امام غزالی بھی دلیل و برہان کی وادیوں کو عبور کرنے کے بعد جب حق الیقین کے مقام تک نہ پہنچ سکے تو انہوں نے بھی علوم عقلی کے بجائے شعور قلبی' اور دلیل و برہان کے بجائے شہود و عرفان کا دامن تھاما۔ خلوت نشینی اور عزلت گزینی کو شعار بنایا اور سر کے بجائے دل' عقل کے بجائے عشق اور ازعان کے بجائے ایقان کو امام بنایا۔ قال کو چھوڑا اور حال کے کوچہ میں قدم رکھا اور اقبال کی زبان میں کہا۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولیٰ مجھے صاحب جنوں کر

اس کیفیت کو انہی کے الفاظ میں سنیے۔

"ان خلوتوں اور عزلتوں میں بہت سے اسرار منکشف ہوئے جن کا احاطہ نا ممکن ہے۔ اس عرصہ میں مجھے یقیناً معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے صرف صوفیاء کرام ہی ہیں اور انہی کی سیرت سب سے اعلیٰ اور انہی کا طریقہ سب سے درست ہے۔ اگر سب حکماء کی حکمتیں اور تمام علمائے شریعت کے علوم جمع کیے جائیں۔ تاکہ صوفیا کرام کی سیرت میں پہلے سے کوئی مزید یا بہتر تغیر کیا جائے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ ان کی سیرت پہلے ہی انوار نبوت کے مشکوۃ سے مقتبس ہے۔ اس طریقہ کا کیا کہنا' جس کی طہارت ماسوی اللہ سے دل کا پاک کرنا اور جس کی تکبیر تحریمہ کلیتاً" ذکر الٰہی میں محو ہو جانا ہے۔ یہ لوگ عالم بیداری میں ملائکہ کو اور ارواح انبیاء کو دیکھتے اور ان سے اخذ فیض کرتے ہیں۔ آخر کار یہ اس مقام قرب ذات تک پہنچ جاتے ہیں۔ جس کو کما حقہ' جامہ الفاظ پہنانا ممکن نہیں۔ اس لیے بعض لوگ اسے حلول خیال کرتے ہیں اور بعض لوگ اسے اتحاد اور وصول سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ صرف الفاظ کی کوتاہ دامنی کا نقص ہے کہ ان کی استعداد نا تمام اس کیفیت تمام کے اظہار سے قاصر ہوتی ہے۔

Marfat.com

غرض جس شخص کو ذوق تصوف حاصل نہیں۔ وہ حقیقت نبوت کو ایک اسم یا رسم کے بغیر اور کیسے سمجھ سکتا ہے صوفیاء کرام کے طریقہ پر گامزن ہونے سے جو امور مجھ پر منکشف ہوئے ان میں حقیقت نبوت اور اس کی خاصیت بھی ہے۔ اس کا علم اگر بطور ذوق کے ہو تو وہ مشاہدہ کا حکم رکھتا ہے۔ گویا کہ اس کو چھو کر دیکھ لیا ہو۔ اور اس قسم کا یقینی علم صوفیاء کرام کے طریقہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ (تلاش حق اردو مترجم)

صوفیاء کا کشف و وجدان یقینی ہے

یہ امر یقینی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ صوفیاء اور عرفاء کا کشف و وجدان اور شہود و عرفان ہی قرب و معرفت کا حتمی ذریعہ ہے۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک کا مقام اور اسی طرح **مازاغ البصر وما طغی** کا اکرام بھی دیدہ حق بیں کا ہی انعام ہے اور یہ اعلان دیدہ بینا کی ہی شان اور دل بیدار کی ہی پہچان ہے۔

یہ واضح شہود' یہ بے حجاب نمود' یہ کامل عرفان اور یہ مکمل ایقان ہی فقر و تصوف کی جان ہے۔ شنید سے دید تک اور گوش سے آغوش تک رسائی ہی صوفیا اور عرفاء کی تگ و دو کا مقصود ہے۔ خود آگاہی اس کا وسیلہ اور خدا شناسی اس کا نتیجہ ہے۔ علم الیقین ہی تلاش حقیقت کی ابتداء اور حق الیقین اس کی انتہا ہے۔ یہ متاع بے بہا اور یہ دولت سرمدی ہی حیات ابدی اور فردوس معنوی ہے۔ یہی عشق کی منزل اور مذہب کا حاصل ہے۔

چناں با ذات حق خلوت نشینی
ترا او بیند او را تو نہ بینی

تلاش حقیقت کے ذریعے

عام انسان تو عالم کثرت اور صورت کو ہی حقیقی سمجھ کر' اسی پر قانع رہتا ہے اور اپنی طبعی' جسمانی ضروریات کی مناسب تسکین ہی اس کا منتہائے مقصود ہوتی ہے۔

Marfat.com

خور و نوش اور تولید و تناسل ہی کا نام اس کے نزدیک زندگی ہے۔ لہٰذا اس کی ساری تگ و دو' انہی امور کے حصول اور وصول تک محدود رہتی ہے۔ یہ زندگی کی حیوانی اور سب سے پست سطح ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کے دلوں میں زندگی کے آغاز و انجام' فنا و بقا' خیر و شر اور جزا و سزا کے متعلق کچھ سوالات پیدا ہوتے ہیں اور وہ عقلی تگ و دو سے ان سوالات کے جوابات مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی کوششوں کے نتائج فلسفہ اور حکمت ظاہری کے رنگ میں نمودار ہوتے ہیں۔ چونکہ ذات حق محبوب ترین ہستی ہے اس لیے اس کی یافت کے لیے عزیز ترین نصب العین اور ذریعہ دریافت کرنا چاہیے لہٰذا اس ذات کے ساتھ تعلقات عبودیت و محبت استوار کرنے ضروری ہیں یہی تعلقات بالاخر تلاش حق کے ذرائع بن جائیں گے۔

دل بینا

ایک خاص اور قلیل طبقہ انسانوں کا ایسا بھی ہوتا ہے جس پر کثرت' صورت اور عالم ظاہر کی تغیر پذیری اور بے ثباتی واضح ہو جاتی ہے اور ان کے دلوں میں فانی کے بجائے باقی' عارضی کے بجائے مستقل اور مجازی کے بجائے حقیقی کی جستجو شدید غلبہ کر جاتی ہے۔ تو وہ ہمہ تن اس جستجوئے حقیقت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس جستجو میں ان پر عقل و خرد پر مبنی دلیل و برہان کی نا تمامی واضح ہو جاتی ہے اور انہیں کہنا پڑتا ہے۔

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

صدیوں ہی فلسفہ کی چناں و چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

پھر وہ ریاضات اور عبادات سے دل کے تصفیہ اور تزکیہ کا اہتمام کر کے دل کو دل بینا بنا لیتے ہیں۔ دیدہ دل کی بیداری سے ان پر انکشاف حقیقت ہو جاتا ہے اور وہ

Marfat.com

علم الیقین سے حق الیقین کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جو تکمیل عرفان و ایمان کا مقام ہوتا ہے۔ وہ اس عالم میں کثرت میں وحدت اور بے ثباتی میں ثبات کو پالیتے ہیں اور

یاایتہا النفس المطمئنہ ○ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ

کے مصداق بن جاتے ہیں اور انہیں شک کے بجائے یقین، اضطراب کے بجائے اطمینان، اسلام رسمی کے بجائے اسلام حقیقی اور ایمان تقلیدی کی بجائے ایمان تحقیقی نصیب ہو جاتا ہے۔ اسی شہود حق کو فقر، احسان یا تصوف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسی کو حیات روحی یا نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔

سچی کامیابی

تکمیل عبادت یہی ہے کہ اس میں حضوری نصیب ہو جائے، حضور اکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ **ان تعبد اللہ کانک تراہ** جب طالب انتہائے طلب میں قرب کے ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ حقیقت مطلوب، محسوس بن جائے اور مطلوب، موجود و معلوم ہو تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور مسافر راہ طلب منزل حقیقت کو پالیتا ہے۔ اور حقیقت کو ایک امر واقعی کی طرح، یقینی طور پر پالینا ہی سچی کامیابی ہے اور یہی فقر اور تصوف کی حقیقت ہے۔

حضرت امام غزالی اور مراتب یقین

حضرت امام غزالی کے نزدیک یقین کے تین مرتبے ہیں۔

- پہلا مرتبہ عوام کے ایمان مجرد کا ہے جو محض خبر پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً" کوئی بھی عام آدمی کسی ثقہ آدمی کی خبر سے کسی واقعہ کو مان لیتا ہے۔ مثلاً" اسے اگر کہا جائے کہ گھر کے اندر کوئی آدمی موجود ہے تو اگر سننے والے کو کہنے والے پر اعتبار ہے تو وہ ذاتی مشاہدہ کے بغیر ہی محض خبر اور اطلاع کی بنا پر ہی گھر میں آدمی کی موجودگی کو مان لے گا۔
- دوسرا درجہ علماء کے ایمان کا ہے۔ یہ لوگ ایمان کے مرتبہ تک دلیل و

Marfat.com

برہان اور استنباط کے ذریعے پہنچتے ہیں۔ یہ گھر کے اندر کسی آدمی کے ہونے کو آثار و قرائن (مثلاً اس کی آواز وغیرہ کے سننے) سے جان اور مان لیتے ہیں۔

○ تیسرا درجہ عرفاء اور صوفیاء کے ایمان کا ہے۔ ان کے یقین و ایمان کی بنیاد بے حجاب ذاتی مشاہدہ حق پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ وہ گھر کے اندر داخل ہو کر' گھر میں موجود شخص کو بالشافہ دیکھ لیتے ہیں اور دیکھنے کی بنا پر مانتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کے احباب اور برگزیدہ ہیں۔ ان کی آنکھوں سے حجابات اٹھ جاتے ہیں' ان پر بصیرت کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس مقام پر بندہ رب کا بے حجاب جلوہ دیکھنے لگتا ہے اور مقام یقین پر پہنچ جاتا ہے جہاں شک اور ریب کا گذر نہیں ہونے پاتا' اور شک کی مجال نہیں کہ پس و پیش سے حملہ آور ہو۔" (احیاء العلوم)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام غزالی کے نزدیک یقینی معرفت نہ عوام کا کام ہے نہ علماء ظاہر (فلاسفہ اور حکما) کا مقام بلکہ یہ صرف صوفیاء کا خصوصی انعام ہے۔ جو ذوق روحی اور مشاہدہ الٰہی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ یہ لوگ بغیر کسی واسطہ کے دیدار حق سے مشرف ہوتے ہیں۔ اس علم کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ الہام ہے یا وجدان' لیکن اس کا نتیجہ سچا عرفان اور حقیقی ایمان ہے۔ علم و یقین کے یہ تینوں درجے قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں' علم الیقین دلیل سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین منطقی برہان کا نام ہے' حق الیقین کشفی و عیانی معرفت سے تعبیر ہے۔

حضرت ذوالنون مصری اور درجات معرفت

اس سلسلہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ کہ معرفت کے تین درجے ہیں۔ پہلی قسم کی معرفت عوام کی ہے کہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے خدا کو مانتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگ عقل کی رہبری میں دلیل سے خدا کو مانتے ہیں اور پہچانتے ہیں اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو دل کی بصیرت سے خدا کو مانتے اور

Marfat.com

پہچانتے ہیں' یہی تیسری قسم سب سے بہتر ہے اور اسی سے یقین و ایقان کا وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو حاصل ایمان ہے۔ خدا کی معرفت' تعلیم و استدلال اور دلیل و برہان سے نہیں بلکہ الہام و وجدان سے حاصل ہوتی ہے اور جو معرفت الہام و وجدان سے حاصل ہوتی ہے وہی لذات معرفت کو صحیح طور پر منکشف کرتی ہے۔

(الحیات الروحیہ فی الاسلام)

حضرت جنید بغدادی اور معرفت

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں "حق تعالیٰ کا علم ثابت ہو جانے سے اپنی جہالت کو پا لینے کا نام معرفت ہے"۔ کسی نے عرض کیا مزید تشریح فرمایئے۔ فرمایا "وہی عارف ہے اور وہی معروف"۔ (تعرف) "ظاہری صورت کے مطابق اشیا کا واضح ہونا علم ہے اور اشیا کے باطن کا منکشف ہو جانا معرفت ہے"۔ "اللہ نے عوام کو صرف علم ظاہر تک محدود رکھا ہے لیکن اپنے اولیاء کو معرفت کے ساتھ مخصوص کیا ہے"

(تعرف)

حضرت غوث علی قلندر اور تصوف

سلوک و تصوف کی تعریف میں صاحب تذکرہ غوثیہ رقمطراز ہیں کہ اصطلاح صوفیاء کرام میں اس کے معنے طلب تقرب حق تعالیٰ ہیں۔ یہ ایک علم شریف ہے اس کا طالب دل ہے نہ کہ زبان' اس صراط پر بیم کا سالک قلب ہے نہ کہ قدم' اس کا نام علم قلب' حکمت فقر اور علم باطن ہے' اسی کے مقامات کا نام شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت ہے۔ اسی علم کے ابواب کا نام طلب' عشق' عرفان' توحید' استغناء' فنا اور بقا ہے۔ اسی علم کے حصول کو ذکر و فکر' صحو و سکر' فرحت اور محویت' شہود اور حیرت کہتے ہیں۔ اسی علم سے اپنی ذات کا عرفان اور ذات حق کا ایقان حاصل ہوتا ہے۔

(تعلیم غوثیہ)

Marfat.com

حضرت امام غزالی اور تصوف

حضرت امام غزالی اپنے رسالہ "المنقذ من الضلال" میں لکھتے ہیں۔ کہ میں علم مشہورہ کی تعلیم و تکمیل سے فارغ ہو کر درس و تدریس میں مشغول رہا اور ساتھ ہی ہر مذہب اور ہر مسلک کی چھان بین کرتا رہا اور آخر کار کتب تصوف کا مطالعہ کر کے اس کے عملی تجربہ کے لیے دس سال تک خلوت میں مجاہدہ اور مراقبہ کرتا رہا' اثنائے خلوت میں مجھ پر ایسے امور کا انکشاف ہوا' جن کو احاطہ بیان میں لانا مشکل ہے۔ چنانچہ مجھ پر واضح ہو گیا کہ صرف صوفیائے کرام اور سالکان راہ خدا کا طریقہ ہی صحیح ہے۔"

مندرجہ بالا بیانات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ صوفیاء کرام کا مقصد وحید عرفان و شہود ذات حق ہے۔ ان کے نزدیک یہی جان ایمان ہے اور یہ ذاتی تجربہ ہی صداقت مذہب کے حصول کا صحیح معیار ہے اور اسی پر یقین کا دار و مدار ہے۔ صوفیاء کرام کی محققانہ شخصیت اس سے کم تر کسی بات پر مطمئن نہیں ہوتی۔ وہ قال پر نہیں' بلکہ حال پر' دلیل و برہان پر نہیں بلکہ شہود و عرفان پر تکیہ کرتے ہیں۔ وہ بصارت پر بصیرت کو اور قیاس پر تجربہ کو قطعی فوقیت دیتے ہیں۔ وہ صفات پر قناعت نہیں کرتے بلکہ جلوہ ذات کے طالب ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت اقبال کے خیالات بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

عرفان' وجدان اور علامہ اقبال

"مذہب صرف اعتقادات اور ان پر مبنی اخلاقی ضابطوں کے مجموعہ سے ہی معنون ہیں' بلکہ ہر اچھے مذہب کا مقصد حقیقی مذہبی اقدار کے منبع کی تلاش ہے۔ مذہب ہم میں ماورائے حواس' حقیقت کی طلب و تلاش کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ قرآن کا مقصد انسان میں اس شعور اعلیٰ کو پیدا کرنا ہے جس سے وہ ذات اور کائنات اور خالق و مخلوق میں صحیح تعلق کا تعین کر سکے اور اس کا آخری انعام یہ ہے کہ روح انسانی' ذاتی طور پر حقیقت الحقائق کا ادراک کر سکے ----- روح مذہب' حقیقت سے ذاتی رابطہ پیدا کرنا

Marfat.com

ہے۔ مذہب MATHEW ARNALD کے خیال کے مطابق صرف جذبات سے ملوث اخلاقیات ہی نہیں' بلکہ اس کا اصلی مقصد ذات حقیقی سے ذاتی اور قریبی رابطہ قائم کرنا ہے ----- اور یہ تمنا اور طلب حمد و ثنا اور عبادت و دعا کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ مذہب بنیادی طور پر حق کے ذاتی عرفان اور وجدان کا نام ہے۔ خدا کی ذات کا ذاتی روحانی شہود و عرفان ہی مذہب کی جان ہے۔" (لکچرز)

مقصد تخلیق معرفت ہے

صوفیاء اور حکماء دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ زندگی کا بنیادی مقصد عرفان ہے دینی نقطہ نظر سے بھی تخلیق کا مقصد عرفان ہی قرار دیا گیا ہے حدیث قدسی اس امر کی شاہد ہے۔

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق"

"میں گنج مخفی (حسن مستور) تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں' پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا"۔ دیکھئے یہاں کس وضاحت اور قطعیت سے زندگی کا اصلی مقصد عرفان ذات قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جن و انس کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت بتایا گیا ہے۔

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون

لیکن عبادت کی باطنی کیفیت کیا ہے اور معبود سے روحانی لگاؤ کیسا ہوتا ہے؟ یہ امور عرفان سے ہی تعلق رکھتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

لیعبدون ای لیعرفون

کیونکہ صحیح عبادت بھی صحیح عرفان کے بغیر ممکن نہیں۔ عبادت ایک رضاکارانہ قلبی لگاؤ ہے۔ ایک مقصد اعلیٰ کے حصول کے لیے داخلی و ارادی تگ و دو ہے۔ عبادت میں دل کا انتہائی لگاؤ اور جھکاؤ ضروری ہے اور یہ دونوں باتیں معبود سے انتہائی محبت کے بغیر ممکن نہیں اور یہ شدید محبت' یہ کامل سپردگی' یہ انتہائی عجز و نیاز' معبود

Marfat.com

کے جمال و کمال کے عرفان کے بغیر ممکن نہیں' پس عبادت کی روح بھی عرفان ہی ہے۔ عبادت اور معرفت میں اتنا گہرا رابطہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں مترادف بن کر رہ گئی ہیں۔

عقل اور وجدان

مقصد حیات کے تعین میں اتفاق کے بعد صوفیاء اور حکماء میں اس بات پر بھی تقریباً" اتفاق ہے کہ معرفت کے حصول اور حقیقت کی یافت میں عقل و خرد اور ان پر مبنی دلیل و برہان ناکام ہوتے ہیں۔ حقیقت کلی کو عقل جزئی پا نہیں سکتی۔ مولانا روم کا یہی یقین تھا۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
گر بہ استدلال کار دیں بدے
فخر رازی راز دار دیں بدے

حضرت اقبال کا بھی عقل کی ناتمامی کے متعلق یہی خیال تھا۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

انجام خرد ہے ناصبوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری

سائنس اور منطق کی انتہائی ترقی کے باوجود اور سائنس کے ذریعے زمان و مکان میں حسب خواہش تصرفات کے باوجود' حکمائے مغرب کی اکثریت بھی حقیقت کائنات کی یافت کے سلسلہ میں عقل کی ناتمامی اور ناکامی کا برملا اعتراف کر رہی ہے اور حقیقت حیات اور اقدار حیات کے عرفان کے لیے عقل کے بجائے وجدان کا دامن تھام رہی ہے۔

Marfat.com

برگسان کی عقل پر تنقید

برگسان عقل اور وجدان کا تقابل کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ حیات نے عقل و شعور کو ماحول سے تطابق کے لیے پیدا کیا ہے عقل کا معروض صرف عمل ہے عقل تو کنیز حیات ہے اور خدمت حیات کے لیے ایک مفید آلے کا کام دیتی ہے۔ ماہیت حیات کے فہم کے لیے مجموعی شخصیت کو کام میں لانا پڑے گا اور عقل تو مجموعی شخصیت کا صرف ایک حصہ ہے فکر و خیال' عملی طور پر مفید ہیں' لیکن صحیح نہیں' وجدان صحیح ہے لیکن عملی کاموں میں مفید نہیں۔ وجدانی تاثرات زبان و بیان اور منطق اور علمی اسلوب میں ڈھالے نہیں جا سکتے۔ اگر قابل اظہار اور قابل بیان ہونے کو ہی معیار قرار دیا جائے تو پھر وجدان زمرہ علم سے خارج ہو گا۔ لیکن معیار علم اظہاریت نہیں بلکہ صداقت اور قطعیت ہے۔ اور یہ نا قابل تردید قطعیت صرف وجدان کو ہی حاصل ہے۔ زندگی کے بنیادی حقائق صرف وجدانی شعور سے ہی جانے جا سکتے ہیں۔ ہم ان کی صداقت کو پہچان لیتے ہیں' لیکن بیان نہیں کر سکتے۔ ہم صرف جسمانی آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ روحانی آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور وہ روحانی مشاہدہ جسمانی مشاہدہ سے کہیں زیادہ واضح اور یقینی ہوتا ہے۔ ہم وجدانی قوت سے ماورائے حواس' عالم کو دیکھ لیتے ہیں۔ حسن و قبح اور کیفیات باطنی کا ادراک' عقل و خرد اور تعلیم و تربیت سے نہیں بلکہ وجدانی صلاحیت سے ہی ممکن ہے۔

ہم خوشی اور غم کے جذبات کے خارجی اثرات کو تو دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن کسی بھی دلیل عقلی سے ان کی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ جذبات کا عقلی تصور اور ہے لیکن جذبات کا قلبی تاثر کچھ اور چیز ہے۔ ہم خوشی اور غم کی کیفیات کو اپنے دل پر طاری کر کے ہی ان کیفیات کا ادراک کر سکتے ہیں محبت کی شدت اور اس کی باطنی کیفیت کو ہم دلیل و برہان سے نہیں بلکہ ذاتی تاثر اور وجدان سے ہی جان سکتے ہیں۔ وجدان میں ہم حقیقت سے ہمکنار ہو کر اس کو کما حقہ پا لیتے ہیں۔ وجدان میں عالم و معلوم اور ناظر و منظور کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔ اور زندگی زندگی میں محو ہو کر زندگی کو پا لیتی ہے۔ وجدانی

Marfat.com

حالت میں معلوم خارج میں نہیں ہوتا بلکہ ایک داخلی تاثر کے رنگ میں اپنا ہی حصہ معلوم ہوتا ہے اور جس طرح ہمارا اپنا شعور ذات کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا اور بغیر دلیل کے انتہائی یقین کی صورت حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح وجدان بھی قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔

وجدانی علم اور فلاسفہ

وجدانی علم' سیدھے سادے روحانی مشاہدہ کا نام ہے' یہ شک سے پاک ہوتا ہے۔ وجدانی علم' استقرائی یا قیاسی نہیں بلکہ الحاقی ہوتا ہے۔ یہاں التباس حواس کی گنجائش نہیں ہوتی یہاں زندگی زندگی کو بلاواسطہ طور پر بالمشافہ دیکھتی ہے۔ منطقی علم تو صرف صورت اور عکوس و ظلال کا علم ہے۔ یہ حقیقت اور ماہیت کا علم نہیں ہوتا۔ وجدان کے مقابلہ میں منطقی اور قیاسی علم' سرا سر جہل کے مترادف ہے۔ وجدان میں عالم کلی شخصیت ہے اور معلوم کلی حقیقت اور منطقی علم میں عالم جزئی' شخصیت ہے اور معلوم صرف صورت۔ اس لیے اس ناتمام منطقی علم کو ہم علم صحیح نہیں کہہ سکتے۔ "ہمیں اپنی انا کا وجدانی علم حاصل ہوتا ہے اس لیے یہ بلا دلیل و برہان ثابت ہوتا ہے۔ وجدانی علم دلیل و برہان سے مانا نہیں جاتا بلکہ یہ خود ہر علم کی دلیل و برہان ہوتا ہے"۔ FISTE (فشٹے) کے نزدیک بھی "اپنی ذات کا علم وجدانی ہے اس لیے قطعی ہے"۔

کانٹ

کانٹ KANT کے نزدیک بھی شعور ذات ہی (وجدانی علم) ہر علم و فکر کی بنیاد ہے۔ انا کا عنصر ہر فکر اور ہر خیال میں پایا جاتا ہے اس لحاظ سے وجدانی علم ہی ہر تفکر اور تعقل کی بنیاد ہے۔

شوپنہار

شوپنہار کے خیال میں ہم سطحیت سے معنویت کی طرف اپنے داخلی تجربہ سے ہی

Marfat.com

پہنچتے ہیں۔ ہر صورت ہمارے داخلی ارادہ کی ہی مظہر ہے۔ چونکہ حقیقت ایک آفاقی ارادہ یا قوت ہے اور یہ ایک داخلی کیفیت ہے لہٰذا اس تک رسائی عقل سے نہیں بلکہ تاثر اور تجربہ ذاتی سے ہی ممکن ہے اور یہی وجدانی علم ہے۔

کانٹ کے خیال میں علم و ادراک' زمان و مکان کے تصور کے بغیر ممکن نہیں۔ اور "حقیقت" چونکہ زماں و مکان سے ماوراء ہے' اس لیے یہ عقلی ادراک کا موضوع نہیں بن سکتی۔ لیکن اقبال اس پر سوال کرتا ہے کہ کیا عقلی تفکر کے علاوہ اور کوئی ایسا ذریعہ علم موجود نہیں؟ جو زمان و مکاں کے تصور کے بغیر حقیقت کلی کا ادراک کر سکے اقبال کا ازعان یہ ہے کہ وجدان وہ حاسہ ہے جو لا زمانی اور لا مکانی حقائق کا ادراک کر سکتا ہے۔ کانٹ اور اقبال دونوں کے نزدیک زمان و مکان' حقیقت خارجی کی صفات نہیں بلکہ ہماری عقل کے تعینات ہیں جو وہ ادراک جزئی کے لیے حقیقت پر عائد کرتی ہے۔ یہاں تک تو اقبال کانٹ سے متفق ہے۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں لا الہ الا اللہ

لیکن یہاں سے آگے اقبال کا راستہ الگ ہو جاتا ہے اور وہ حقیقت کی یافت کے لیے عقل و خرد کو چھوڑ کر وجدان کا دامن تھام لیتا ہے' یوں وہ صوفیاء اور عرفاء کے زمرہ میں چلا آتا ہے۔ یہاں اقبال' رومی' غزالی اور دیگر صوفیاء حقیقت شناسی کے سلسلہ میں عقل کی ناتمامی اور وجدان کی افادیت میں ہم زبان ہیں۔

دل بنیا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اقبال

اقبال وجدانی تجربہ کے لیے اپنی "ذات اور انا" کے وجدانی تجرباتی علم سے شروع ہوتا ہے اور اس کو دلیل بنا کر حقیقت مطلق کی یافت کے لیے وجدان کی افادیت کو ثابت کرتا ہے ہماری اپنی انا کا علم ہمیں بغیر حواس کے یا صوفیاء کی زبان میں حصولی طور

Marfat.com

پر نہیں بلکہ حضوری طور پر حاصل ہوتا ہے۔ جس میں زمان و مکاں اور صورت و شکل کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے باوجود' یہ علم سب سے قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ یقینی علم ہوتا ہی وہ ہے جس میں التباس حواس نہ ہو اور وہ کلی ہو اور وہ ذاتی تجربہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ اور وہ علم صرف وجدانی ہے۔ اس کے بغیر جو بھی علم ہے وہ جزئی ہے' ظنی ہے اس لیے صحیح علم نہیں۔

پس خدا کی ذات کا صحیح علم بھی صرف وجدانی طور پر ہی حاصل ہو سکتا ہے' جو براہ راست' بالمشافہ اور مکمل ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام نے حقیقت شناسی کے لیے ہمیشہ وجدان کو ہی استعمال کیا۔ آج حکمائے مغرب بھی اس حقیقت کے معترف ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ حکماء کو وجدان کا عقلی اعتراف ہے تو صوفیاء کو اس کا تجربہ ہے۔ حکماء ہنوز وجدان کے امکان کے معترف ہو رہے ہیں۔ لیکن صوفیاء اس کی افادیت کو بطور تجربہ کے ثابت کر چکے ہیں۔ عقل و خرد' زندگی اور ماحول میں تطابق پیدا کر کے بقائے حیات کا فریضہ ادا کرتی ہے۔ لیکن وجدان' روح انسانی اور روح مطلق میں توافق پیدا کر کے روحانی ارتقا اور تکمیل کا کام کرتا ہے۔

عقل بتاتی ہے۔

وجدان دکھاتا ہے۔

عقل اشارہ کناں ہوتی ہے

لیکن وجدان منزل پر پہنچاتا ہے عقل جویائے راہ ہوتی ہے لیکن وجدان دانائے راہ ہوتا ہے۔

عقل کی رسائی نقاب تک ہے لیکن وجدان جلوہ بے حجاب کو دیکھ پاتا ہے۔

عقل' سنگ میل تک جاتی ہے تو وجدان' دیار حبیب تک پہنچاتا ہے۔

علم فقیہ و حکیم' فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ' فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر' علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب' علم میں مستی گناہ

Marfat.com

علم کا موجود اور، فقر کا موجود اور
اشہد ان لا الہ اشہد ان لا الہ

(اقبال)

Marfat.com

مراقبہ

ان اللہ کان علیکم رقیبا (پ ۴ ع ۱۲)

ہست حق از ما بما نزدیک تر
ما ز دوری گشتہ جویاں در بدر

سائنس اور عقل کا معروض

اس عالم کون ومکاں اور اس جہان رنگ وبو کے فہم اور ادراک کے لیے ہم حواس اور عقل سے کام لیتے ہیں۔ حواس کے ذریعے ہم خارجی احساسات کو عقل تک پہنچاتے ہیں اور عقل تجزیہ و ترکیب اور ترتیب کے تسلسل سے نتائج اور نتائج کی یکسانیت سے قانون اور اصول وضع کرتی ہے جو آئندہ کی تعمیر اور ترقی کے لیے نہاد اور بنیاد کا کام دیتے ہیں ۔ خارجی احساسات کے اس حکیمانہ تجزیہ کا نام سائنس ہے۔ جس کا بنیادی مقصد' حیات اور کائنات میں ہم آہنگی اور ماحول پر فتح یابی ہے۔

صوفیاء کا نظریہ علم

دنیائے حواس سے ماوراء دنیائے حقائق کا ادراک ممکن ہے یا نہیں ؟ اور اگر ممکن ہے تو اس ادراک کا ذریعہ کیا ہے؟ اور کیا یہ دنیائے غیب ذاتی تجربہ کا موضوع بن سکتی

Marfat.com

ہے؟ صوفیاء کی زبان میں "عالم آشوب حسن مستور" کا دیدار ممکن ہے یا نہیں؟ یہاں صوفیاء کا اپنا ایک مخصوص نظریہ علم ہے ۔ اور اس مضمون میں اسی نظریہ علم سے بحث مقصود ہے۔

افلاطون کا نظریہ یہ ہے کہ غیر موجود کا علم تو ممکن ہی نہیں اور موجود وہمی کا علم صرف رائے یا قیاس کا درجہ رکھتا ہے۔ علم حقیقی صرف موجود حقیقی کے متعلق ہی ممکن ہے۔پس کائنات بے ثبات کے متعلق تمام واقفیت بھی قیاس اور رائے یا ظن و تخمین کا حکم رکھتی ہے۔ صرف ذات حق (موجود حقیقی) کا علم ہی علم صحیح ہے۔ ہم نے یہی معلوم کرنا ہے کہ اس حقیقی علم کے حصول کا ذریعہ فطرت انسانی میں کونسا ہے؟ اور صوفیاء اور عرفا کس ذریعے سے ذات حق کے متعلق علم حقیقی حاصل کرتے ہیں۔

جستجوئے حقیقت

انسان کے دل میں جستجوئے حقیقت کا آغاز ایک احساس ناتمامی یا ایک ناقابل بیان سی روحانی تشنگی سے شروع ہوتا ہے۔ روح انسانی میں منزل سے دوری یا اپنے نادیدہ محبوب سے مہجوری کا مبہم سا لیکن اضطراب انگیز احساس پیدا ہو کر کروٹیں لینے لگتا ہے۔ کچھ یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ میری یہ حیات مستعار ایک خواب ہے یا سراب ہے۔ ایک انجانے سے وطن تک پہنچنے کی شدید خواہش کے زیر اثر حیات ظاہری زنداں میں اسیری معلوم ہونے لگتی ہے۔ روح کا طائر اسیر اس قفس میں بیٹھ کر شجر طوبےٰ پر اپنے ازلی اور ابدی آشیاں کو یاد کرنے لگتا ہے۔ کون و مکاں کے قفس میں اس کا سانس گھٹنے لگتا ہے۔وہ اس قفس کی تیلیاں توڑ کر اور طلسم زمیں و زمان کو چھوڑ کر ابدیت کی حدود نا آشنا وسعتوں میں پرواز کرنا چاہتا ہے۔

ہر کسے کہ دور ماند از اصل خویش
باز جوید روز گار وصل خویش!

ناتمامی، تشنگی، دوری اور مہجوری کا یہ احساس جب شدت اختیار کر لیتا ہے تو پھر روح مضطرب کوئی راہ رستگاری تلاش کرنے لگتی ہے۔ اس وقت دل میں زیادہ جاننے

Marfat.com

اور زیادہ چاہنے کے دو شدید تقاضائے پیدا ہو جاتے ہیں اس وقت اگر تقاضائے علم غالب ہو تو جستجوئے حقیقت فلسفہ اور سائنس کے رنگ میں نمود کرتی ہے۔ اس سے یہ اپنے گردوپیش کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ حقیقت مستور اور حسن منتظر کے متعلق اندازوں اور ظن و تخمین کا تانا بانا تیار کراتی ہے ۔ استدلال کے محدود اور کمزور زینے کے ذریعے یہ ابدیت کے غیر محدود بام رفیع تک پہنچنا چاہتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ سعی لا حاصل اور یہ کوشش غیر مشکور ہو گی کیونکہ

مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں سراغ اس کا
ظن و تخمین سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

اس سعی طلب میں اگر جذبہ عشق غالب ہو تو پھر جستجوئے حقیقت فنون لطیفہ کے روپ میں کار فرما ہوتی ہے اور پھر رازی اور فارابی کی بجائے رومی اور جامی وجود پذیر ہونے لگتے ہیں اور حضرت اقبال کی بیان کردہ کیفیت طاری ہونے لگتی ہے لیکن بہر رنگ طلب حسن جاری ہی رہتی ہے۔

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ وتاب رازی

اس سلسلہ میں مولانا روم ؒ نے "سوداگر کے طوطے" کی تشبیہ کے ذریعے طلب و جستجو کی اس روحانی واردات کو بڑے دلچسپ رنگ میں بیان کیا ہے۔ کیا کیا جائے ۔ روحانی واردات مجازی رنگ اختیار کیے بغیر بیان بھی تو نہیں ہو سکتیں۔ یہاں اشارہ و کنایہ اور تشبیہ و تمثیل سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ بقول غالب

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

صوفیاء نے ہمیشہ سر دلبراں کو حدیث دیگراں کے رنگ میں بیان کرنے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔ورنہ عقل ظاہر بین جب باطنی کیفیات کو سمجھ نہیں پاتی تو کٹ حجتی اور تکرار پر اتر آتی ہے۔ اس ضدی طفل مکتب کو کسی بالغ نظر نابغہ کے افکار عالیہ کون سمجھائے۔ مناسب یہی ہے کہ حکایت و روایت کے پردہ میں ہی اسے حقیقت کے کچھ

Marfat.com

احوال سنائے جائیں تاکہ اس کی ہٹ دھرمی' حکایت و روایت کی دلچسپی میں سمو سکے۔ اور خواہ مخواہ کی چنین و چناں سے بچا جا سکے۔ اس لئے اصول یہ ہوا کہ۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں!!

مولانا رومؒ اور طوطے کی مثال

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ایک سوداگر کے پاس ایک بڑا خوش شکل اور خوش گفتار طوطا تھا۔ اس کی میٹھی باتوں سے جہاں سوداگر محظوظ ہوتا تھا۔ وہاں اس کے گاہک بھی مزا لیتے تھے اور یوں وہ طوطا تفریح اور تجارت دونوں کی ترقی کا وسیلہ تھا۔ ذاتی شوق اور تجارتی منفعت کی خاطر سوداگر طوطے کا خاص خیال رکھتا تھا۔ اس نے طوطے کے لیے بڑا ہی خوبصورت پنجرہ بنوا رکھا تھا اور طوطے کو بھی انواع و اقسام کی اشیاء کھانے کو دیتا تھا۔ لیکن اس تمام خاطر و مدارت کے باوجود طوطا اس اسیری کی محدود زندگی سے غیر مطمئن تھا۔ اسے جنگل کی وسیع اور آزاد فضا اور ہرے بھرے میوہ دار درخت یاد آتے تھے' جہاں وہ بچپن کے کچھ حسین دن گذار چکا تھا۔ قفس کی تنگی' جنگل کی وسعت کا اور اسیری کے مصنوعی کھانے' آزادی کے ثمر شیریں کا بدل نہیں ہو سکتے اور وہ قفس کی تیلیوں کو توڑ کر پھر سے آزادی کی فضائے بسیط میں پرواز کرنا چاہتا تھا لیکن کوئی راہ رستگاری نہ پاتا تھا۔ سوداگر جن کو طوطے کے نغمے سمجھتا تھا وہ دراصل فراق کے نالے تھے اور طوطے کی خوش بیانی اس کی باطنی پریشانی کا حجاب تھی وہ باتوں ہی باتوں میں دل کی وارداتوں کو چھپاتا لیکن اصلی وطن کی یاد میں اسے کسی وقت بھی چین نہ آتا۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
و ز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا بہ بریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

Marfat.com

طالبان حقیقت کا سفر اسی اضطراب پیہم اور اسی کشاکش دما دم کے مقام سے ہی شروع ہوتا ہے۔ یہ اضطراب مسلسل ہی اطمینان دوام کے حصول پر ابھارتا ہے اور یہ باطنی بے چینی ہی تسکین کی وادیوں کی تلاش پر آمادہ کرتی ہے جب لذت کام و دہن سے جی اکتا جائے اور جب جلوہ ہائے یا برکلب کی بے ثباتی واضح ہو جائے تو پھر اس حسن مستور کو تلاش کرنا ہی پڑتا ہے جو قائم اور ثابت ہو' اور جس میں تحدید' تغیر اور فنا کا عیب نہ ہو۔

طوطا تشبیہاً" روح انسانی ہے اور قفس سے مراد یہ دنیائے فانی ہے۔ عقل جزئی اور نفس حیوانی اس دنیائے بے ثبات کے حسن فانی اور لذات آنی کو پیش کر کے روح انسانی کو اس طلسم خیال اور اس سراب جمال میں مبتلا رکھنا چاہتی ہے کیونکہ وہ خود بھی اسیر فریب ہے۔ لیکن روح کو وطن اصلی کی یاد ستاتی ہے اور وہ تحدید سے اطلاق کی طرف اور اسیری سے آزادی کی طرف لوٹنا چاہتی ہے۔ یہ سفر نہ خارجی ہے اور نہ ہی زمانی یا مکانی' بلکہ داخلی ہے اور اپنے ہی شعور کے پست درجہ سے اعلیٰ اور حقیقی سطح تک پرواز سے معنون ہے۔

سیر آفاقی و انفسی

صوفیاء کی اصطلاح میں کون و مکان میں شعوری سفر اور صور و اشکال کی بے ثباتی کا ادراک سیر آفاقی ہے اور اپنی حقیقت کی معرفت یا اپنے شعور باطن سے اپنی حقیقت کی یافت سیر انفسی ہے۔ بقول محبوب ربانی شیخ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ' سیر آفاقی میں حواس کی کار فرمائی ہوتی ہے اس لیے یہ علم حصولی ہے اور یہ تخمینی اور ظنی ہوتا ہے۔ لیکن سیر انفسی میں اپنی ذات کا علم بغیر حواس کے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم حضوری ہوتا ہے جو شک اور ظن سے پاک ہوتا ہے اور حقیقی ہوتا ہے IDEALISTIC PHILOSIPHY کا بنیادی نکتہ بھی یہی ہے اور اسی پر اقبال کے فلسفہ خودی کا دار و مدار ہے اور یہی صوفیا کرام کے نظریہ علم کی نہاد ہے۔ حکیم الامت حضرت اقبال نظریہ خودی کے متعلق استدلال کو یہیں سے شروع کرتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت اقبالؒ کا نظریہ ذات و کائنات

فروغ دانش ما از قیاس است
قیاس ما ز تقدیر حواس است
چوں حس دیگر شد ایں عالم دگر شد
سکون و سیر و کیف و کم دگر شد
تواں گفتن جہان رنگ و بو نیست
زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
خودی از کائنات رنگ و بو نیست
حواس ما جہان ما او نیست
اگر کوئی کہ من وہم و گماں است
نمودش چوں نمود این و آنست
بگو بامن کہ دارائے گماں کیست
یکے در خودنگر آں بے نشاں کیست
جہان پیدا و محتاج دلیلے
نمی آید بفکر جبرئیلے
خودی پنہاں زحجت بے نیاز است
یکے اندیش و در یاب ایں چہ راز است
خودی را حق بداں باطل مپندار
خودی را کشت بے حاصل مپندار

موتو اقبل ان نموتوا

بہرحال سوداگر نے تجارت کے لیے رخت سفر باندھا اور سب اعزہ و اقربا سے ان کی پسند کے تحفے لانے کا وعدہ کیا طوطے کو بھی اپنے سفر کے عزم سے آگاہ کیا اور پوچھا

Marfat.com

کہ کون سا تحفہ پسند کرے گا؟ طوطے نے کہا کہ دوران سفر میں اگر کسی وادی میں کسی شجر پر میرے ہم جنس طوطے نظر آئیں تو انہیں کہنا کہ تمہارا ایک بھائی اسیر قفس ہے اور وہ تمہیں سلام کہتا ہے اور التجا کرتا ہے کہ جب آزادی کی فضاؤں میں پرواز کرو یا کسی شجر پر ثمر پر بیٹھ کر تفریح کرو تو کبھی کبھار اپنے اسیر قفس بھائی کو بھی یاد کر لیا کرو۔

چوں با حبیب نشینی و بادہ پیمائی

بہ یاد آر حریفاں بادہ پیما را

چنانچہ دوران سفر میں سوداگر کو ایک درخت پر طوطے کی نوع کے طوطے نظر پڑے تو اس نے اپنے طوطے کا پیغام اور سلام پہنچایا جس کو سن کر کئی ایک طوطے تڑپ کر زمین پر آگرے۔ سوداگر کو طوطوں کے مرنے کا صدمہ ہوا اور وہ وہاں سے چل دیا۔ واپسی پر اس نے سب اقرباء کو تحائف تقسیم کیے اور بڑے افسوس کے ساتھ طوطے کو اس کا پیغام سنا کر دوسرے طوطوں کے مرنے کی افسوسناک خبر سنائی۔ جسے سن کر اس کا طوطا بھی تڑپ کر گر گیا۔ سوداگر کو اس کے مرنے کا شدید صدمہ ہوا لیکن ناچار قفس کا دروازہ کھول کر اس کی لاش کو باہر پھینک دیا لیکن طوطا زمین پر گرتے ہی اڑ کر قریبی درخت پر جا بیٹھا اور سوداگر سے کہا کہ میں نے طوطوں کو یہی پیغام بھیجا تھا کہ مجھے قفس سے رستگاری کا کوئی طریقہ بتاؤ۔ طوطوں نے مرنے کا ڈرامہ رچا کر مجھے **موتو اقبل ان تموتوا** کا پیغام دیا ہے کہ تم بھی عقل جزئی کو فنا کر دو۔ التباس حواس کے طلسم کو توڑ دو۔ فانی سے منہ موڑ لو اور پھر باقی سے رشتہ جوڑ لو اور اس طرح شعور ظنی اور قیاسی کو معطل کر کے شعور حقیقی اور قلبی کو بیدار کر لو۔ تاکہ تم تعلقات سرد و سمن اور خیالات ما و من کی آلودگی سے رہائی پا کر منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

یارب مددے کہ نفس را پست کنم

از بادہ عشق عقل را مست کنم

شعور و لاشعور

شعور باطن کو بیدار کرنے کے لیے شعور ظاہر کا تعطل ضروری ہے۔ ماہرین

Marfat.com

نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک شعور کو ایک حد تک معطل نہ کیا جائے تحت الشعور تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ شعور، تحت الشعور کا ایک بہت مختصر سا حصہ ہوتا ہے جو زندگی کو ماحول سے باخبر رکھنے کے کام آتا ہے لیکن تحت الشعور تو نوعی اور ذاتی یادوں کا خزینہ ہوتا ہے۔ مہد سے لحد تک کے تمام تجربات کا دفینہ ہوتا ہے۔ اس کی گہرائیاں اتھاہ اور اس کی یادداشتیں بے پناہ ہوتی ہیں اور انسانی کردار اور طرز عمل کا تعین بیشتر تحت الشعور کے اختیار میں ہی ہوتا ہے۔ عقل تو محض لاشعوری احکام کے عقلی جواز کا اہتمام ہی کرتی رہتی ہے۔ کار فرمائی دانائی سے نہیں بلکہ لاشعور کی رہنمائی سے ہوتی ہے۔

عام حالات میں تو عقل انسانی کا بہت تھوڑا سا حصہ کار فرما ہوتا ہے لیکن جذباتی ہیجان، مقصدی یکسوئی یا دلی لگاؤ کی صورت میں، شعوری اور لاشعوری قوتیں مل جاتی ہیں۔ انسانی فطرت کی سوئی ہوئی تمام تر صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور انسان کی علمی اور عملی توانائیاں کئی گناہ بڑھ جاتی ہیں۔ جب جذباتی قوت شامل حال ہو تو انسان وہ کچھ کر گذرتا ہے جس کا وقوع عام حالات میں اس انسان کی صلاحیت کے پیش نظر، بعید از امکان معلوم ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ہسپتال پر بمباری کی صورت میں جذبہ خوف کے زیر اثر بعض وہ مریض بھی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جو عام حالات میں بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتے اپنے بیمار بچے کی محبت کے زیر اثر ماں مسلسل کئی راتیں کھائے پیے بغیر جاگ کر گذار دیتی ہے جو غیر جذباتی حالت میں ممکن نہیں۔ وطن یا کسی اور مقصدی محبت کے زیر اثر ایک سپاہی سینکڑوں سے لڑ جاتا ہے اور اس جذباتی محویت کی حالت میں نہ تو زخموں کی درد کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی تکان کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایسی ہزار ہا مثالیں روزمرہ کی زندگی میں آپ کے سامنے آتی رہتی ہیں۔

عقل عیار اور عشق کامگار

سالکان طریقت جب حسن مستور کی تلاش میں زمان و مکان کی حدوں کو پھاند کر بے کم و کیف فضاؤں میں سفر شروع کرتے ہیں تو عقل عیار اپنی نارسائی کے دیانتدارانہ

Marfat.com

اعتراف کے بجائے' دوری منزل' خطرات سفر اور مشکلات راہ کے بہانے تراشتی اور فرار کی راہیں نکالتی ہے جو کم ہمت اور کوتاہ نظر مسافر ہوتے ہیں وہ عقل حیلہ جو کے فریب میں آ جاتے ہیں۔ وہ قدم اول ہی پر ٹھٹک کے رہ جاتے ہیں اور بسا اوقات سنگ میل ہی کو منزل مقصود قرار دے کر وہیں بستر جما لیتے ہیں۔ یہ کم ہمت لوگ' بعد میں آنے والے طالبان معرفت اور راہ روان منزل شوق کی راہ میں سنگ گراں بن جاتے ہیں اور اپنی دوں ہمتی کو عقل کے پردں میں چھپا کر کٹ حجتی سے دوسروں کی منزل بھی کھوٹی کرتے ہیں۔ یہی وہ نام نہاد عارف ہوتے ہیں اور یہی وہ کم ہمت سالک ہوتے ہیں جو حجاب منزل اور رہزن راہ سلوک بن کر' دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں اور خود بھی قعرمذلت میں جا گرتے ہیں۔

عقل ڈرتی ہے ہمیشہ گردش ایام سے
عشق کی منزل پرے ہے چرخ نیلی فام سے

دوسری طرف وہ مسافر ہوتے ہیں جو شوق کی ہم نوائی میں اور عشق کی رہنمائی میں ہرچہ بادا باد کا نعرہ مستانہ لگا کر دریائے طلب میں کود پڑتے ہیں مستی شوق اور محویت عشق میں نہ وہ موجوں سے ڈرتے ہیں اور نہ نہنگوں سے گھبراتے ہیں۔ ان کی تمام تر توجہ ساحل مراد پر ہوتی ہے جو ہر آن اور ہر لحہ آغوش محبت وا کئے ہوئے ان کا منتظر ہوتا ہے۔ وہ دائیں بائیں دیکھے بغیر محبت مقصد کے نشہ میں سرشار' جذب منزل کے زیر اثر گردوپیش سے بے نیاز مستانہ وار بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یہ ان کی عقل اور فکری قوتوں کا کمال نہیں بلکہ ان کے جذب و شوق کا اعجاز ہوتا ہے کہ وہ کشتی کو توڑ کر اور لنگر کو چھوڑ کر عشق کو ناخدا اور شوق کو رہنما بنا کر ساحل مراد کو پا لیتے ہیں اور قعر دریا میں غوطہ لگا کر گوہر مقصود کو حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں عقل کھو جاتی ہے لیکن عشق پا لیتا ہے' خرد ڈوب جاتی ہے لیکن عشق ساحل مراد تک پہنچ جاتا ہے۔ عقل عیار گرداب میں پھنس کر غرق ہو جاتی ہے لیکن عشق کامگار خراماں خراماں آستان یار تک جا پہنچتا ہے۔ عقل کی انتہائی کامیابی یہی ہوتی ہے کہ وہ کاروان حسن کی صدائے جرس کبھی کبھار سن پاتی ہے۔ لیکن شوق کا دست رسا تو محمل لیلیٰ تک جا پہنچتا ہے۔

Marfat.com

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

مدارج سلوک مجددیہ

سلوک مجددیہ کی زبان میں وہ لوگ بھی کم یاب ہی ہوتے ہیں جو ولایت صغریٰ کے ابتدائی مراحل (یعنی ظلال اسما و صفات) کی سیر کر پاتے ہیں۔ لیکن ان مردان احرار اور صاحبان اسرار کا کیا کہنا جو ظلال سے اسماء و صفات تک جا پہنچتے ہیں اور ولایت صغریٰ کو پیچھے چھوڑ کر ولایت کبریٰ کو طے کرتے ہوئے سیر مع اللہ اور سیر فی اللہ کی ماورائے فکر' منزل تک پہنچ کر سیر ولایت علیا کو طے کر پاتے ہیں اور پھر سیر من اللہ با اللہ کا اعزاز پا کر دعوت و ارشاد کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں اور اسم سے مسمی تک اور صفات سے ذات تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں یہی لوگ قافلہ طریقت کے سالار اور سر حقیقت کے پاسدار ہوتے ہیں اور یہی لوگ سفینہ طلب کے ناخدا اور راہروان عشق و مستی کے رہنما ہوتے ہیں۔ انہی شہسواران عرصہ تجرید اور شہبازان اوج تفرید کو راہ جذب و سلوک کا وکیل اور منزل مقصود کی دلیل کہا جاتا ہے۔

تشریحات محبت

صوفیاء اور عرفاء تکمیل شخصیت اور منزل شکار ہمت کے حصول کے سلسلے میں محبت کی اہمیت کو خوب سمجھتے ہیں اور اس راہ طویل کو طے کرنے اور منزل بعید تک پہنچنے کے لیے عشق کو ہی متاع سفر اور عشق کو ہی وسیلہ ظفر جانتے ہیں۔ عشق کو ہی امام بناتے ہیں۔ اور شوق کی لگام اسی کو تھماتے ہیں۔

قرآن اور محبت

قرآن حکیم نے شدت محبت کو ہی ایمان کی پہچان قرار دیا ہے۔

Marfat.com

والذین امنوا اشد حبا للہ (سورۃ البقرہ' آیت ۱۶۵)

رسالت اور محبت

رسالت کی زبان فیض ترجمان نے بھی محبت کو ہی ایمان قرار دیا۔

لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین

(مسلم شریف)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محبت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسانوں کے تین گروھوں پر گذرے۔ جن کے جسم لاغر اور رنگ زرد تھے۔ پہلے گروہ سے پوچھا کہ تمہارا یہ حال کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ دوزخ کے خوف سے' آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوف والوں کو ضرور آتش دوزخ سے مامون رکھے گا۔

دوسرے گروہ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ جنت کے شوق میں ہمارا یہ حال ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ضرور شوق والوں کو ان کی مطلوب شے عنایت کرے گا۔

تیسرے گروہ نے عرض کی کہ خدا کی محبت میں ہمارا یہ حال ہے فرمایا کہ مقرب تمہیں ہو اور مجھے تمہارے ساتھ رہنے کا حکم ہے۔ (احیاء العلوم)

حضرت علی اور محبت

حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ و جہہ نے فرمایا

ادبوا اولاد کم علی ثلثۃ خصال حب نبیکم وحب اھل بیتہ وقراۃ القران

اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ۔ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت' اور اہل بیت کی محبت اور قرآن کی تلاوت (فیض القدیر للمناوی")

Marfat.com

رابعہ بصریہ اور محبت

حضرت رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہا نے بھی محبت کو ہی طلب کیا اور محبت پر ہی حصر کیا۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصریہ سے دریافت کیا۔ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت رابعہ نے جواب دیا۔ میں خدا کی عبادت' جہنم کے ڈر یا جنت کے لالچ میں نہیں کرتی۔ میری عبادت کی حقیقت تو یہ ہے کہ میں اپنے معبود کو محبوب سمجھتی ہوں اور اسی کے شوق میں جیتی ہوں۔ حضرت رابعہ کی ایک مناجات ان کی کیفیت محبت کو اور زیادہ واضح کرتی ہے۔

مناجات رابعہ

اے میرے معبود! اگر میں تیری عبادت جہنم کے ڈر سے کرتی ہوں تو مجھے جہنم میں ڈال دے اگر میں تیری عبادت جنت کے لالچ میں کرتی ہوں تو پھر مجھے ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم کر دے اور اگر میں تجھ سے صرف تیری ذات کے لیے محبت کرتی ہوں تو پھر مجھے اپنا جمال ازلی دکھا دے (احیا العلوم)

امام ابو القشیری اور محبت

حضرت امام ابو القشیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا

المحبتہ محو المحب صفاتہ (کشف المحجوب)

یعنی محبت یہ ہے کہ محب اپنی صفتوں کو طلب محبوب میں محو کر دے۔

حسین بن منصور اور محبت

حسین بن منصور حلاج رحمتہ اللہ علیہ کو جب سولی پر چڑھایا گیا تو ان کی زبان سے آخری جملہ یہ نکلا تھا۔

Marfat.com

حب الواحد افراد الواحد (کشف المحجوب)

یعنی ایک کی محبت ایک کو یگانہ ماننا ہے۔

یحی بن معاذ اور محبت

حضرت یحیٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

حقیقتہ المحبتہ مالا ینقص بالجفا ولا یزید بالعطا (کشف المحجوب)

یعنی محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی جفا سے کم نہیں ہوتی اور اس کی بخشش و عطا سے زیادہ نہیں ہوتی۔

حضرت سید علی ہجویری اور محبت

حضرت سید علی بن عثمان جلابی ثم الہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محبت ماخوذ حبہ سے ہے (بکسر حاء) اور وہ ان بیجوں کو کہتے ہیں جو صحرا میں زمین پر گر جاتے ہیں تو حب کو حب اس لیے کہتے ہیں کہ اہل محبت انہیں میں سے ہیں جیسے نبات صحرا انہیں دانوں میں سے ہوتی ہے جس طرح تخم صحرا میں بکھیرا جاتا ہے اور خاک میں پنہاں ہو جاتا ہے پھر بارشیں اس سے کونپلیں نکالتی ہیں اور آفتاب اسے گرم کر کے سرما و گرما کے موسم میں سرسبز رکھتا ہے اور اس پر موسمی تغیرات اثر انداز نہیں ہوتے ——— ایسے ہی محبت' دل میں مسکن پکڑتی ہے اور حضور و غیبت بلا و محنت' راحت و لذت' فراق و وصال سے متغیر نہیں ہوتی۔ بقول شاعرے

جس دل میں محبت کے ارماں مچلتے ہیں
سو بار خزاں آئے بنتا نہیں ویرانہ

امام غزالی اور محبت

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

جاننا چاہیے کہ محبت الٰہی سب مقامات میں سے انتہا درجہ کی غایت اور سب میں بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ اس لیے کہ بعد ادراک محبت کے کوئی سا مقام کیوں نہ ہو خواہ شوق یا انس یا رضا وغیرہ سب اس کے توابع اور ثمرات ہیں اور محبت سے پہلے جتنے مقامات مثل توبہ' صبر اور زہد وغیرہ کے ہیں وہ سب محبت کے مقدمات ہیں (احیاء العلوم)

پیر رومی اور محبت

پیر رومی نے عشق کو ہی اپنا ملجا اور ماوی قرار دیا ہے۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے علاج نخوت و ناموس ما
اے کہ افلاطون و جالینوس ما

حضرت عطار اور محبت

حضرت عطار نے بھی درد عشق کو ہی بیماری دل کی دوا قرار دیا ہے۔

کفر کافر را و دین دیندار را
ذرہ درد دل عطار را

حضرت امام ربانی اور محبت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محباں بذوق شہود متلذذ اند' التذاذ' در بندگی و انس باں مخصوص بہ محبوباں است انس محباں بمشاہدہ محبوب است و انس محبوباں بہ بندگی محبوب (مکتوب نمبر۹ دفتر اول)

ترجمہ : محبت کرنے والے ذوق شہود کے ساتھ لذت حاصل کرتے ہیں' بندگی میں

Marfat.com

لذت حاصل کرنا اور اس کے ساتھ انس اختیار کرنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ محبوں کا انس محبوب کے مشاہدہ میں ہے۔ اور محبوبوں کا انس محبوب کی بندگی میں ہے۔

علامہ اقبال اور محبت

علامہ اقبال نے بھی یہی تمنا کی ہے۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

نفسیات اور محبت

نفسیات (psychology) کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب ادراک میں احساس شامل ہو جائے اور جب تفکر کسی جذبہ سے ملوث ہو جائے یا تصوف کی زبان میں جب عقل، عشق سے مستفیض ہو جائے تو علم و عمل کی قوتیں بے پناہ ہو جاتی ہیں ۔ اس جذباتی حالت میں یا غلبہ عشق و محبت کی کیفیت میں انسان ایک اور سطح شعور پر پہنچ جاتا ہے جہاں کے احساسات اور کیفیات عام سطح شعور کے فہم سے ماورا ہوتے ہیں ۔ عام سطح شعور سے عشق کی یہ سطح مرتفع اتنی بلند ہوتی ہے کہ عقل سطحی کے لیے اس کا اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ جب عشق' عقل کا امام بن جائے اور جب جنون' شعور کی لگام تھام لے تو پھر زمان و مکان کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور تعینات کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور اگر یہ حالت دیر پا ہو جائے۔ تو سالک راہ سلوک' منزل مقصود پر پہنچ کر شاہد حقیقی کو پا ہی لیتا ہے۔ اسی عقل کلی اور اسی شعور باطنی اور اسی شوق تمام کی کار فرمائی کو دیکھ کر حضرت اقبال کو کہنا پڑا۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

صوفیا "عقل است غلام من عشق است امام من" کے اصول پر عمل پیرا ہوتے

Marfat.com

ہوئے بتدریج ادنیٰ سطح شعور سے اعلیٰ سطح شعور کی طرف ترقی کرتے رہتے ہیں حتی کہ وہ اس شعور حق سے مستفیض ہو جاتے ہیں جو ورائے زمان ومکاں ہے جہاں وقت اور فاصلہ کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے اور جہاں ماضی ‘حال اور استقبال کے ڈانڈے مل جاتے ہیں

افلاطون اسی شعور کو دانائے حقیقت مستور کہتا ہے اور اپنی مشہور کتاب Republic میں اسی شعور اعلی کی بیداری کو تعلیم و تربیت کا منتہا قرار دیتا ہے۔ فلاطینوس اس عقل کو ماورائے عقل عام قرار دیتا ہے اور ماورائے حواس حقائق کے ادراک کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔ (MYSTICISM P.50)عارف رومی عام عقل کو عقل معاش اور اس عقل کو عقل معاد سے موسوم کرتے ہیں یا پہلی کو عقل جزئی اور دوسرے کو عقلی کلی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اور اقبال پہلی کو صاحب خبر اور دوسری کو صاحب نظر قرار دیتا ہے

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

بہرحال اس پر سبھی متفق ہیں کہ عام سطح شعور سے ایک بلند تر سطح شعور ہوتی ہے جو ماورائے حواس حقائق کا ادراک کر سکتی ہے۔ عام عقل کے لیے جو حقیقت مستور ہوتی ہےوہ اس کے لیے مشہود ہوتی ہے عقل جزبیں اس عقل کل بیں کے مشاہدات سے قطعاً" محروم رہتی ہے جب عقل جزئی یا شعور سطحی کی کارفرمائی ہوتی ہے تو ادراک کا دائرہ بہت محدود ہوتاہے اور نتیجہ یوں نکلتا ہے۔

اپنی جولانگاہ زیرآسماں سمجھا تھا میں
آب وگل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

لیکن جب جوش‘ ہوش میں شامل ہو جائے اور جب عشق‘ عقل کی لگام تھام لے تو پھر صورت کچھ یوں ہوتی ہے۔

عشق کی اک جست نے طے کردیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

محویت مقصد اور اس کی قوت

Marfat.com

جذبہ اور شوق کی فراوانی سے محویت مقصد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ فکر و عمل کا انتشار ختم ہو جاتا ہے شعور و لاشعور میں تطابق پیدا ہو جاتا ہے یک بینی اور یک طلبی کی یہ کیفیت دل کی بیداری پر منتج ہوتی ہے۔ ظاہر بین' طالبان راہ شوق کی اس مقصدی محویت پر آوازے کستے ہیں اس جنوں کو سے معنون کرتے ہیں ۔ محویت مقصد کی اس حالت کو جو تکمیل شخصیت اور حصول معرفت کا زینہ ہے فراریت اور رہبانیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور صوفیا کی عزلت گزینی اور خلوت نشینی پر ترک عمل کی تہمت لگاتے ہیں لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ مقصدی محویت پر فنی تکمیل کا پیش خیمہ ہوتی ہے فکر سخن میں شاعر کی محویت کے دوران ہی صدائے خامہ نوائے سروش بنتی ہے۔ نیوٹن کے متعلق مشہور ہے کہ تحقیقی استغراق میں وہ کھانا پینا بھول جاتا تھا اور اسے یہ بھی نہ پتہ چلتا تھا کہ اس نے کھانا کھایا ہے یا نہیں۔

خوردو نوش کو ایک حد تک چھوڑ کر اور کثرت کے ہنگاموں سے منہ موڑ کر خلوت میں تصور جاناں کو شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف کہا جاتا ہے۔ اور یہ امام انبیاء علیہ التحیتہ والثناء کی سنت ہے غار حرا کی خلوت کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے آسمانی پیغام کے حصول سے قبل اور حسن مستور سے بذریعہ وحی رابطہ شہود پیدا ہونے سے پہلے حضرت کلیم اور حضرت مسیح علیہما السلام کا سینا اور سعیر کی خلوتوں میں چالیس چالیس دن چلہ کش ہونا محویت کی اہمیت اور خلوت کی برکت کی دلیل ہے ۔

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید
مدتے جز خویشتن کس را ندید
از کم آمیزی تخیل زندہ تر
زندہ و جویندہ و یابندہ تر

○

خودی را مردم آمیزی دلیل نا رسائی ہا
تو اے درد آشنا بیگانہ شو از آشنائی ہا

○

Marfat.com

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردک میدانی
کہسار کی خلوت ہے تعلیم خود آگاہی

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ انسان میں شعور سطحی یا عقل معاش کے علاوہ ایک بلند تر سطح شعور یا عقل معاد بھی موجود ہے جو ماورائے حواس حقائق کا ادراک کر سکتی ہے

جب عقل مقصدی محبت سے ملوث ہو جائے یا عشق امام بن کر عقل کی لگام تھام لے تو شعور باطن بیدار ہو جاتا ہے اور دل' دل بینا بن جاتا ہے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اس مقام تک پہنچنے کے لیے مقصدی محویت اور فرصت خلوت ضروری ہے۔ تاکہ تکمیل شوق ہو سکے اور کثرت کے ہنگامے' جستجوئے وحدت میں مخل نہ ہو سکیں سالکان طریقت اور طالبان معرفت انہیں اصولوں پر عمل پیرا ہو کر دیدہ دل کو بیدار کر کے شنید سے دید' خبر سے نظر اور گوش سے آغوش کے مقام تک جا پہنچتے ہیں۔

بہ آں گروہ کہ از بادہ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

جذب دل جذب منزل کا زینہ ہے

کسی بھی کام میں کمال حاصل کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان کی پوری توجہ تابہ انہماک اس کام کی طرف منعطف ہو جائے۔ شروع شروع میں تو توجہ کا یہ انہماک شعوری اور ارادی طور پر ہوتا ہے لیکن کچھ عرصہ کی مشق کے بعد جب اس راستہ میں کچھ ترقی حاصل ہو جاتی ہے اور ابتدائی کامیابی کے احساس کی لذت حاصل ہونے لگتی ہے تو پھر بغیر کسی نمایاں کوشش کے طبیعت خود بخود اس کام کی طرف مائل ہو جاتی ہے طویل مشق اور نمایاں کامیابی سے طبیعت میں ایک خاص امنگ' عزم و استقلال کے رنگ میں نمودار ہوتی ہے اور پھر شعوری کوشش لاشعوری کوشش کا اور اختیاری

Marfat.com

کوشش اضطراری کوشش کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ جس سے اس کام میں انہماک' محویت اور استغراق کا رنگ اختیار کر لیتا ہے کچھ یوں سمجھئے کہ آغاز سفر میں مسافر کو عزم وارادہ سے منزل کی طرف گامزن ہونا پڑتا ہے لیکن جب قرب منزل اور حسن منزل کا احساس ہونے لگتا ہے تو پھر جذب منزل' مسافر خستہ پا کو خود بخود جذب کرتا ہے جس سے رفتار سفر پرواز کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اوز سو سال کی منزلیں ایک آہ میں طے ہو جاتی ہیں۔

منزل عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود منزل صد سالہ بہ آہے گاہے

اور جب جذب دل جذب منزل کا زینہ بن جائے تو حالت یہ ہو جاتی ہے

اے جزبہ دل گر تو چاہے ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کی طرف دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

جذب منزل کے ساتھ اگر کسی دانائے راہ کی معیت بھی نصیب ہو جائے تو پھر تو سونے پر سہاگے' والا معاملہ بن جاتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ منزل خود استقبال کو آگئی ہے

مانا کہ محبت کی رہ میں ہر گام پہ سو سو خطرے ہیں
لیکن یہ سفر آسان بھی ہے گر ساتھ تمہارا ہو جائے

معیت صادقین

جب محسوس اور معین منزل کی طرف سفر میں کسی دانائے راہ کی معیت سفر کو آسان بنا دیتی ہے تو طریقت کے روحانی سفر میں جہاں منزل ماورائے زمان و مکاں ہے اور محسوس و معین سنگ میل اور نشان پا بھی موجود نہیں کسی سالک راہ اور واقف منزل کی معیت کے بغیر تو چارہ ہی نہیں آیت قرآنی **وکونوا مع الصادقین** میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ہماری بستی کے قریب ہی ایک قصبہ میں ایک بہت بڑا میلہ سال بسال لگا کرتا

Marfat.com

تھا۔ بچپن میں اس میلہ میں شمولیت پر مصر ہوتا تھا اور میری والدہ محترمہ مجھے اکیلے اس ہنگامہ خیز ماحول میں جانے کی اجازت نہ دیا کرتی تھیں آخر معاملہ اسی طرح طے ہوتا تھا کہ مجھے کسی معتبر آدمی کے ساتھ جانے کی اجازت اس شرط پر ملتی تھی کہ میں بہرحال اس کے ساتھ رہوں اور ہرگز اس سے جدا ہونے کی غلطی نہ کروں ورنہ بچپن کی ناوانی کی وجہ سے میلہ کی دلچسپیوں میں میرے کھو جانے کا خدشہ ہوتا تھا لیکن تجربہ کار اور ذمہ دار ساتھی کی معیت اس بات کی ضمانت تھی کہ میں میلہ کی رونقیں بھی دیکھ سکوں اور شام سے قبل بحفاظت اپنے گھر میں بھی پہنچ جاؤں' اس عالم کثرت کی گوناگوں دلچسپیاں بھی ایسی دلکش ہیں کہ اکثر و بیشتر افراد' ناوان بچوں کی طرح میلہ کی دلچسپیوں میں کھو کر' گھر کو بھول جاتے ہیں۔ پس اس عالم کثرت و تغیر میں بھی بقا اور ثبات کا سب سے آسان اور سب سے آزمودہ طریقہ حکماء باطن اور عرفاء منزل کی معیت اور رفاقت ہی ہے۔

کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی طلب کے ساتھ ہی منعم علیہ گروہ کی معیت بھی طلب کرنے کا حکم ہے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں کہ

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

کا یہی مفہوم ہے اور یہی وہ دانائے راہ اور کامیاب منزل لوگ ہیں جن کی رفاقت میں نجات ہے اور جن کی معیت سراپا سعادت ہے۔

آیت مبارکہ **اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا** میں بھی یہی راز بیان کیا گیا ہے۔

خوئے تسلیم و رضا

سر حقیقت اور راز معرفت کے علم کے حصول کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی داستان' نصاب طریقت کا حکم رکھتی ہے رفاقت و معیت کی بیل منڈھے چڑھنے کی شرط یہ ہے کہ طالب' مطلوب کی اور مرید' پیر کامل اور پر

Marfat.com

یقین اطاعت کرے کیونکہ شک اور انکار ہی اس راہ کے سب سے بڑے روڑے ہیں اور تعلیم و تربیت کی کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں در اصل خوئے تسلیم و رضا ہی منزل تک رسائی کو نہ صرف آسان بلکہ یقینی بنا دیتی ہے وادی منیٰ سے لے کر وادی کربلا تک امت مسلمہ کو خوگر تسلیم و رضا بننے کا ہی سبق دیا گیا ہے شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کی دنیا بھی اسی اصول کی پابند ہے طبیب کی تجویز پر بار بار تنقید کرنے والا مریض طبیب سے مستفید نہیں ہو سکتا اور کسی دانائے راہ کے اقدامات پر خواہ مخواہ اعتراض کرنے والا مسافر بھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے۔

چوں گزیدی پیرہیں تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
پیر را بگذیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر

حضرت اقبال نے رفاقت و معیت کی اہمیت کو یوں بیان فرمایا۔

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے!!

اور کبھی اس حقیقت کو ان لفظوں میں عیاں فرمایا۔

صحبت روشن دلاں یک دم دو دم
آں دو دم سرمایہ بود و عدم
عقل را صاحب نظر کرد و گذشت
عشق را شوریدہ تر کرد و گذشت

ظاہر سے باطن تک

بات طلب معرفت اور تلاش حقیقت میں کامل یکسوئی اور محویت کی تھی۔ ہم

Marfat.com

نے یہ معلوم کرنا ہے کہ عرفا اور صوفیا مجاز سے حقیقت اور کثرت سے وحدت یا ظاہر سے باطن تک جانے کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کرتے ہیں اور کثرت کے بحر زخار سے وحدت کے ساحل استوار تک پہنچنے کے لیے کیسے وسیلے اور کیسے سفینے سے کام لیتے ہیں عقل جزئی نہاں خانہ دماغ میں بیٹھ کر حواس ظاہری کے ذریعے عالم کثرت اور دنیائے خارج سے رابطہ قائم رکھتی ہے اور ہر آن حواس ظاہر کے اثرات کو شعور انسانی تک پہنچاتی ہے اور وہ ماحول سے تطابق کی صورت پیدا کر کے حفاظت حیات کا ظاہری فریضہ ادا کرتی ہے۔

یہ عقل جزی کنیز حیات تو ہے لیکن دانائے ذات نہیں'
یہ اسیر کثرت تو ہے عارف وحدت نہیں'
یہ چراغ راہ تو ہے لیکن شمع بارگاہ نہیں'
یہ آستاں سے دور تو نہیں لیکن اس کی قسمت میں حضور نہیں۔
آنکھ کا نور مفید تو ہے لیکن یہ دل کا نور نہیں۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

○

خرد سے راہ رو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ رہ گذر ہے
درون خانہ ہنگامہ ہیں کیا کیا
چراغ رہگزر کو کیا خبر ہے

○

خرد آگاہ نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

Marfat.com

خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے

ذکر اور مراقبہ

ذکر اور مراقبہ کے ذریعے صوفیاء کرام ظاہر سے باطن اور کثرت سے وحدت تک پہنچتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عارف رومی کا ارشاد ایک قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند
گر نہ بینی سر حق بر من بخند

حواس ظاہری کا عارضی تعطل' حواس باطنی کی بیداری کے لیے ضروری ہے۔ ماہرین نفسیات اس پر متفق ہیں کہ تحت الشعور تک رسائی کے لیے' شعور کا عارضی تعطل ضروری ہے۔ جب بھی جذباتی زور کے زیر اثر یا کسی اور وجہ سے توجہ ایک ہی نکتہ پر مرکوز ہو جائے اور وہ مرکزیت' محویت کی حد تک جا پہنچے تو اس حالت میں لاشعور سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ جس سے فن کار پر فنی شاہکار' شاعر پر شعری الہام اور موجد پر ایجادی انکشاف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ روح عقل جزئی سے کبھی صوت اور کبھی صورت کے رنگ میں رابطہ قائم کر لیتی ہے اور کبھی معانی الفاظ کے جامہ میں ظہور پذیر ہونے لگتے ہیں کہ اطلاق' تعین کے ذریعے اور بے کیف کیفیت کے ذریعے ہی ظہور پذیر ہو گا لیکن اس فہم ظہور اور رابطہ حسن مستور کے لیے عارف کو استغراق اور مراقبہ سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ مراقبہ سے ہی ظاہر اور باطن اور دل و دماغ میں رابطہ قائم ہوتا ہے اور مراقبہ کے وسیلہ سے ہی عقل جزئی' عقل کلی کی غیر محدود وسعتوں سے آشنائی پیدا کر سکتی ہے جس طرح ایک پیدائشی مغنی کو بھی اپنی باطنی استعداد کی تکمیل کے لیے ساز و آواز سے ماہرانہ رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک پیدائشی صوفی اور عارف کو بھی حق شناسی کی طبعی استعداد کی تکمیل کے

Marfat.com

لیے استغراق اور مراقبہ سے کام لینا پڑتا ہے۔

اسی طرح ذکر قلبی دائمی' خدا کے قرب کی ضمانت ہے اور **واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا** میں بھی خلوت میں ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر کی اہمیت کے لیے فرمایا ہے

ولذکر اللہ اکبر ذکر الٰہی سے اعراض کا نتیجہ قلب پر شیطان کا تسلط ہے۔ جب مقصود' ذات خدا ہے تو اسی سے تعلق غالب رہنا چاہیے اور تعلق کا غلبہ ہی ذکر کی آخری منزل ہے اور اسی کا نام مراقبہ ہے۔

تھا ترا خیال ہی منتشر تھی' تری تلاش ہی خیمہ زن
میری آہ' میں میری واہ میں' میرے سوز میں' میرے ساز میں

قرآن اور مراقبہ

○ **وھو معکم اینما کنتم** یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے' جہاں بھی تم ہو۔ اس آیت میں ادراک معیت کا سبق ہے۔ اسی کو صوفیاء نے مراقبہ معیت کہا ہے۔

○ **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ**

"یعنی تم جدھر توجہ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے" اس مراقبہ سے ہر چیز میں جمال حق نظر آنے لگتا ہے۔

بہر سو جلوہ دلدار بینم
بہر صورت جمال یار بینم

○ **الم یعلم بان اللہ یری** یعنی کیا انسان نہیں جانتا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے اس آیت سے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور سمیع و بصیر جان کر مراقبے کا سبق مل رہا ہے اس کو مراقبہ رویت کہتے ہیں۔

○ **واللہ بکل شی ء محیط** یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ "احاطت وجود" کا مراقبہ ہے۔ جہاں من و ما' انت و انا کا اطلاق نہیں ہوتا۔

تو مباش اصلا" کمال این است و بس

Marfat.com

رو درو گم شو وصل ایں است و بس

○ **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** یعنی ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ مراقبہ اقربیت کا سبق ہے جہاں دوری کا تصور جہالت محض ہے۔

ہست حق ازما بما نزدیک تر
ما ز دوری گشتہ جویاں در بدر

○ **یحبھم و یحبونہ** میں مراقبہ محبت کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

درسینہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد
ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

حدیث اور مراقبہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (رواہ مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

عبادت میں مراقبہ و مشاہدہ کا یہ سبق حدیث کے الفاظ میں احسان کہلاتا ہے۔

○ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

یا غلام احفظ اللہ یحفظک یا غلام احفظ اللہ تجدہ تجاھک (مشکوٰۃ)

اے لڑکے اللہ پر نظر رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا اے لڑکے اللہ کو نگاہ میں رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔

صوفیاء کرام مراقبات کے ثبوت میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تصحیح خیال ہی مراقبے کی اصل ہے حضرت خواجہ خورد رحمتہ اللہ علیہ نے نور وحدت میں فرمایا "درویشی تصحیح خیال است" اسی کو یادداشت' وقوف قلبی اور وقوف زمانی کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

اسی طرح حدیث **اکثر واذکر ھا ذم اللذات** میں لذت مٹانے والی چیز (موت) کو بہت یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کو مراقبہ موت کہا جاتا ہے جس سے غفلت دور ہوتی ہے اور خوف خدا کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

انکشاف حقیقت

جو ہر روح اپنی ذات کی حد تک تمام صورتوں اور شکلوں سے خالی ہے اور جو صورت بھی اس خلا کو پر کر دے روح اسی صورت کی کیفیات سے متاثر ہو جاتی ہے' نقشبندی صوفیاء جو ہر روح میں حقیقت مطلوب کا تصور کرتے وقت حواس ظاہری و باطنی کو ان کے اپنے عمل سے روک کر محبوب حقیقی کو پاتے ہیں۔

صوفی اور عارف پر کئی دفعہ اچانک ہی انکشاف ہو جاتا ہے۔ عام طور پر کشف حقیقت کی یہ حالت عارضی اور شاذ ہوتی ہے۔ لیکن کثرت ذکر اور مراقبہ سے تدریجاً" جب جلائے باطن حاصل ہوتی ہے تو اس میں استواری اور پائیداری آ جاتی ہے۔ اس لیے اصول یہ ٹھہرا کہ طبعی استعداد اور وہبی فیضان کی موجودگی میں بھی اکتسابی اور ارادی ریاضت استغراق اور مراقبہ کے رنگ میں شعور باطنی کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔

کسی بھی چیز کے کامل مشاہدہ کے لیے حواس سے سطحی سا رابطہ کافی نہیں اس سلسلہ میں حواس کی تربیت ضروری تو ہے لیکن مکمل طور پر کافی یہ بھی نہیں بلکہ مشہود شے کھو جانے کی حد تک رابطہ اور محویت کی حد تک پہنچا ہوا مطالعہ ضروری ہے۔ ایسی یکسوئی اور محویت جس میں صرف حواس ظاہری ہی مصروف نہ ہوں بلکہ پوری شخصیت ہی محو دید ہو۔ انہماک اور محویت پر ہی منتج ہوتی ہے۔ اسی والہانہ توجہ اور اسی مجذوبانہ ضابطہ کو ہی صوفیا' مراقبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس میں شاہد و مشہود اور عارف و معروف کے درمیان حائل حجابات اٹھ جاتے ہیں اور شاہد و مشہود میں بے کیف سا ارتباط پیدا ہو جاتا ہے۔ ہجر' وصل بن جاتا ہے۔ بعد' قرب بن جاتا ہے۔ اور معلوم خارجی' مشہود باطنی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

Marfat.com

امام غزالی اور مراقبہ

امام غزالیؒ احیاء العلوم کی جلد چہارم میں مراقبہ کے بیان میں لکھتے ہیں۔

کہ وہ شخص جس کو ایک ہی فکر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے سب فکروں سے بچا دیا ہو تو وہ اس کیفیت حال میں کبھی خلق سے اتنا غافل ہو جاتا ہے کہ اسے کسی آنے جانے والے کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود کسی کو نہیں دیکھتا اور بہرا نہ ہونے کے باوجود کسی کی نہیں سنتا"۔ یعنی وہ سیر انفسی میں اتنا محو ہوتا ہے کہ آفاقی تاثرات اس کے حواس کو متاثر نہیں کرتے اور حواس پر مبنی عقلی ہیجان اس کے سکون باطن اور اس کی قلبی اور مقصدی محویت میں حائل نہیں ہوتا۔ مراقبہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ

ایک دفعہ حضرت شبلیؒ حضرت ابوالحسن نوریؒ کے پاس گئے۔ تو دیکھا کہ وہ ایک گوشے میں چپ چاپ بے حس و حرکت بیٹھے ہیں۔ حضرت شبلی نے پوچھا کہ آپ نے یہ پر سکون مراقبہ کا طریقہ کہاں سے سیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہماری بلی جب شکار کرنا چاہتی تو اسی طرح دم سادھ کر گھات لگا کر بیٹھتی تھی۔ میں نے یکسوئی ظاہری خاموشی اور باطنی ہوشیاری" کا سبق اسی سے سیکھا ہے۔

کسی نے مراقبہ کی حقیقت کو کیا خوب بیان کیا ہے۔

پاسبان سر شو اندر کل حال
تا نیابد' ہیچ دزد آنجا مجال
ہر خیال غیر حق را دزد داں
ایں ریاضت سالکاں را فرض داں

صاحب تعلیم غوثیہ اور مراقبہ

صاحب تعلیم غوثیہ لکھتے ہیں

محققین کے نزدیک مراقبہ ایک دوسرے کو دیکھنا اور اپنی توجہ قلبی کو رقیب کی

Marfat.com

جانب پھیرنا ہے۔

رقیب اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم الٰہی ہے' مراقبہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم یا کسی آیت قرآنی کے معنی اور کیفیت کو دل پر اس طرح طاری اور حاوی کرے کہ وہ خود معنی بن جائے اور اس میں محو در محو ہو جائے اور تصور محبوب میں ایسا مستغرق ہو کہ اپنی بھی خبر نہ رہے۔"

یہ انہماک' یہ استغراق' یہ محویت تامہ' اور یہ خود فراموشی ہی مراقبہ کی جان ہے خود فراموشی' خدا شناسی کا وسیلہ اور ظاہری غفلت' باطنی ہشیاری کا زینہ ہے۔

مؤلف عمدۃ السلوک اور مراقبہ

مولف عمدۃ السلوک صفحہ ۱۰۱ پر لکھتے ہیں۔

"مراقبہ رقوب سے مشتق ہے جس کے معنی محافظت اور نگہبانی کے ہیں۔ مراقبہ کی تعریف یہ ہے کہ اپنے خیالوں کو پوری پوری توجہ کے ساتھ' خدائے تعالیٰ کی صفات کی طرف یا روح کے جسم سے بے تعلق ہونے کی طرف' اس طرح لگانا کہ عقل' وہم' خیال' اور تمام حواس اسی توجہ کے تابع ہو جائیں تاکہ وہ غیر محسوس جس کی طرف خیال لگایا تھا بمنزلہ محسوس کے ہو جائے۔ یعنی کسی ایک مفہوم میں اس طرح ڈوب جائے کہ سوائے اس کے کوئی چیز دھیان میں نہ رہے۔"

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ حلمی اور مراقبہ

فواد یونیورسٹی مصر کے فلسفہ اسلام کے پروفیسر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ حلمی اپنی کتاب تاریخ تصوف اسلام میں رقمطراز ہیں۔

نبوت سے قبل غار حرا میں عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے علاوہ منصب نبوت و رسالت پر فائز ہونے کے بعد بھی حضور علیہ السلام پر محویت اور استغراق کی کیفیت کبھی کبھار طاری ہو جاتی تھی اور حیات نبوت کی یہی عارفانہ محویت صوفیاء کرام کے باطنی انہماک اور استغراق کی اساس ہے۔ آنحضرت علیہ السلام پر نبوت کے بعد بھی کبھی

Marfat.com

کبھی وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یہ وہ کیفیت ہے جس میں محویت مقصد کے پیش نظر انسان دنیا و مافیہا اور خود اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ اس وقت عالم استغراق میں تھے۔ آپ نے حضرت عائشہ کو دیکھا تو پوچھا۔ تم کون ہو؟ وہ بولیں میں عائشہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کون عائشہ؟ عرض کی ابوبکر کی بیٹی۔ فرمایا ابوبکر کون؟ وہ بولیں محمدؐ کے دوست' فرمایا کون محمد؟ (صلی اللہ علیہ وسلم)

"یہ دنیا و مافیہا سے اعراض اور حق میں انہماک۔
یہ غیر کا نسیان اور یار کا عرفان۔
یہ کثرت سے بیزاری اور وحدت میں گرفتاری
یہ فانی سے فراق اور باقی سے وصال
یہ مجاز سے بے پروائی اور حقیقت سے آشنائی۔
صوفیانہ مزاج کا خاصہ ہے اور عارفانہ طبیعت کا شیوہ ہے۔
مراقبہ اس کا ذریعہ ہے اور مشاہدہ اس کا نتیجہ ہے۔"

حضرت مجدد الف ثانی اور مراقبہ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مکتوبات جلد اول مکتوب ۱۰۹ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"باطنی مرضوں کی سردار اور اندرونی بیماریوں کی رئیس ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے اور جب تک اس قید سے پورے طور پر آزادی نہ مل جائے' سلامتی محال ہے

اور دل کے غیر کے ساتھ گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر بھول جائے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہو جائے حتی ۔ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اسے یاد نہ آئیں۔

یہاں بھی دیکھئے انہماک' استغراق اور محویت مقصد کا ہی ذکر ہے۔ پس کثرت کا

Marfat.com

نسیان، وحدت کے عرفان کی شرط اول ہے اور مقصدی یک سوئی اور محویت کے بغیر نسیان غیریت کی کیفیت حاصل نہیں ہوتی اور یہ کیفیت فیضان قدرت کے ساتھ ساتھ طویل ریاضت اور تربیت سے حاصل ہوتی ہے اور کثرت ذکر اور مراقبہ اس روحانی تربیت کے دو بنیادی اصول ہیں محبت شیخ اس سلسلہ میں اکسیر ہے اور بے نظیر تاثیر کی حامل ہے۔

عملی تجربہ

شعور عقلی سے شعور قلبی تک جانا اور عقلی جزئی کو عقل کلی تک پہنچانا، اور شہود حق کے لیے باطنی قویٰ کو بیدار کر کے بروئے کار لانا، طریقت کا مقصد اور منشا ہے ذکر و مراقبہ اور محویت و استغراق سے وہ قوائے باطنی بیدار ہو جاتے ہیں جو ماورائے زمان و مکان حقائق کا ادراک کر سکتے ہیں اور عالم بے صوت کے جلوے دیکھ سکتے ہیں اور جہان بے صوت کے نغمے سن سکتے ہیں۔ من کی دنیا میں غوطہ لگانے والوں کو تن کی دنیا سے عارضی قطع تعلق کرنا ہی پڑتا ہے۔ قعر بحر سے در شاہوار نکالنے والے کو غوطہ خوری سے پہلے کپڑے اتارنے ہی پڑتے ہیں اور حبس دم بھی کرنا پڑتا ہے اور اس عملی تجربہ سے پہلے ریاضت و تربیت کے ایک طویل دور سے گذرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں سطح بحر سے قعر بحر تک پہنچنے کی ہمت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہی وہ بلند ہمت لوگ ہوتے ہیں جو جان کو جوکھوں میں ڈال کر، مجاہدات کی سنسان اور تاریک وادیوں میں پہنچ کر معرفت کے گوہر مقصود کو پا لیتے ہیں۔

ارتکاز توجہ

ابتدائی مشق کے طور پر توجہ مرکوز کرنے کے لیے کسی بھی چیز کی طرف یکسوئی سے ٹکٹکی لگا کر دیکھنا چاہیے۔ نظر کی اس مرکوزیت سے انتشار خیال میں کمی ہو گی اور حواس، مجتمع ہو کر ایک ہی جگہ مرکوز ہونے کے عادی بن جائیں گے۔ توجہ کی یکسوئی اور نگاہ کی یک بینی سے ایک عام سی شی میں بھی نئی خصوصیات نظر آنے لگیں گی۔ نگاہ

Marfat.com

کی یہ مرکوزیت طبیعت میں راحت پیدا کرے گی اور ایک سکون کا سا احساس ہو گا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

جس طرح منتشر شعاعیں، آتشی شیشہ میں مرکوز ہو کر اتنی قوی ہو جاتی ہیں کہ آگ لگا دیتی ہیں۔ حالانکہ عالم انتشار میں وہ آتش افروزی کی قوت سے محروم ہوتی ہیں۔ اسی طرح خیالات کا انتشار بھی طبیعت میں اضمحلال اور اضطرار کو پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر خیالات کی آوارگی ختم ہو جائے اور وہ ایک نکتہ پر مرکوز ہو جائیں تو ان کی قوت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

سکون دل سے سامان کشود کار پیدا کر
کہ عقدہ خاطر گرداب کا آب رواں تک ہے

حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت انس رضی اللہ علیہ سے فرمایا کہ

یا انس اجعل بصرک حیث تسجد (رواہ بیہقی)

یعنی "اے انس اپنی نگاہ کو سجدے کی جگہ رکھا کرو"۔

یہ حبس بصر اور ربط نظر کی تعلیم ہے جس سے یکسوئی اور ارتکاز توجہ کی مشق مقصود ہے۔ خارجی شئی کی طرف مسلسل دیکھنا، توجہ کو مرکوز کرنے کا بالکل ابتدائی درجہ ہے صوفیانہ اور عارفانہ مراقبہ سے اس کی کوئی نسبت نہیں۔ صوفیوں کا مرکوز توجہ خارج میں نہیں ہوتا بلکہ داخل میں ہوتا ہے۔ مراقبہ میں حواس کو خارج سے داخل کی طرف اور ظاہر سے باطن کی طرف لایا جاتا ہے۔ صوفیا کے ہاں سیر آفاقی سے سیر انفسی کا مقام بہت بلند ہے اور ماسوا کے نسیان میں ہی کمال عرفان ہے۔ اقبال بھی اپنے من ہی میں ڈوبنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

Marfat.com

مقام خودی

(بخود گم بہر تحقیق خودی شو) خودی مقام حقیقت ہے خودی مقام انا ہے۔ صوفیا کی کتابوں میں حدیث آتی ہے۔ کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی جسد ادم المضغتہ و فی المضغتہ فواد و فی الفواد روح و فی الروح سر و فی السر الاخفی و الخفی اخفی و فی الاخفی انا

یعنی حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اور لوتھڑے میں دل ہے اور دل میں روح ہے اور روح میں سر ہے اور سر میں خفی اور خفی میں اخفی ہے اور اخفی میں انا ہے۔

اور صوفیا کے نزدیک "انا" سے مراد ذات حق ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ منصور حلاج کے قول انا الحق میں دعوائے الوہیت نہیں بلکہ اپنی نفی اور ذات کا اثبات ہے۔ خودی کا عارف ہی خدا کا عارف کہلاتا ہے خودی کا اصل مقام دل ہے۔ اور دل ہی حقیقت کا آئینہ اور معرفت کا گنجینہ ہے۔

دل محبت کی منزل ہے اور محبوب کا محمل ہے
دل لا متناہی ہے اور عرش الٰہی ہے
دل مہبط انوار ہے اور کعبہ ابرار ہے
دل گنجینہ اسرار ہے اور مسکن یار ہے

مراقبہ دماغ سے دل تک، شنید سے دید تک، گوش سے آغوش تک، تن سے من تک، ظاہر سے باطن تک اور اغیار سے یار تک پہنچنے کا آزمودہ ذریعہ اور مجرب عمل ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل اطہر است
دل گذر گاہ جلیل اکبر است

Marfat.com

کیفیات مراقبہ

خود بینی' خود شناسی' سیر انفسی یا مراقبہ کا ملکہ بھی عام تعلیم و تربیت کی طرح ریاضت اور محنت سے بتدریج حاصل ہوتا ہے۔ شروع شروع میں نو آموز طفل مکتب کو لکھنا پڑھنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ طبیعت پریشان ہو جاتی ہے اور دل اچاٹ ہو جاتا ہے لیکن جوں جوں شعور ترقی کرتا ہے دماغ' نصاب تعلیم سے مانوس ہونے لگتا ہے اور پھر حصول تعلیم کی رفتار تیز تر ہو جاتی ہے اور طبیعت کی وحشت بھی جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح ایک سالک کے لیے راہ طریقت کی منزل بھی ریاضت سے آسان ہو جاتی ہے۔ پہلے حواس کے ارتکاز اور طبیعت کی یکسوئی کے لیے قوت ارادی سے کام لینا پڑتا ہے لیکن جوں جوں استعداد باطنی بیدار ہوتی جاتی ہے اور شعور قلبی قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ توں توں مراقبہ اور محویت کی کیفیت ایک خود کار تقاضائے طبیعت کے طور پر کام کرنے لگتی ہے اور پھر ایک وقت تو ایسا آتا ہے کہ شعور باطن' عقل ظاہری پر خود بخود غالب آنے لگتا ہے اور بعض اوقات خود بخود استغراق اور محویت کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے اور وہ کیفیت اتنی قوی ہوتی ہے کہ انسان کتنی بھی کوشش کرے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وجد و جذب کی یہ کیفیت بڑی غنیمت ہوتی ہے اور اس حالت میں سالک کے دل پر جو انکشاف حقیقت ہوتا ہے وہ اس کے لیے حاصل حیات ہوتا ہے۔ اس سے شوق میں فراوانی اور عشق میں جولانی پیدا ہوتی ہے۔ دوسروں کے لیے بھی سالک کے جذب و وجد کی یہ حالت شوق انگیز اور ہمت افروز ہوتی ہے۔

وادی نور و سرور

اس حالت میں طالب و مطلوب کے درمیان حائل حجاب اٹھ جاتے ہیں۔ زمان و مکاں کی حدود و قیود ختم ہو جاتی ہیں۔ شعور ادنیٰ شعور اعلیٰ میں گم ہو جاتا ہے۔ آفاقیت اور ابدیت کی ان ناپیدا کنار وسعتوں میں کثرت' غیریت تغیر اور تحدید کے

Marfat.com

عیوب مفقود ہو جاتے ہیں اور وحدت کی اس پر فضا وادی میں نور و سرور اور انبساط و حضور کی سرمدی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ اس غیر محدود عالم کی واردات عقل محدود کے فہم سے ماورا ہوتی ہے لہٰذا اپنی مجبوری اور معذوری کے پیش نظر عقل، حقیقت کی کیفیت کو مجاز کی زبان میں بیان کرنے پر مجبور ہوتی ہے کبھی اسے وصول اور حصول کہتی ہے، کبھی فنا اور بقا کا نام دیتی ہے، کبھی اسے شہود کے نام سے موسوم کرتی ہے اور کبھی وجود کی اصطلاح سے تعبیر کرتی ہے اور یہ سب تعبیرات و اطلاقات محض لفظی ہیں۔ حقیقی و اصلی تعبیرات و اصطلاحات ماورائے عقل و شعور ہیں۔ یہاں دانش برہانی کے بجائے دانش نورانی کام آتی ہے

اک دانش نورانی اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی، حیرت کی فراوانی

وطن اصلی کی طرف روحانی سفر

اس منزل میں سالک کو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ انتہائی بلندیوں کو عبور کر رہا ہے اور آسمانوں کو طے کر کے عرش کی طرف جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ عرش تک پہنچ گیا ہے لیکن ساتھ ہی اسے یوں لگتا ہے کہ وہ دماغ سے اپنے ہی دل کی طرف جا رہا ہے اور دل ہی عرش ہے۔ اس مقام پر تحت و فوق اور قرب و بعد مل جاتے ہیں۔ زمان و مکاں سمٹ کر اس میں سما جاتے ہیں۔ خارج کی بلندیاں باطن میں کھو جاتی ہیں اور آفاق، انفس کا ہی عکس معلوم ہوتا ہے۔ یہاں اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور شعور وحدت ہر کیفیت پر غالب آ جاتا ہے۔ یہ لق و دق صحرا، یہ سنسان بیابان، یہ منزل بے نام و نشان، یہ دنیائے لامکان، معرفت کی انتہا، سلوک کا مدعا اور روح کا وطن اصلی ہے۔

یہاں یہ یقین نصیب ہوتا ہے کہ عقل جسے بعید سمجھتی تھی وہ رگ جاں سے بھی قریب ہے بلکہ اقرب ہے جسے عقل جزی باہر تلاش کر رہی تھی وہ یہاں خانہ دل میں مقیم ہے۔ وہ جان جہاں تو قریب از جان ہے **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** کا راز

Marfat.com

اسی مقام پر کھلتا ہے۔

جسے ہم ڈھونڈتے تھے آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانہ دل کے مکینوں میں

(اقبال)

یہیں پتہ چلتا ہے کہ خود آگاہی اور خود شناسی ہی خدا شناسی کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی حقیقت بھی اسی موقع پر آشکارا ہوتی ہے۔

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اسی مقام پر حواس کا التباس اٹھ جاتا ہے اور دل کا دیدہ باطن میں بیدار ہو جاتا ہے اور حقیقت صوت و صورت کے حجاب اٹھا کر بے نقاب ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ یہ کیفیت نہ دید ہے نہ شنید' نہ ادراک ہے نہ تفہیم۔ بس یہ ایک تکمیل کا تسکین بخش احساس اور وصول و حصول کا ایک جاں افروز حال ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بتایا نہیں جا سکتا۔ ایک ایسا تجربہ ہے جو سمجھایا نہیں جا سکتا۔ دنیا کی کوئی لذت اور دنیا کی کوئی مسرت ایسی نہیں کہ جس سے اسے تشبیہہ دی جا سکے۔ جو اس کو پاتا ہے خود کو بھول جاتا ہے اور اس راز سے آگاہ ہو کر وہ سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ طلسم مجاز' صداقت کی نمود سے مفقود ہو جاتا ہے اور عالم رنگ و بو حسن حقیقی کے سامنے بے نمود ہو جاتا ہے۔

بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

مراقبہ عقل جزئی کی عقل کل کی طرف پرواز ہے' یہ فانی کا باقی کی طرف' متغیر کا ثابت کی طرف' ظنی کا قطعی کی طرف' اور متعین کا مطلق کی طرف روحانی سفر ہے۔ حق کی یافت اس سفر کی منزل ہے اور طلب و شوق رخت سفر ہے۔ عشق قافلہ سالار ہے اور صبر پر کامیابی کا مدار ہے۔

Marfat.com

مراقبہ معیت

مولف عمدۃ السلوک' سلوک نقشبندیہ کو بیان کرتے ہوئے' مراقبہ معیت اور دائرہ ولایت صغریٰ کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔ "مراقبہ میں فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے اور دائرہ امکان کے باقی اثرات کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس مقام میں تجلیات افعالیہ الٰہیہ میں سیر واقع ہوتی ہے۔ توحید وجودی ذوق و شوق' استغراق و بے خودی و دوام حضور اور نسیان ماسوا جس کو فنائے قلب بھی کہتے ہیں حاصل ہوتا ہے۔ پس جب لوح دل سے ماسوا کا خیال مٹ جائے اور توجہ الی اللہ میں اس قدر محویت و استغراق ہو جائے کہ تکلف سے بھی غیر کا خیال پیدا کرنا محال ہو جائے اور تمام دنیوی تعلقات کا رشتہ دل سے ٹوٹ جائے تو فنائے قلبی حاصل ہو جاتی ہے جو ولایت کا پہلا قدم ہے اور باقی کمالات کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہے۔ (عمدہ السلوک حصہ دوم ص ۲۸۹)

مراقبہ سے باطنی نور' قلبی شعور' تطہیر عقلی' صفاء قلبی' سکون سرمدی' وسعت آفاقی' حیات ابدی' خود آگاہی اور انجام کار معرفت الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ یہ نہ دعا ہے نہ التجا' بلکہ یہ ایک والہانہ تمنا۔ ایک سوز عشق اور ایک کیف محبت ہے۔ یہ حال کی وہ کیفیت ہے جو قال میں نہیں سماتی۔ یہ وہ احساس ہے جو بیان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کا ایک پہلو سرمستی اور محویت ہے اور دوسرا اور آخری پہلو ہشیاری اور معرفت ہے اس کی ابتدا خود فراموشی ہے لیکن انتہا خود آگاہی ہے۔ مراقبہ میں حواس معطل اور عقل جزی بیکار ہو جاتی ہے۔ اور جب دل ہر شے سے خالی ہو جاتا ہے تو اس خلا کو پر کرنے کے لیے عقل کلی سرگرم کار ہو جاتی ہے۔ مراقبہ ایک روحانی تجربہ اور باطنی مشاہدہ ہے' یہ عالم بے کم و کیف کی سیر اور دنیائے حیرت میں سفر ہے۔ یہ وہ کیفیت عرفان ہے جو ناقابل بیان ہے۔ یہاں جسم میں اضمحلال ہوتا ہے لیکن دل محو اختلاط ہوتا ہے۔ یہاں حواس معطل' عقل بیکار' لیکن دل ہشیار ہوتا ہے۔ توجہ کی تمام یکسوئی' ظاہر سے باطن' کثرت سے وحدت اور فانی سے باقی کی طرف مرکوز ہوتی ہے۔ اگر استقلال کے ساتھ باطنی مشاہدہ کی یہ مشق جاری رہے تو اس کا لازمی نتیجہ عرفان و شہود کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

Marfat.com

قلب بیدار

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم ○ پ ۱۹ ع ۴

عقل و دل

حقیقت ظاہر بھی ہے اور باطن بھی وہ اپنی ذات کے لحاظ سے باطن ہے اور ظہور اسماء و صفات کے لحاظ سے ظاہر

ھو الاول و الاخر والظاہر و الباطن الخ

انسان کے ظاہری حواس اور عقل و ادراک' آئینہ ممکنات میں اسماء و صفات کے عکوس کو دیکھ پاتے ہیں' اگرچہ "حقیقت مستور" کی دید سے مہجور و معذور رہتے ہیں۔ لیکن انسان کے باطنی حواس و لطائف میں حقیقت پنہاں کو عریاں دیکھنے کی شدید تمنا موجود رہتی ہے جس طرح ایک طفل شیر خوار ماں کے دودھ کے بغیر' لوریوں اور کھلونوں سے مطمئن نہیں ہوتا ہاں عارضی طور پر بہل ضرور جاتا ہے اسی طرح قلب انسانی بھی عالم ظاہر کی دل کشیوں کے باوجود حسن باطن کی دید کے بغیر مطمئن نہیں ہو پاتا' عقل جزئی' فانی' متغیر اور محدود عالم کثرت کو ہی حقیقی سمجھ کر اس کی دل بستگیوں میں الجھ جاتی ہے۔ لیکن دل بدستور خوب سے خوب تر کا جویاں رہتا ہے وہ باقی' قائم اور حی لایموت کا متلاشی رہتا ہے فانی اور ناقص سے غیر مطمئن رہنا اور باقی' کامل کا

Marfat.com

متلاشی رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ دل میں فطری طور پر مجازی اور حقیقی' اصلی اور نقلی میں امتیاز کا مادہ موجود ہے۔ ہاں کسی دل میں یہ مادہ کم ہوتا ہے اور کسی میں زیادہ۔ جب یہ ملکوتی ملکہ مادی تعلقات سے آلودہ ہو کر کمزور ہو جائے اور یہ آئینہ صافی میلا ہو جائے تو اس میں تجلیات لا مکانی کا انعکاس نہیں ہو سکتا۔

جب ذکر و فکر سے اس کا تزکیہ و تصفیہ ہو جائے تو پھر اسی آئینہ امکان میں تجلیات وجوب منعکس ہونے لگتی ہیں۔ عقل چراغ راہ تو ہے لیکن منزل نہیں' منزل مقصود تک رسائی دل بیدار ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ دل بیدار ہی محل تقویٰ اور منزل عرفان ہے۔ دل باصفا اور بے ریا ہو جائے تو آئینہ حق نما بن جاتا ہے۔ جذبات لطیفہ کا منبع اور افکار عظیمہ کا سرچشمہ ہو جاتا ہے علم تصوف میں بیداری قلب اور صفائے باطن سے ہی بحث کی جاتی ہے کیونکہ حرائے دل ہی حریم یار ہے۔

اندکے اندر حرائے دل نشین
ترک خود کن سوئے حق ہجرت گزین

دل کی موت اور زندگی کا مطلب

حیات اصلی' حیات قلبی کا نام ہے اور موت حقیقی' موت قلبی سے ہی عبارت ہے زندہ دل اور مردہ دل برابر نہیں ہو سکتے

وما یستوی الاحیاء ولا الاموات

○ زندگی بندگی کی راہ سے حاصل ہوتی ہے اور زندگی بے بندگی ہلاکت اور گندگی ہے' ذکر سے غافل دل بیکار ہے۔

ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا

قرآن حکیم نے دل کی بے بصیرتی کو ہی حقیقی نابینائی قرار دیا ہے۔

من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی کا یہی مفہوم ہے۔

فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

میں بھی دل کی بے بصیرتی کو ہی اندھا پن کہا گیا ہے اور یہی دل کی موت ہے

Marfat.com

مستقر حیات قلب ہے اور قلب کی حیات ایمان اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔

من عمل صالحا من ذکر اوا نثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ" طیبتہ"۔

○ قلب کی موت غفلت اور گناہ سے واقع ہوتی ہے

انک لا تسمع الموتی

○ میں موتی سے مراد بھی دل ہی کے مردے ہیں اسی طرح۔

ختم اللہ علی قلوبھم اور **قلوبنا غلف** اور **بل ران علی قلوبھم**

آیات قرآنی میں مہر' غلاف اور زنگ سے مراد بھی دلوں کی موت ہی ہے۔

○ زبان رسالت علی صاحبہا لصلوات نے بھی دل کی اصلاح کو ہی انسان کی فلاح اور اس کے فساد کو ہی شخصیت کا فساد قرار دیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی الجسد لمضغتہ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔

○ قلب سلیم دل زندہ کا نام ہے اور قلب سقیم دل مردہ کو کہتے ہیں۔

○ صوفیائے کرام کے نزدیک بھی دل کی زندگی اور موت کا یہی فلسفہ ہے۔

○ حضرت اقبال کے ہاں بھی حیات انسانی (شخصی ہو یا اجتماعی) دل کی زندگی سے ہی معنون ہے۔

دل مردہ دل نہیں اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

علامہ اقبال کے نزدیک فاروقی صفات اور حیدری برکات کا حصول اور اسد اللہی ضرب کاری صرف دل کی بیداری کے ہی ثمرات ہیں۔

دل بیدار فاروقی دل بیدار کراری
مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

Marfat.com

حقیقت قلب

قلب ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح و نفس کے مابین ایک درمیانی چیز ہے۔ حکماء اسے نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں۔ آیت نور مثل نورہ کمشکوۃ الخ میں جسم کو مشکوۃ' قلب کو زجاجہ' روح کو مصباح اور نفس کو شجرہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

دل وہ لطیفہ جامعہ ہے جو اسرار و رموز کا خزینہ اور علوم و عرفان کا گنجینہ ہے' دل محل تجلیات' و صفات ہے' دل ہی امکانی علوم اور وجوبی حقائق کا محل انعکاس ہے' یہ انسان کی عزیز ترین متاع بے بہا ہے اور نسخہ کیمیا ہے۔ بلکہ در اصل اسی پر انسانیت کا مدار ہے اور شرف آدمیت کا انحصار ہے۔

حضرت عطار اور دل

حضرت خواجہ عطار رحمتہ اللہ علیہ دل کو جوہر نورانی' عقل مستفاد' مطلع انوار' منبع اسرار اور عرش رحمان قرار دیتے ہیں۔

دل بہ معنی جوہر روحانی است
دل نہ از جسم است و نے جسمانی است
آنکہ دانا گفت عقل مستفاد
در حقیقت داں کہ دل بودش مراد
دل چہ باشد مطلع انوار حق
دل چہ باشد منبع اسرار حق
پیش سالک عرش رحمان است دل
جملہ عالم چوں تن و جاں است دل
حق نہ گنجد در زمین و آسمان
در دل مومن بگنجد بے گماں
جملہ عالم جرعہ نوش جام دل

Marfat.com

از مکاں تا لا مکاں یک گام دل
مخزن اسرار را شد دل کلید
گنج مخفی ہست اندر دل پدید
استفادہ گر کنی زاں دل بہ کن
تابیابی تو علوم من لدن
آنچہ از احوال دل کردم عیاں
قطرہ میداں ز بحر بیکراں

حضرت غوث علی قلندر اور دل

صاحب تذکرہ غوثیہ قلب کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں۔

نفس ناطقہ جب کہ معانی کلیہ و جزئیہ کا حسب خواہش مشاہدہ کر سکے تو اس کو قلب کہتے ہیں۔ اور حکماء کے نزدیک اس مرتبہ کا نام عقل مستفاد ہے وہ ظاہر و باطن کے درمیان برزخ ہے اس لیے اس میں ہر چیز کی سمائی ہے حتیٰ کہ حق کی بھی' پس قلب از قسم رحمت الٰہی ہے اور رحمت سے یہ مراد ہے کہ حق اس کے ذریعے اپنے بندوں پر مرحمت و اشفاق کرتا ہے۔ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سب کی گنجائش ہے اور وہ علم' رحمت اور قلب ہیں۔ قلب کو یہ علم اپنی ذات سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ تجلیات حق کو اور ان کی رنگارنگی کو مختلف صورتوں میں جانتا اور پہچانتا ہے۔ کیونکہ جیسی تجلی دیکھتا ہے اس کے ساتھ خود بھی منقلب ہو جاتا ہے اور یہ حصہ اسی کا ہے جو مقام جمع میں تجلی حق کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

حضرت امام غزالی اور دل

حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں۔

واضح ہو کہ محل علم قلب ہے یعنی وہ لطیفہ جو تمام اعضاء کی تدبیر کرتا ہے اور سب اسی کی اطاعت اور خدمت کرتے ہیں۔

Marfat.com

انا عرضنا الامانتہ علی السموٰت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان۔ الخ

یعنی انسان میں ایک ایسی خاصیت ہے جس کے سبب آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں سے ممتاز ہوا' اور تحمل امانت الٰہی کے قابل ٹھہرا اور وہ امانت' معرفت اور توحید کی ہے کہ ہر ایک شخص کا قلب اس کے اٹھانے کی لیاقت رکھتا ہے مگر ان اسباب مذکورہ کی وجہ سے امر واجبی تک نہیں پہنچ سکتا اور حدیث شریف۔

لو لا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السماء

(اگر بنی آدم کے دلوں پر شیطان نہ پھرتے ہوتے تو آسمان کے فرشتے اور اسرار ان کو سوجھتے) میں ان اسباب کی طرف اشارہ ہے جو قلب اور ملکوت میں حجاب بن جاتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے؟ زمینوں میں یا آسمانوں میں ؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایمان والے بندوں کے دل میں ہے۔

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ میری گنجائش نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں بلکہ بندہ مومن کے ساکن اور نرم دل میں ہے۔ اور جس شخص کے اور خدا کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو اس کے دل میں ملک اور ملکوت کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ سب طاعات و اعمال جوارح کا مقصد یہی ہے کہ دل صاف اور شستہ ہو اور اس کی صفائی کا یہ مطلب ہے کہ اس میں نور ایمان اور لمعہ معرفت آ جائے۔

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ

سے یہی مراد ہے۔

(احیاء علوم جلد سوم ذکر عجائبات قلبی)

Marfat.com

حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔

○ اہل تصوف علوم عقلی کی بجائے علوم الہامی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اقوال اور ادلہ سے کم بحث کرتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ اول خوب مجاہدہ کرنا چاہیے صفات ذمیمہ اور تمام علائق کو قطع کر کے ہمہ تن خداتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تو اس پر رحمت خدا کا سایہ ہو گا اور قلب میں نور چمکنے لگے گا سینہ کھل جائے گا اور سر ملکوت اس پر ظاہر ہو گا قلب سے حجاب اٹھ جائے گا اور اس میں امور الہیہ کے حقائق جلوہ گر ہوں گے۔

غزالیؒ کی ایک مثال

قلب کے عجائبات حواس سے مدرک نہیں ہوتے۔ اس لیے ہم اس کو مثال سے سمجھاتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک حوض زمین میں کھدا ہے۔ اس میں پانی آنے کے دو طریقے ہیں۔ یا خارجی نالیوں سے آئے گا۔ یا اس کے اندر ہی پانی کا سوتا ہو گا۔ جو پانی باہر سے آئے گا اس میں ماحول کے تکدر کا اثر ہو گا۔ لیکن جو پانی اندر سے آئے گا وہ زیادہ صاف ہو گا۔ مقدار میں زیادہ بھی ہو گا اور ہمیشہ بھی رہے گا۔ پس حواس خمسہ سے حاصل ہونے والے علم کی مثال نالیوں سے آنے والے پانی کی سی ہے کہ اس میں تکدر ماحول ہوتا ہے جو بمنزلہ التباس حواس کے ہے۔ لیکن قلب کا کشفی علم' داخلی چشمہ صافی کے پانی کی طرح ہے۔ صوفیاء کرام تزکیہ قلب کے ذریعہ اسی کشفی علم کے جویا ہوتے ہیں۔ جب دل کے سامنے سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو لوح محفوظ کی چیزیں سوجھنے لگتی ہیں اور اس کا علم قلب میں منکشف ہو جاتا ہے۔ قلب کا جو دروازہ عالم ملکوت کی طرف ہے اس سے وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ اولیاء اور انبیاء کے علوم دل کے اس دروازہ سے آتے ہیں۔ جو عالم ملکوت کی طرف کھلتا ہے اور علماء اور حکماء کے اس دروازے سے آتے ہیں۔ جو بذریعہ حواس عالم ظاہری کی طرف کھلتا ہے۔

حضرت مولانا رومؒ اور دل

عارف رومیؒ دل کو ہی مطلوب و محبوب' جمال' باقی عرش اللہ اور لا مکاں قرار

Marfat.com

دیتے ہیں۔ ۔

گر تو اہل دل نہ بیدار باش
طالب دل باش و در پیکار باش
قطرہ دل را یکے گوہر فتاد
کاں بدریا ہاوٴ گردوں ہا نہ داد
اصل عرش اللہ قلب عارف است
لا مکان است و ندارد فوق و پست
ایں جمال دل جمال باقی است
دوبش از آب حیواں ساقی است

رومی کی ایک مثال

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے روم اور چین کے ماہر نقاشوں کو بلایا اور ایک بہت بڑا کمرہ نقاشی کے لیے ان کے سپرد کیا۔ درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیا تاکہ ایک کو دوسرے کے کام کی اطلاع نہ ہونے پائے اور دونوں اپنے اپنے خصوصی ہنر کا اظہار کریں۔ چنانچہ چین والوں نے تو رنگا رنگ نقش آرائی کی اور بہت سے رنگوں کو بڑی چابکدستی اور مہارت سے استعمال کر کے در و دیوار کو ارژنگ چین بنا دیا۔ لیکن روم والے صرف دیواروں کی صفائی اور جلا میں ہی مصروف رہے۔ حتیٰ کہ دیواروں کو آئینہ کی طرح صاف بنا دیا۔ بادشاہ چین کے مصوروں کی رنگا رنگ نقش آرائی سے بہت محظوظ ہوا لیکن جب رومیوں کا حصہ دیکھا تو اس کی بے رنگی پر حیران ہوا کہ یہ کیسی نقاشی ہے کہ نہ رنگ ہے نہ صورت۔ رومیوں نے بادشاہ کو حیران دیکھ کر کہا کہ ذرا درمیان کا پردہ اٹھا کر تماشہ دیکھئے۔ چنانچہ پردہ اٹھنے پر دوسری طرف کے تمام نقوش مصفا دیواروں میں منعکس ہوگئے اور آئینہ کی صفائی کی وجہ سے وہ عکس اتنا روشن اور چمکدار تھا کہ اصل سے بھی حسین اور واضح نظر آتا تھا۔

Marfat.com

مولانا روم فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی توجہ بھی قلب کے تزکیہ اور تصفیہ پر مرکوز رہتی ہے تا آنکہ اس میں امور حق نظر آنے لگتے ہیں اور علماء ظاہر کی توجہ چینیوں کی طرح بذریعہ حواس' اکتساب نقوش علمی کی طرف ہی رہتی ہے۔ قلوب عارفین پر معرفت کے باعث تمام عالم ملکوت منکشف ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ اور دل

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے قلب' اس کی حقیقت اور اس کی استعداد کے متعلق علمی اور کشفی طور پر بہت کچھ بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ ناظرین کے استفادہ کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

قلب عارف کامل بواسطہ علاقہ جامعیت و برزخیت ازاں انوار اقتباس می نماید و غرفے از بحر بدست می آرد بعد عرش و قلب عارف تام المعرفت ہر جا ظہور است بداغ ظلیت متسم است و بوئے از اصل نیافتہ

ترجمہ عارف کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث ان انوار سے نور اخذ کر لیتا ہے' عرش اور عارف تام المعرفت کے دل کے سوا باقی جس قدر ظہور ہیں سب پر ظلیت کا داغ ہے اور اصل سے اس نے کوئی بو نہیں پائی۔ (دفتر دوم مکتوب نمبر۱۰)

ایک دوسرے مقام پر آپ رقمطراز ہیں۔

در انسان دو چیز اند کہ عرش ندارد و عالم کبیر را ازاں نصیب نیست در انسان جزو ارضی است کہ در عرش نیست و ہیت وحدانی است کہ در عالم کبیر نیست الخ (دفتر دوم مکتوب نمبر۲۱)

ترجمہ انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش نہیں رکھتا اور عالم کبیر کے لیے بھی ان دو چیزوں سے کوئی حصہ نہیں' انسان میں ایک تو جزو ارضی ہے جو عرش میں نہیں ہے' اور ایک ہیئت وحدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں ہے اور وہ شعور جو ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے۔ نور علی نور ہے جو عالم اصغر

Marfat.com

(قلب) کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک عجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کی ہے اور امانت کے بوجھ کو اٹھایا ہے۔

اسی مکتوب میں ہے۔

اے برادر ایں مضغہ را پرچہ گوشت لا یعباء بہ خیال نکنی کہ آں جوہر نفیس است کہ خزائن و اسرار عالم خلق دروے مخزون گشتہ است و دفائن و خفایائے عالم امر دروے مدفون شدہ الخ

ترجمہ اے برادر اس پارہ گوشت کو معمولی شی خیال نہ کرنا بلکہ یہ نہایت قیمتی جوہر ہے جس میں عالم خلق کے خزانے اور اسرار ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اور عالم امر کے دفینے اور مخفی امور بھی اس میں مدفون ہیں' علاوہ ازیں وہ شی بھی جو عالم خلق اور عالم امر میں الگ الگ موجود نہیں اور وہ اس کے معاملات خاصہ ہیں جو اس کی ہیئت وحدانی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

○ نیز فرمایا قلب انسان بھی اسی جامعیت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں ہے وہ تنہا قلب میں ہے۔ اسی واسطے اس کو حقیقت جامعہ کہتے ہیں اور اسی جامعیت کے باعث بعض مشائخ نے قلب کی وسعت سے ایسی خبر دی ہے کہ اگر عرش اور ما فیہا عارف کے دل کے گوشہ میں ڈال دیئے جائیں تو کچھ بھی محسوس نہ ہو۔

(دفتر دوم مکتب ۱۲)

○ دل اللہ تعالیٰ کا ہمسایہ ہے جس قدر دل بارگاہ قدس کے قریب ہے اور کوئی شے اتنی قریب نہیں۔ جاننا چاہیے کہ قلب تمام مخلوقات میں سے افضل اور اشرف ہے جس طرح کہ انسان تمام مخلوقات میں سے اشرف ہے اور اس کا فضل و شرف عالم کبیر کے جامع اور مجمل ہونے کے باعث ہے۔ دل عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے نیز دل غیب ہویت کا دروازہ ہے۔ (دفتر سوم مکتوب ۴۵)

Marfat.com

جامعیت قلب

الغرض دل کو عرش پر فضیلت جزئی حاصل ہے کیونکہ دل عاشق ذات ہے جبکہ عرش یہ فضیلت نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ انسان کو خلافت و نیابت خداوندی کا افتخار حاصل ہوا۔

کسی نے خوب کہا ہے۔

عرش و غزنین ہر دو یک طبق است
بلکہ غزنین شریف تر طبق است

یعنی غزنی عرش سے افضل ہے کیونکہ وہ عشق و سوز جو غزنی کے اولیاء کو حاصل ہے عرش اس سے بے بہرہ ہے۔

- دنیا بھر کے شعراء عشق و محبت اور احساس جمال کے سلسلہ میں سر کا نہیں بلکہ دل کا ہی ذکر کرتے ہیں اور مرکز محبت دل کو ہی قرار دیتے ہیں۔ دنیا بھر کے عرفاء اور صوفیاء بھی اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر عشق و محبت اور عرفان و ایقان کا ذریعہ دل کو ہی قرار دیتے ہیں۔ اور دل تک رسائی اور دل کی صفائی ہی ان کا مقصود ہوتی ہے۔ ایک عظیم فن کار کو فنی الہام دل سے ہی ملتا ہے۔ ایک عام آدمی بھی اپنے خلوص و صداقت کا اظہار دل کی طرف اشارہ سے ہی کرتا ہے۔ ہم سب تکیہ کلام کے طور پر "میرے دل نے کہا' میرے دل میں آیا' دل نے یوں چاہا' کے فقرے استعمال کرتے ہیں۔ فطرت انسانی کی یہ عالمگیر شہادت' دل کی عظمت اور اہمیت کی ناقابل تردید دلیل ہے۔

مادی طور پر بھی دل کا محل وقوع جسم کے وسط میں ہے۔ دل کی پہلی ضرب سے ہی جسم انسانی میں حیات ظاہری شروع ہوتی ہے اور دل کی حرکت کے بند ہونے سے ہی حیات مستعار ختم ہو جاتی ہے۔ دل ہی تمام اعضا کو حسب ضرورت خون کے رنگ میں جوہر حیات مہیا کرتا ہے۔ دل ہی میں مسرت و محبت سے انبساط اور نفرت سے انقباض پیدا ہوتا ہے دل کے

Marfat.com

ہی کھل جانے سے عالم ملکوت کے دریچے کھل جاتے ہیں اور انسان ملائکہ سے بھی زیادہ روشن ضمیر ہو جاتا ہے اور دیدہ دل ہی کی کورپنی سے ہی انسان بصارت و بصیرت سے محروم ہو کر اسفل السافلین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ بادشاہ مرکز میں بیٹھ کر اپنے ملک پر حکومت کرتا ہے اور تمام وظائف ملی کو انجام دیتا ہے۔ اسی طرح روح انسانی بھی قلب کے عرش پر بیٹھ کر ہی مملکت جسمانی کے نظم و نسق کو انجام دیتا ہے۔ دل منبع نور و سرور بھی ہے اور مرکز حسن و جمال بھی۔

مرزا بیدل نے کیا خوب کہا ہے

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرد سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن درآ

جب عالم خارجی سے ٹکراؤ کے ذریعے حواس میں ہیجان پیدا ہوتا ہے تو دل سے ایک شعور و نور کی ہلکی سی لہر اٹھ کر دماغ تک جاتی ہے اور حواس کو دید و شنید کی قوت عطا کرتی ہے۔ اگر دل سے شعور کی یہ لہر دماغ تک نہ جاتی تو دماغ بے کار ہوتا اور حواس معطل رہتے۔ دماغ کا دل سے یہ غیر شعوری رابطہ ہر آن قائم رہتا ہے اور اس مرکز شعور سے شعوری لہریں اٹھ اٹھ کر دماغ اور اس کے ذریعے حواس کو گرم اور کار فرما رکھتی ہیں۔ دل کی شعوری لہر جب محدود حواس کے ذریعے عالم خارجی کا ادراک کرتی ہے' تو محدود ہو جاتی ہے۔ جس طرح بحر بیکراں کا پانی جب چھوٹی نہر میں جائے گا تو محدود ہو گا اور اسی نسبت سے اس کی قوت بھی محدود ہو گی۔ لیکن اس کا رابطہ بحر بیکراں سے قائم رہے گا۔ اگر وہ رابطہ نہ ہو تو اس جوئے کم آب میں پانی کہاں سے آئے؟ یا یوں سمجھئے کہ آفتاب کی شعاع محدود رن میں ہم تک پہنچتی ہے۔ لیکن وہ دلیل آفتاب ہے اور وہ وہیں سے اکتساب نور کرتی ہے اور جہاں سے لہرا اٹھتی ہے وہیں جا کر گم ہو جاتی ہے۔ وہ آتی بھی مرکز سے ہے اور جاتی بھی مرکز کو ہی ہے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون** کے مفہوم پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا

Marfat.com

دریا سے یہ موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا

اگر آپ کو شعاع نور کے ساتھ ساتھ اس کے مرکز اور مبدا تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہاتھ آ جائے تو آپ مبدا نور تک پہنچ جائیں گے اور اگر دل سے اٹھ کر دماغ اور پھر حواس خمسہ تک پہنچنے والی شعوری لہر کا آپ تعاقب کرتے چلے جائیں تو آپ دل تک پہنچ جائیں گے۔

صوفیا حواس خمسہ کے عارضی تعطل سے عالم خارجی سے فکری رابطہ توڑ کر اپنی شعوری قوت کو نہاں خانہ دماغ میں مرکوز کرتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے دل میں غوطہ لگاتے ہیں اور مرکز نور و شعور تک پہنچ جاتے ہیں۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کا نسخہ مجرب اور جامع ہے۔

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند
گر نہ بینی سر حق بر من بہ خند

سر حق کا مقام دل ہے۔ دل عالم ناسوت و ملکوت کے درمیان برزخ ہے۔ یہ عالم فانی کو بھی دیکھتا ہے اور عالم باقی کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ یہ تعینات صورت و کثرت کا بھی ناظر ہے اور عالم بے کیف و کم کا بھی شاہد ہے۔ دل حق کا عرش' اسرار کا گنجینہ اور حقائق کا دفینہ ہے۔ دنیائے دل کائنات بے خزاں ہے۔ یہ وادی نور و سرور ہے۔ یہ طور تجلی ' محمل لیلیٰ' برزخ کبریٰ' آئینہ حق نما اور ترکش علم و عرفان کا تیر بے خطا ہے اس کی موت حقیقت انسانی کی موت اور اس کی زندگی حقیقی زندگی ہے۔ ۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

بحر قلب میں غواصی

دل انوار و تجلیات کا بحر زخار اور دریائے ناپیدا کنار ہے۔ عرفان کا در شہوار اس کی تہ میں موجود ہے۔ اور اس در یکتا تک وصول اور اس کا حصول ہی اصل مقصد ہے۔ لیکن سمندر میں غوطہ لگانا جان کو جوکھوں میں ڈالنا ہے۔ یہ بزدلوں اور کمزوروں

Marfat.com

کے بس کی بات نہیں۔ کم ہمت یہاں غرقاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن جان پر کھیل جانے والے کامیاب ہو جاتے ہیں سمندر سے موتی نکالنے والے غوطہ خوری سے پہلے بڑی تیاریاں کرتے ہیں۔ مہینوں اور سالوں تک وہ پیراکی اور حبس دم کی مشق کرتے ہیں۔ وہ گہرے پانی تک بتدریج پہنچتے ہیں۔ پھر مشق کے بعد جب اصلی غوطہ خوری کا وقت آتا ہے۔ تو وہ کپڑے اتار کر' دم روک کر' ناک اور کان بند کر کے' شوق و طلب کے بل بوتے پر سمندر میں کود جاتے ہیں۔ خارجی دنیا سے ان کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی دھن کے پکے' موتی کے تصور میں سب سے تعلق توڑ کر اس ایک شے مقصود کی دھن میں محو ہو کر قعر بحر تک پہنچ جاتے ہیں اور انجام کار گوہر مقصود کو پا لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح طالب حقیقت کو بھی گوہر عرفان کے حصول کے لیے اپنے دل میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔ ابتدائی مشقیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ بحر وحدت میں غوطہ لگانے کے لیے عالم کثرت سے منقطع ہونا پڑتا ہے۔ سمندر کے غوطہ خورھی کی طرح حبس دم بھی کرنا پڑتا ہے اور ظاہری حواس کو باطنی حواس کی بیداری کی خاطر' عارضی طور پر ایک حد تک معطل بھی کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں ایک طویل جدوجہد کے بعد' گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔ بزدل رہ جاتے ہیں' کم ہمت گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن طالبان صادق موجوں کے تھپیڑے کھاتے ہوئے گرداب سے لڑتے ہوئے' بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ وہ طلب کی کشتی میں سوار ہو کر صبر کے چپو چلاتے ہوئے آخر کار ساحل مراد تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔

عقل جزئی و عقل کلی

عقل جزئی کا مرکز سر ہے' جہاں سے وہ حواس خمسہ کے ذریعے عالم کثرت سے رابطہ پیدا کرتی ہے اور عالم رنگ و بو اور دنیائے صوت و صورت کے مشاہدہ میں محو رہتی ہے' تا آنکہ وہ اپنے آپ کو اسی دنیائے آب و گل کا مکین یقین کر لیتی ہے۔ لیکن عقل کلی کا مرکز دل ہے اور اس کا مقصود مکاں کی بجائے لامکاں اور عالم کثرت کی بجائے' دنیائے وحدت ہے۔ روح انسانی سر کے ذریعے عالم کثرت سے تعلق قائم رکھتی

Marfat.com

ہے اور دل کے ذریعے عالم وحدت سے مربوط رہتی ہے۔

دیدہ سر کی بیداری کثرت نما ہے اور دیدہ دل کی بیداری وحدت نما ہے۔ غیر بینی عقل کا شعار ہے لیکن یار بینی پر دل کا مدار ہے۔ عقل کا مقصود ماحول سے تطابق ہے لیکن دل دانائے راز ہے۔ عقل کا حاصل اضطراب ہے۔ لیکن دل کا انعام اطمینان ہے۔ بہار سرمدی اور اطمینان ابدی دل والوں کا ہی انعام ہے اس دنیائے شک و اضطراب کو دل والوں کی ضرورت ہے تاکہ اضطراب' اطمینان سے اور شک یقین سے بدل سکے۔ یقین شہود سے ملتا ہے اور شہود دل کی بیداری سے حاصل ہوتا ہے اور دل کی بیداری' صحبت' نسبت' اور ذکر و فکر سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

فرمان خداوندی **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** میں اسی امر کی خبر دی گئی ہے۔

ہر چند پیر خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گاہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

علم لدنی

اصلی علم وہ ہے جو نور عطا کرے اور بندے کو خدا تک پہنچا دے علم نبوت کے ساتھ نور نبوت بھی لازمی ہے۔ **قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین** میں نور سے مراد نور نبوت ہے اور کتاب سے مراد علم نبوت ہے اور ان دونوں کا محل قلب مومن ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت فرماتے ہیں کہ

العلم علمان فعلم الباطن فی القلب فذالک ھو العلم النافع یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ اور علم باطن قلب میں ہے پس وہی علم نافع ہے' (احیاء العلوم جلد سوم) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہے جس کو اللہ کے نور سے پردہ کے پیچھے کی چیز نظر آئے۔

ابو یزید فرماتے ہیں۔ عالم وہ نہیں کہ کتاب میں سے کچھ پڑھ کر یاد کرے اور جب بھول جائے تو جاہل رہ جائے' بلکہ عالم وہ ہے جو علم اشیاء براہ راست اپنے

Marfat.com

پروردگار سے جب چاہے حاصل کرے۔ اسی کو علم لدنی کہتے ہیں اور **واتیناہ من لدنا علما** سے یہی علم مراد ہے۔

قلب کے دو دروازے

بمطابق حدیث مبارکہ' رویائے صالحہ (نیک خوابیں) نبوت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک جزو ہیں۔ اس سلسلہ میں سچی خوابیں معتبر دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر خواب میں کشف حقائق ہو سکتا ہے تو بیداری میں کیوں وقوع پذیر نہ ہو گا جو آدمی سچے خوابوں کی تصدیق کرے گا' اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ قلب کے دور دروازے ہیں۔ ایک خارج یعنی حواس کی طرف' اور دوسرا باطن یعنی عالم ملکوت کی طرف جس کو الہام و وحی کا دروازہ کہتے ہیں۔ قلب کا جو دروازہ ملکوت کی طرف ہے وہ مجاہدہ' ورع اور انقطاع شہوات سے کھلتا ہے۔ اس کے لیے کاملین کی توجہ اور صالحین کی صحبت اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی دروازے سے دل میں ایک قوت آتی ہے جس کو نور الٰہی کہتے ہیں۔ خدا تعالٰی فرماتا ہے۔

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ

اسی قوت نورانیہ کو بصیرت قلبی اور فراست ایمانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو لوگ اہل اللہ کی صحبت اور توجہ کے فیضان سے محروم رہتے ہیں وہ اس نور سے بھی فیضیاب نہیں ہو سکتے۔

نہیں سیکھا انہوں نے دین رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

(اکبر الہ آبادی)

Marfat.com

مرشد کی ضرورت و اہمیت

وابتغوا الیہ الوسیلۃ (المائدہ)

صاحب روح البیان نے صراحت فرمائی **وھی علماء الحقیقۃ و مشائخ الطریقۃ** یعنی وسیلہ سے مراد علمائے حقیقت اور مشائخ طریقت (پیران عظام) ہیں آیت مبارکہ **کونوا مع الصادقین** (التوبۃ) میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔

الصادقون ھم المرشدون (روح البیان) یعنی صادقین سے مراد طریقت کے مرشد و رہنما ہیں۔ حضرت مولانا رومؒ نے مرشد کی ضرورت اور اہمیت کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خنجر تیزے نہ شد
ہیچ تلمیذے نہ شد استاد کار
تا کہ تلمیذے شکر ریزے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامے شمس تبریزے نہ شد

تعلیم و تربیت کے لیے تزکیہ لازم ہے

علم حاصل کرنے کے لیے معلم کی اور تربیت کے لیے مربی کی ضرورت ہوتی

Marfat.com

ہے۔ اسی طرح حصول معرفت اور اصلاح سیرت کے لیے بھی' کسی عارف اور مصلح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر صرف قولی براہین یا تحریری دلائل سے ہی' انسانی صلاح و فلاح کا کام چل جاتا۔ تو آسمانی کتابوں کے ساتھ انبیاء کی بعثت نہ ہوتی۔ صرف نزول کتاب ہی کافی ہوتا۔ لیکن اس کتاب کی تعلیم اور وضاحت کے لیے نیز انسانوں کے باطنی تزکیہ اور تصفیہ کے لیے انبیاء کا وجود لازم ہے کہ بغیر انسانی رفاقت و صحبت کے تزکیہ نفس و تصفیہ قلب ممکن نہیں۔ اسی لیے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت اور مقاصد بعثت کے سلسلے میں فرمایا گیا۔

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب و الحکمتہ

تزکیہ فطرت انسانی کی بیداری اور قبول حق کے لیے تیاری کا نام ہے۔ باطل افکار و اوہام' قلب انسانی کے وہ حجابات ہیں جو خدا شناسی اور خود آگاہی کی راہ کی رکاوٹ ہیں۔ ان کا دور کرنا' شہود حق کے لیے ضروری ہے۔ وہی کپڑا صحیح رنگ کو قبول کرتا ہے جس کا میل کچیل اور داغ دھبے پہلے دور کر دیئے جائیں اور وہی زمین تخم ریزی اور اس کی نشو و نما کے قابل ہوتی ہے' جس میں سے پہلے گھاس پھوس اور فالتو جڑی بوٹیوں کو دور کر لیا جائے۔ کپڑے کی یہ دھلائی اور زمین کی یہ تیاری ہی وہ تزکیہ ہے' جو فطرت اور صلاحیت کی بیداری کے لیے لازم ہے۔

کتاب و حکمت کی تعلیم سے پہلے' تزکیہ ہی انبیاء کی تربیت و تعلیم کا اصول ہے اور یہ تزکیہ فیضان صحبت و معیت ہی سے ممکن ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تمام امت کے اولیاء اور صلحاء پر برتری ثابت نہ ہوتی۔ کتاب تو آج بھی من و عن موجود ہے اور اس پر عمل کرنے والے بھی موجود ہیں۔ لیکن صحابہ کرامؓ کے مرتبہ اور مقام کو کوئی اس لیے پا نہیں سکتا کہ نبوت کی جو صحبت و معیت انہیں حاصل تھی' وہ ہم کو حاصل نہیں' جو تزکیہ' نبی کریم علیہ السلام کے فیضان نظر سے انہیں نصیب ہوا' وہ ہمیں حاصل نہیں اور یہی وہ امتیاز ہے جو انہیں تمام امت سے ممتاز بنا دیتا ہے۔

Marfat.com

حضرت اقبال' فیضان نظر اور برکت صحبت کی اہمیت کو انسانی تربیت اور بیداری صلاحیت کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں اور بار بار اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

صحبت روشن دلاں یک دم' دودم
آں دودم سرمایہ بود و عدم
عشق را شوریدہ تر کرد و گذشت
عقل را صاحب نظر کرد و گذشت

○

کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستانے کاملے

○

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

○

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

سورۃ فاتحہ میں خالق کائنات نے مومنین کو طلب ہدایت کا اسلوب بھی سکھایا اور اس کا مفہوم بھی سمجھایا۔ مومن جب معرفت اور ہدایت کے لیے صراط مستقیم کے حصول کی دعا کرتا ہے تو **اھدنا الصراط المستقیم** کے الفاظ اس کے لبوں پر آتے ہی صراط مستقیم کا مفہوم بھی اس پر واضح ہو جاتا ہے یعنی **صراط الذین انعمت علیھم** (یعنی انعام یافتہ لوگوں کی راہ) اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب منزل اور فائز المرام ہو چکے ہیں۔ پھر ان کی نشاندہی بھی فرما دی گئی ہے۔

اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین یہ حسب معرفت مومنین کے مدارج کی وضاحت ہے اور مقصد ان کی رفاقت و معیت ہے۔ **وحسن اولئک رفیقا** دیکھئے یہاں بھی صراط مستقیم کی نشان دہی

Marfat.com

علمی اور منطقی انداز میں نہیں کی گئی۔ بلکہ برگزیدہ اور چیدہ افراد کی نشاندہی کے بعد ان کی رفاقت کی اہمیت کی وضاحت پر ہی اکتفا کی گئی ہے۔ کہ تعلیم و تربیت کا فطری طریقہ معیت و رفاقت ہی ہے۔

علماء کرام کا طبقہ اذہان کو زیور علم سے آراستہ کرتا ہے تو اولیاء کرام کا طبقہ قلوب کو تزکیہ اور تصفیہ کے ذریعے' ذوق و شوق اور اذعان و یقین سے مزین کرتا ہے کہ یہ دونوں امور' نبوت کے مقاصد میں شامل تھے اور تعلیم و تربیت ہمیشہ دوش بدوش چلتی رہے گی۔ اس لیے یہ دونوں امور تکمیل کردار انسانی و تشکیل اطوار اسلامی کے لیے لازم ہیں۔

علم باطنی کی فضیلت

ووجدا عبدا من عبادنا علمناہ من لدنا علما (پ ع)

علم لدنی یا علم باطن کی فضیلت اور اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ اپنے وقت کے صاحب کتاب رسول کو اس علم کے حصول کے لیے' سفر کا حکم ملا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی معیت و صحبت میں رہنے اور ان سے علم باطنی حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا' اگر یہ علم غیر ضروری ہوتا تو اتنے بڑے برگزیدہ نبی کو اس کے حصول کا کیوں حکم ہوتا اور پھر سفر اور معیت میں اتنا وقت صرف کرنے کا کیوں ارشاد ہوتا پھر اس واقعہ میں جہاں علم باطن کی اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے وہاں اس کے حصول کے آداب و ضوابط بھی واضح فرمائے گئے چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واضح فرمایا کہ مکمل تسلیم و رضاء اور تنقید سے اجتناب' حصول علم باطن کی بنیادی شرط ہے۔ یہ معاملہ تنقید عقلی سے ماورا ہے اور صرف تسلیم قلبی ہی اس کے حصول کا ذریعہ ہے۔ گرتی ہوئی دیوار کو بلا معاوضہ مرمت کر دینا' بچے کو بظاہر بلا جواز مار دینا' اور بلا اجرت پار لگانے والے ملاحوں کی کشتی کو توڑ دینا' یہ سب امور' عقل ظاہری کے نزدیک سخت قابل اعتراض تھے۔ لیکن باطنی طور پر گہری حکمت کے حامل تھے۔ پس ایک ہی واقعہ عقل جزئی کے نزدیک مذموم لیکن

Marfat.com

شعور باطن کے لیے محمود ہوتا ہے۔ عقل جزئی جہاں شر دیکھتی ہے۔ عقل کلی وہاں خیر پاتی ہے۔ پس یہ بھی ثابت ہوا کہ تعلیم و تربیت کا بنیادی اصول ابتداء میں صرف مرشد اور مربی کی ذات پر اعتماد ہے۔ تنقید اس راہ کا حجاب ہے اور تسلیم پر حصول فیض کا مدار ہے۔ عارف رومی کا طالبان راہ کو یہی مشورہ ہے۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں • سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر
چوں گزیدی پیر ہمیں تسلیم شو!
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن
گرچہ طفلے راکشد تو مو مکن

صحبت شیخ

صحبت شیخ مرید کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے صحابہ کرام صحبت رسالت ماب علی صاجہا الصلوات کی وجہ سے ہی صحابی کہلاتے ہیں' آئت قرآنی والذین معہ میں صحبت و معیت ہی کی فضیلت کا بیان ہے۔

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ علیہ' عوارف المعارف میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تمام روحانی ترقیوں کا سرچشمہ مشائخ کی محبت ہے۔"

شیخ ایک ایسا دروازہ ہے جسے خداوند تعالیٰ اپنے آستانہ کرم کی طرف کھولتا ہے شیخ کے ذریعے ہی مرید کے تمام دینی اور دنیاوی امور انجام پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل شیخ کے وسیلے سے ہی مرید پر نازل ہوتا ہے۔

مرید کی تربیت کا دور دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ پہلا شیر خوارگی کا دور ہے اس میں طفل معصوم جس طرح تمام امور میں ماں کی ہدایت و حفاظت کا محتاج ہوتا ہے اور کسی بھی وقت ماں سے مفارقت اس کے لیے مضر ہوتی ہے۔ اسی طرح تربیت کے

Marfat.com

دور اول میں مرید کو ہمہ وقت مرشد کی حاضری' محبت اور توجہ کے دائرہ میں رہنا ہوتا ہے اس مرحلہ پر مرشد کی اجازت کے بغیر اس سے علیحدگی یا امور دنیا میں مصروفیت منع ہوتی ہے۔ اور ظاہری اور باطنی دائمی محبت و معیت پر ہی مرید کی تربیت کا مدار ہوتا ہے دوسرے مرحلہ میں جس طرح بچہ اپنے پاؤں پر چل سکتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کھانا کھا سکتا ہے اور نفع و ضرر سے آشنا ہو کر اپنی حفاظت کر سکتا ہے تو پھر ماں کی آغوش سے علیحدگی جائز ہوتی ہے۔ اسی طرح باطنی ترقی اور پختگی کے بعد مرید شیخ سے ظاہرا" دور بھی ہو سکتا ہے۔ گو اس حالت میں بھی وہ باطنی طور پر شیخ کے دائرہ تصرف میں ہی ہوتا ہے۔

تعلیم غوثیہ میں حضرت شاہ غوث علی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"مرید اپنے تمام حالات بے کم و کاست شیخ کی خدمت میں بیان کرے تاکہ پیر اس کی تربیت میں کوشش کرے اور فطور سے اسے محفوظ رکھے۔ مرید مبتدی' پیر کی حضوری میں مودب رہے اور غیبت میں بصورت مراقبہ حاضر رہے۔ مرید کو لازم ہے کہ ہمیشہ پیر سے جویائے حقیقت رہے۔ جب پیر کامل مل جائے' تو اس کے حکم کا فرمانبردار رہے اور اس سے تمسک اور اس کی اطاعت کو اپنے پر لازم کرے۔ اور ہمیشہ شیخ کے باطن میں عکس ذات حق کو دیکھے کہ پیر کی ذات آئینہ حق نما ہے۔

جیسا کہ پیر رومی نے فرمایا ہے۔

چوں تو ذات پیر را کر دی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

دو مداں و دو مبیں و دو مخواں
خواجہ را در خواجہ خود محو داں

گر جدا بینی ز حق ایں خواجہ را
گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

پیر و حق از احولی ہر کہ دو دید

Marfat.com

نے مرید وے نے مرید وے نے مرید

پیر کامل و ناقص میں امتیاز

حقیقت و مجاز اور حق و باطل میں امتیاز بصارت سے نہیں بلکہ بصیرت سے ہی ممکن ہے اور بصیرت عوام کالانعام کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے بسا اوقات رہزن رہبر بن کر' سادہ لوح افراد کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ تشنہ لب طالب' صحرائے لق و دق کے مسافر کی طرح کئی بار سراب کو آب سمجھ کر لپکتے ہیں لیکن محرومی اور ناکامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تریاق کے دھوکے میں زہر کھا لینے والے کا اللہ ہی حافظ ہے۔ جہاں پیر کی طلب اور نسبت ضروری ہے وہاں صحیح پیر و مرشد کی معرفت ضروری ہے۔ ورنہ کامیابی سے ہمکنار ہونا دشوار ہے اس سلسلہ میں شریعت حقہ کی کامل پیروی اور اولیاء کاملین کا اتباع ہی وہ معیار ہے جس پر اصلی اور نقلی' اور سچے اور جھوٹے پیر کو پرکھا جا سکتا ہے۔

حضرت علامہ حسین کاشفی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑے عمدہ رنگ میں اس معیار کو بیان کیا ہے۔

پیرے کہ نہ چرخ سازدش پیر
خود را طلبد ز راہ تدبیر
پیرے کہ نہ قال غالب اوست
آں پیر کہ حال طالب اوست
پیرے کہ نہ آب و خاک بیند
آں پیرکہ جان پاک بیند
پیرے کہ نہ در خیال باشد
پیرے کہ بہ وجد و حال باشد
پیرے کہ نہ مبتلائے جاہ است
آں پیر کہ مقتدائے راہ است

Marfat.com

پیرے کہ نہ پائے بستہ باشد
پیرے کہ ز خویش رستہ باشد
پیرے کہ نہ ہمچو سایہ پست است
پیرے کہ ز نور عشق مست است
پیرے کہ نہ غائب است دور است
پیرے کہ ہمیشہ در حضور است
پیرے کہ محقق است و کامل
پیرے کہ مقرب است و واصل

منازل سلوک طے کیے بغیر فناء و بقا کی طویل اور مہیب وادیوں کو عبور کیے بغیر اور سیرالی اللہ' سیرفی اللہ' اور سیر عن اللہ باللہ کے اسرار و رموز کو سمجھے بغیر اگر کوئی ناقص' کاملوں جیسی وضع قطع بنا کر' حسن ظاہر کے حجاب میں' قبح باطن کو چھپا کر' اور رہبری کا لیبل لگا کر' رہزنی کا کاروبار شروع کر دے۔ تو ایسے ہی قطاع الطریق' طالبوں کو گمراہ کرتے ہیں اور فقراء کو داغدار کرتے ہیں۔ عارف رومیؒ نے انہی کے دام تزویر کی نشاندہی کرتے ہوئے انتباہ فرمایا ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست
رہزنے چوں نام خود رہ بیں کند
عامیاں را در ہلاکت افگند
آنکہ رہ ہرگز نہ داند اے رفیق
رہنمائی چوں کند اندر طریق
وائے آں طالب کہ در دامش فتاد
ہرچہ بودش نقد او برباد داد

ولی کی پہچان

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ "مالا بدمنہ" کے آخر میں لکھتے ہیں

Marfat.com

"کہ ولی در قرآن شریف متقی را گویند' و در حدیث شریف علامت اولیاء اللہ فرمودہ کہ از صحبت او خدا یاد آید' یعنی محبت دنیا در صحبت او کم شود و محبت حق زیادہ گردد"۔

یعنی ولی قرآن شریف میں متقی کو فرمایا گیا ہے۔ اور حدیث شریف میں اولیاء اللہ لی یہ علامت بیان کی گئی ہے کہ ان کی صحبت میں رہ کر دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور حق کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔

یہی معیار حضرت اقبالؒ نے بھی بیان فرمایا ہے۔

تو نے پوچھا ہے امامت کی حقیقت کیا ہے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

پیر و مرشد کا ربط باہم

سلسلہ طریقت پیر اور مرید کے رابطہ پر مبنی ہے لیکن یہ رابطہ دوسرے عام روابط سے منفرد ہوتا ہے' تسلیم و رضا' خلوص و وفا پر اس رابطہ کا مدار ہوتا ہے مرید کی طرف سے انتہائی اطاعت اور پیر کی طرف سے انتہائی شفقت' تربیت باطنی کے دو بنیادی اصول ہیں اور پھر اگر مرید کی فطری صالحیت اور پیر کی مربیانہ تربیت' دونوں موجود ہیں۔ تو پھر کسی کامل شخصیت کا ظہور لازم ہوتا ہے جس طرح کی حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قبلہ شیخ مجدد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے ربط باہم سے' حضرت مجدد کے رنگ میں ایک شاہکار تربیت شخصیت وجود پذیر ہوئی۔ یا حضرت قبلہ خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے فیض تربیت سے حضرت قبلہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ جیسی نادرہ روزگار شخصیت ظاہر ہوئی۔

بہرحال یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ وادی طریقت "کا" لازمان و لامکان اور بے نام و بے

Marfat.com

نشان سفر، پیر کامل کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر کوئی استثنائی واقعہ اس کے خلاف ملے تو وہ الشاذ کالمعدوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں مرشد رومی کا ارشاد ملاحظہ فرمایئے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالع ترا طالع کند
کیف مدا لظل نقس اولیا ست
کہ دلیل سایہ نور خدا ست
اندریں وادی مرو بے ایں دلیل
لااحب الافلیں گو چوں خلیل
پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد
او ز غولاں گمراہ و در چاہ شد
ناتوانے ز اولیاء روبر متاب
جہد کن واللہ اعلم بالصواب
چوں شدی دور از حضور اولیا
درحقیقت گشتہ دور از خدا

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ کامل

قطب الاقطاب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

لیکن بداند کہ ایں قطع منازل و عروج مدارج وابستہ بتوجہ و تصرف شیخ کامل مکمل راہ داں راہ بیں راہ نما است کہ نظر او شافی امراض قلبیہ است و توجہ او دافع اخلاق ردیہ نامرضیہ الخ (دفتر اول مکتوب ۲۸۶)

Marfat.com

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ ان منازل کا قطع کرنا اور ان مدارج پر عروج کرنا شیخ کامل مکمل راہ داں' راہ بیں و رہنما کی توجہ اور تصرف پر مبنی ہے جس کی نظر امراض قلبی کو شفا بخشنے والی ہے اور اس کی توجہ ناپسندیدہ اخلاق کو دور کرنے والی ہے پس طالب کو چاہیے کہ اول شیخ کامل کی طلب کرے۔ اگر محض فضل خداوندی سے اس کو شیخ کا پتہ چل جائے تو شیخ کی معرفت کو نعمت عظمیٰ تصور کر کے ' اپنے آپ کو اس کا ملازم بنائے اور ہمہ تن اس کے تصرف کے تابع ہو جائے۔

شیخ الاسلام ہروی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الٰہی چیست اینکہ دوستاں خود را کردی کہ ہر کہ ایشاں را شناخت ترا یافت و تا ترا نیافت ایشان را نہ شناخت

یعنی "الٰہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے؟ کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پالیا۔ اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا

نیز فرمایا' مرید کو چاہیے کہ اپنے اختیارات کو کلی طور پر شیخ کے اختیار میں گم کر دے اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے ہمت اس کی خدمت کے لیے باندھے اور جو کچھ پیر فرمائے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جان کو بجا لائے۔ شیخ مقتدا اگر ذکر کو اس کی استعداد کے مناسب جانے گا تو اس کا امر کرے گا اور اگر توجہ اور مراقبہ کو اس کے مناسب حال سمجھے گا تو اس کی تلقین فرمائے گا اور اگر صرف صحبت ہی کو اس کے لیے کافی سمجھے گا تو اس کا حکم دے گا۔

الغرض شیخ کامل کی صحبت و معیت حاصل ہونے کے بعد' شرائط راہ میں سے کسی شرط کے متعلق فکر کرنے کی حاجت نہیں۔ جو کچھ طالب کے مناسب حال دیکھے گا فرما دے گا۔ اگر راستہ کی بعض شرائط میں تقصیر واقع ہوگی تو شیخ کی صحبت اس کا تدارک کر دے گی۔

پھر اگر مرادوں میں سے ہے تو اس کو اپنی طرف جذب کر لیں گے۔ اور محض

Marfat.com

عنایت بیغایت سے اس کا کام کر دیں گے۔ اور منازل سلوک کے قطع کرنے میں' بعض بزرگوں کی روحانیت کو اس کی راہ کا وسیلہ بنا دیں گے۔ کیونکہ اللہ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ راہ سلوک کے طے کرنے میں مشائخ کی روحانیت کا وسیلہ درکار ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی نے ایک مقام پر یوں فرمایا کہ:

اگر فرضا" ظلمتے و کدورتے طاری شود علاج آں التجا و تضرع و نیاز و شکستگی است بجناب قدس خداوندی جل سلطانہ' و توجہ تام است بمربی خود کہ وسیلہ حصول ایں دولت اوست (الخ (دفتر اول مکتوب ۲۱۸)

ترجمہ : اگر طبیعت پر ظلمت و کدورت طاری ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ حق تعالٰی کی بارگاہ میں التجا و زاری اور نیاز و شکستگی بجالائیں۔

اور اپنے مربی یعنی پیر کی طرف جو اس دولت کے حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔ پورے طور پر متوجہ ہوں اور حضور و غیبت میں اس بڑی دولت کے وسیلوں یعنی پیروں کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ اور ان بزرگوں کی رضا کو حق تعالٰی کی رضا کا وسیلہ بنائیں کہ نجات و خلاصی کا طریقہ یہی ہے۔

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں۔

و شیخ مقتدا را کہ برزخ میگویند باعتبار آنست کہ او در مقام برزخیت کہ مقام قلب است فرود آمدہ است واز ہر دو جہت روح و نفس حظے وافر گرفتہ است (الخ) (دفتر اول مکتوب ۲۴۷)

ترجمہ : شیخ مقتدا کو جو برزخ کہتے ہیں اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ مقام برزخیت میں جس کو مقام قلب کہتے ہیں' اترا ہوا ہوتا ہے اور روح و نفس کی ہر دو جہت سے حظ وافر حاصل کیا ہوتا ہے۔ روح کی جہت سے اپنے فوق و اعلٰی سے استفادہ کرتا ہے۔ اور نفس کی جہت سے اپنے سے ادنٰی اور ماتحت کو فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ اس میں حق اور خلق کی توجہ دونوں جمع ہوتی ہیں۔ اور ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتیں۔ اسی لیے شیخ برزخ کو تشبیہ

Marfat.com

اور تنزیہ کا جامع کہتے ہیں۔

مثال

کوئی طفل معصوم اگر پہلی دفعہ کسی میلے یا شہر کے بارونق بازار میں جائے تو وہاں کی گوناں گوں دلچسپیوں' انواع و اقسام کے کھلونوں اور رنگا رنگ تماشوں کو دیکھ کر مسحور اور مبہوت ہو جاتا ہے۔ نہ تو اسے وقت کی اہمیت یاد رہتی ہے نہ اپنے گھر کا خیال آتا ہے تاآنکہ میلا اجڑ جاتا ہے اور بازار بند ہو جاتا ہے تو پھر وہ طفل ناداں اس تاریک اور اجنبی ماحول میں' لرزاں اور ترساں اپنے گھر اور ماں کی محبت بھری آغوش کو یاد کرتا ہے۔ اسی طرح عالم وحدت سے جب روح عالم کثرت میں آتی ہے تو حجاب عقلی کے زیر اثر یہاں کی گوناگوں دلچسپیوں میں کھو جاتی ہے۔ عالم قدس کا یہ طائر آزاد قفس کو آشیاں اور اسیری کو آزادی سمجھ بیٹھتا ہے اور قفس کی عارضی راحت اور صیاد کی مہیا کردہ غذا کی لذت میں کھو کر' باغ جناں کی لامحدود وسعتوں اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کسی طائر آزاد کی آواز اسے کبھی کبھار اپنے وطن اصلی کی یاد کو زندہ کر دیتی ہے۔ اور وہ قفس کی اسیری سے نفور ہو کر پھر سے آزادی کا جویا بن جاتا ہے۔

میلے میں کھو جانے والا طفل ناداں بھی اگر کسی معتبر اور بالغ نظر انسان کی انگلی تھام کر' سیر و تفریح کے لیے نکلتا تو بازار کی رونقیں بھی دیکھ پاتا اور مرد دانا کی رفاقت اور حفاظت کی وجہ سے سلامتی کے ساتھ گھر بھی لوٹ جاتا۔

پس عالم کثرت کی گوناں گوں مسحور کن دلچسپیوں اور عالم مجاز کی رنگا رنگ بوقلمونیوں میں کھو جانے سے بچ کر' عالم حقیقت کی طرف' کامیاب مراجعت کے لیے بھی' کسی مرد دانا کی رفاقت اور اطاعت ضروری ہے کہ وہ عارضی اور بے ثبات میلے کی وہمی اور غیر حقیقی دلچسپیوں سے بھی بچائے گا اور اطمینان و مسرت کی لازوال دنیائے حقیقت تک بھی پہنچائے گا دانائے راہ راہبر اور قوی محافظ ہوتا ہے۔ تو نہ راہزنوں کی یلغار ستاتی ہے اور نہ ہی راستہ کی پیچیدگی الجھاتی ہے۔ اسی لیے اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین

Marfat.com

پس صادقین کی معیت اور اولیاء کاملین کی رفاقت ہی حصول سعادت کا حتمی ذریعہ ہے اور **اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم الخ** کے مطابق انعام یافتہ لوگوں کی یہی پہچان ہے۔

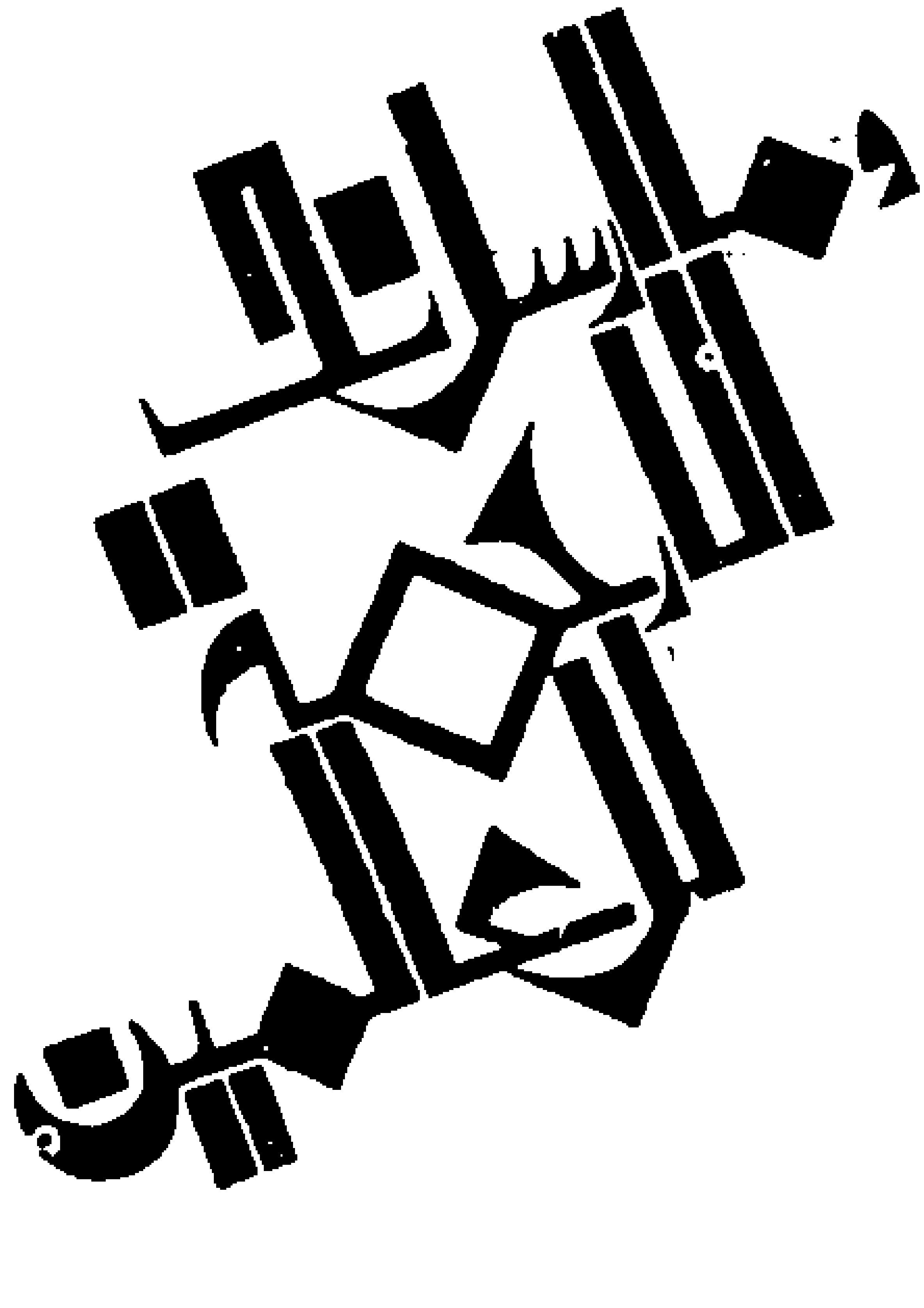

Marfat.com

تعلیمات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

مقصد تخلیق

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (سورہ الذاریات)

(ترجمہ) نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا **لیعبدون ای لیعرفون** یعنی انسانوں اور جنوں کو اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے' کیونکہ عبادت' معرفت کے بغیر نامکمل ہے۔ ثابت ہوا کہ شریعت اور طریقت دونوں سے مقصود معرفت (خدا شناسی) ہے اگر آپ کو معلوم ہی نہیں کہ ہمارا معبود کون ہے؟ ہمارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کی معرفت اور اس کی رضا کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ تو آپ عبادت کی روح اور حقیقت کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔

عارف اکمل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تخلیق کائنات کی حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسماء و صفات کے ظہور کا ارادہ فرمایا تو

Marfat.com

عدم کو آئینہ بنایا۔ کیونکہ عدم آئینہ ہے وجود کا اور مجاز آئینہ ہے حقیقت کا۔

تو اس عدم کے آئینے میں وجود نے اسماء و صفات کے ظلال کو ظاہر فرمایا۔ یہ تخلیق ہے اور جو کچھ تم دیکھتے ہو یہ اسماء و صفات کے ظلال ہیں۔ ہر نقص' ہر عیب' ہر بد صورتی' ہر قباحت' عدم کا خاصا ہے۔ اور ہر بلندی' ہر کمال' ہر خوبی' ہر جمال' وجود کا خاصا ہے۔ اب عدم سے نکلنا اور وجود تک جانا' عدم کی نفی کرنا اور وجود کا اثبات کرنا ہمارا اصل مقصد ہے تاکہ ہم عدمی تقاضوں سے الگ ہو کر وجودی تقاضوں کے ماتحت ہو جائیں۔ لیکن سوال یہ کہ ہم عدم سے وجود تک کس طرح پہنچیں؟

ضرورت شیخ

اس بات کو مولانا روم مست بادہ قیوم رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مثال کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک شہزادہ سیر کرنے گیا۔ راہ میں ایک بھنگن پر عاشق ہو گیا۔ تو عاشق ہو کر بھول گیا کہ میں کون ہوں؟ اس کو یاد نہ رہا کہ میری ماں کون ہے اور میرا باپ کون؟ میری نسل کیا ہے اور میری اصل کون؟ میں کون ہوں اور میرا خاصا کیا ہے؟ میں کہاں سے آیا ہوں اور میں نے کہاں جانا ہے؟ وہ بھنگن کے گھر جا کر بھنگی ہو گیا۔ سر پہ ٹوکرا رکھ کر ہاتھ میں جھاڑو لے کر گلیاں صاف کرنے لگا۔ گویا وہ فریب صورت کے جادو کا اسیر ہو گیا۔

تو اب اس کا علاج یہ ہوا کہ کسی صاحب بصیرت نے آ کر اس کو بتایا کہ بھلے آدمی تو بھنگی نہیں بلکہ شہزادہ ہے۔ تو صفائی کرنے والا نہیں' کرانے والا ہے۔ تو غلام نہیں' آقا ہے۔ تو پابند نہیں' آزاد ہے۔ تو اس بد بودار ماحول میں کیوں رہتا ہے تو تو خوشبو دار ماحول کا باسی ہے۔ اس نے اس کو اصل کی سیر کرائی' ماں باپ سے ملایا' تخت و تاج دکھایا تو شہزادے کو یقین آیا' تو پہلی بات یہ ہے کہ شہزادے کی غلط فہمی دور کی جائے اور اسے بتایا جائے کہ تو کون ہے؟ اور جو اس کو بتا دے کہ تو کون ہے اسی کو مرشد یا پیر کہتے ہیں۔

ہماری حالت بھی یہ ہے کہ ہم سب لامکان سے آئے اور مکان میں پھنس گئے۔

Marfat.com

لا زماں سے آئے اور زماں میں گرفتار ہو گئے۔ مقام روح سے آئے اور مادے میں مبتلا ہو گئے۔ جس طرح شہزادہ بھنگن کے گھر جا کر بھنگی ہو گیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ اسی طرح ہم اصل میں نورانی اور روحانی تھے مگر اس مادی دنیا میں آ کر مادے پر عاشق ہو کر ہم بھی مادی اور ظلمانی بن گئے اور ہم یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم مادی ہیں حالانکہ ہم حقیقت میں نوری ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغ دیدہ افلاک ہے تو
ترے صید زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو

دیکھئے! انسان ہاتھ پاؤں اور سر کا نام نہیں بلکہ انسان کی حقیقت کچھ اور ہے۔ غور کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو ہم سب نے جواب دیا تھا۔ بلیٰ ہاں تو ہمارا رب ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ اس وقت کون بولا تھا؟ ہمارے اعضاء بولے تھے؟ نہیں۔ یوم الست کو ہماری روحوں نے جواب دیا تھا۔

تو معلوم ہوا کہ ہم اس وقت مرتبہ روح میں تھے جب زمین' آسمان' سورج' چاند کچھ نہ تھا اور ہم میں شعور بھی تھا۔ اگر شعور نہ ہوتا تو سوال بے مقصد تھا۔ ہمارا بلیٰ کہنا دلیل ہے کہ ہم اس کے حسن کے آشنا تھے اور یہی عشق ہے۔ اس کا پوچھنا اور ہمارا کہنا' وہ حسن ہے اور ہم عشق ہیں۔ بس حسن اور عشق کا رابطہ قائم ہو گیا۔ تو پھر دنیا میں آ کر ہم نے اس ازلی عشق کو' اس مقدس وعدے کو بھلا دیا اور اس دنیا کے صور و اشکال' تصورات حسن و جمال اور جلوہ ہائے پابہ رکاب میں پھنس کر رہ گئے۔ عورت اور دولت' عزت اور شہرت سے دل لگا بیٹھے اور حقیقی مقصد ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

واہ حسرتا! ہائے افسوس!

اب مرشد کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیں بتائے کہ تمہاری اصل کیا ہے؟ تمہارا محبوب

Marfat.com

کون ہے؟ تم مادی ہو یا نوری' فانی ہو یا باقی' مکانی ہو یا لا مکانی' زمانی ہو کہ لا زمانی اور یہی پہلی معرفت ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

مکانی ہوں کہ آزاد مکاں ہوں
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں

تو سوال یہ ہے کہ اب ہمیں اس مادی اور فانی دنیا سے کون نکالے۔ کس طرح نکالے۔ نکالنے والے کو مرشد کہتے ہیں اور نکالنے کے لیے بڑے طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ رابطہ' دوسرا طریقہ ذکر' تیسرا طریقہ مراقبہ ہے۔ پھر محاسبہ ہے پھر منزل بہ منزل ذات احدیت کے جلووں میں حیرت اور محویت و استغراق' **اللھم ارزقنا**

تصور شیخ اور رابطہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ذکر کے ذریعے نفس کا تزکیہ اور باطن کا تصفیہ کرایا جاتا ہے۔

طریقت نقشبندیہ کا امتیاز

ذکر دو طرح کا ہے۔

ا۔ اسم ذات اللہ ۲۔ نفی اثبات لا الہ الا اللہ۔

یہ سب سے بڑا اور کامل ترین نسخہ ہے۔ **ولذکر اللہ اکبر'** لیکن یہ ذکر کس طرح کیا جائے۔ نقشبندی خاندان میں ذکر کا طریقہ اسبق اور اقرب الی الذات ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کسی دوسری طریقت یا اس کی تعلیم پر اعتراض یا تنقید کرتا ہوں۔ **استغفر اللہ العظیم** میں سب خاندانوں کا خادم ہوں' سارے ہی پاکباز ہیں۔ انہوں نے گمشدہ انسانیت کو خدا تک پہنچایا ہے۔ چونکہ مجھے خاندان نقشبندیہ کا فیض پہنچا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ میرے روحانی مربی ہیں۔ مریض اسی طبیب کی تعریف کرتا ہے جس کی دوا سے اسے شفا ملے۔ میرے لئے کامل حکیم وہی

Marfat.com

ہے جو مجھے تندرست کرے۔ چونکہ مجھے میرے شیخ مجدد الف ثانیؒ نے منزل تک پہنچایا۔ خدا کا جلوہ دکھایا ہے۔ شک اور شبہ ہٹایا ہے اور مجھ کو بندہ بنایا ہے۔ لہٰذا میں اپنے مرشد کی بات کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ذکر تو سب طریقوں میں کیا جاتا ہے۔

"لا الہ الا اللہ"

لیکن وہ صرف اثبات کرتے ہیں' تجلی صوری کا مشاہدہ کرتے ہیں یعنی مجاز اور حقیقت کو ملا کر مخلوق کو خالق کا مظہر قرار دیتے ہیں اور مخلوق کو خالق کی طرف لے جا کر' حق اور خلق کو ملا کر خلق کے آئینے میں حق کو دیکھتے ہیں پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ کامل لوگوں کے سوا اکثر لوگ مخلوق میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نقشبندی طریقت کا امتیاز یہ ہے کہ جب کلمہ **لا الہ الا اللہ** کا ذکر کرتے ہیں تو اثبات کا دائرہ وسیع نہیں کرتے بلکہ ہم نفی کا دائرہ وسیع کرتے ہیں۔ تجلی ذاتی' دائمی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور نفی پر زور دے کر صور و اشکال کی دنیا کو **لا الہ** کی ضرب سے مٹا کر **الا اللہ** کی ضرب سے جلوہ یار دکھا کر مقام ذات تک پہنچا دیتے ہیں۔ **فالحمد للہ علی ذالک**

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھے مئے **لا الہ الا ھو**

سیر آفاقی و انفسی

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو بھول جانا یہ ہے فنا' ماسوی اللہ کی دو قسمیں ہیں آفاق اور انفس' سیر آفاقی میں ماسوی اللہ کی نفی کی جاتی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے چاند' سورج اور ستاروں کی نفی کر کے صرف ذات کا اثبات کیا۔

ہم سیر آفاقی میں چیزوں کا حسن دیکھ کر خدا کی تعریف نہیں بلکہ ان کی ناتمامی کے سبب ان کی نفی کر کے ذات کا اثبات کرتے ہیں۔ جب ہم ذکر نفی اثبات کرتے ہیں تو اپنے سے باہر ہر چیز کی نفی کرتے ہیں۔ اس کو فنائے قلب کہتے ہیں۔

تو جناب والا! اب دل تو ایک ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ دل میں بندے بھی

Marfat.com

ہوں اور جانور بھی' کارخانے بھی ہوں اور فیکٹریاں بھی' دولت بھی ہو اور عورت بھی اور ایک کونے میں آ کر خدا بھی سما جائے بھلا جو انسان دل کو سرائے بنا بیٹھے اور خانہ کعبہ میں گھوڑے باندھے' دنیا کی دولت اور سامان کو دل میں جگہ دے اور پھر یہ خواہش کرے کہ ایک کونے میں یار بھی آ جائے۔ وہ کتنا نادان ہے۔ یار تو اتنا بے نیاز ہے اتنا غیرت مند ہے کہ وہ کہتا ہے دل سے سب کچھ نکال دے۔ دل کو ہر کوڑا کرکٹ اور غلاظت سے پاک کر' حتی کہ تو بھی نہ رہے گا تو میں اس وقت آؤں گا۔

تا بجاروب لا نہ روبی راہ
کے رسی در مقام الا اللہ

سیر انفسی میں اپنی بھی نفی کر دی جاتی ہے۔ یہ ہے فنائے نفس' اس فنا سے نفس' مطمئنہ ہو جاتا ہے اور بقا کی منزل حاصل ہو جاتی ہے قرآن پاک میں اسی مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ (الفجر)

(ترجمہ) اے نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے رب کی طرف' تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

سالک کو چاہئے کہ انفس و آفاق سے گزر کر اس کے ماوراء کی سیر کرے اسی کو حدیث میں جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ بعض لوگ کئی کئی برس تک سیر آفاقی کرتے ہیں اور چیزوں کا حسن و جمال دیکھ کر ان کو خدا کی دلیل بناتے ہیں۔

لیکن ہم چیزوں کا حسن دیکھ کر اس کو خدا کی دلیل نہیں بناتے بلکہ ہر چیز کی نفی کر کے ذات کا اثبات کرتے ہیں۔

حقیقت دنیا

ہمارے نزدیک دنیا و مافیہا کچھ بھی نہیں۔ یہ دنیا محض وہم ہے یا خواب۔ اگر اس دنیا کو حقیقی سمجھو گے تو لاکھ عالم بن جاؤ' عابد بن جاؤ' مبلغ بن جاؤ' دنیا کے مکر و فریب سے کبھی نہ بچ سکو گے۔ بچو گے کب؟ جب تمہیں (تعلیمات مجددیہ کے مطابق) اس

Marfat.com

بات کا یقین ہو جائے گا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں' یہ نقل ہے اصل نہیں۔ خواب ہے حقیقت نہیں۔ جس طرح ٹی وی پر توپ چلے تو ہم ڈرتے نہیں' شیر گرجے تو ہم بھاگتے نہیں۔ بڑی خوبصورت عورت آئے تو ہم عشق نہیں کرتے کیونکہ ہمیں پتہ ہے یہ نقل یا تصویر ہے اصل یا حقیقت نہیں۔ اسی طرح نقشبندی مجددی درویش اس دنیا کو وہم و خیال' سراب و خواب' غیر حقیقی اور فانی شے سمجھتا ہے۔ اس سے دل نہیں لگاتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اس کی مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ مثلاً" ایک لاٹھی کے سرے پر آگ لگائی جائے اور جب کوئلہ خوب سرخ ہو جائے تو اس لاٹھی کو زور سے گھمایا جائے تو دور سے دیکھنے والے کو ایک دائرہ سا معلوم ہو گا۔ حالانکہ آگ کا دائرہ ہرگز نہیں۔ صرف لاٹھی گھمانے سے دائرہ کا طلسم اور وہم پیدا ہوا ہے۔ دیکھنے والوں کو واقعی اور حقیقی نظر آتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں جس طرح کوئلے کی گردش سے تمہیں دائرہ نظر آتا ہے حالانکہ ہوتا کوئی نہیں۔ اسی طرح کائنات کا طلسم اور وہم ہمیں نظر آتا ہے لیکن ہے کچھ بھی نہیں۔

یہ ہے سلوک مجددیہ کی تعلیم! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ دنیا کے متعلق یہ نظریہ ذہن میں بٹھالیں تو شیطان آپ سے دور بھاگ جائے گا اور آپ حقیقی منزل پالیں گے(انشاء اللہ)

لیکن اگر آپ نے دنیا کی چیزوں کو' عورت کے حسن کو' شیرینی کے ذائقہ کو' اقتدار اور حکومت کے نشے کو واقعی اور حقیقی سمجھ لیا تو آپ اس دنیا کے فتنوں سے کبھی نہیں بچ سکیں گے۔

تم اکثر خوابیں دیکھتے ہو۔ خواب میں شادیاں کرتے ہو۔ بیوی کے پاس جاتے ہو۔ بچے جنتے ہو۔ مار کھاتے ہو' درد ہوتا ہے' خون بہتا ہے' ڈر لگتا ہے' کبھی موت بھی واقع ہو جاتی ہے لیکن جب جاگتے ہو تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔

بس یہی دنیا ہے۔ جب خواب سے آنکھیں کھلتی ہیں تو پتہ چلتا ہے جو ہنگامہ

Marfat.com

دیکھا تھا وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اسی طرح جب مر گئے آنکھیں بند ہوں گی تو پتہ چلے گا کہ دنیا کا جو ہنگامہ میں دیکھ رہا تھا وہ کچھ بھی نہ تھا۔ میں گویا خواب دیکھ رہا تھا یا وہم ہو گیا تھا۔ یہی فرق ہے دنیا دار اور درویش میں۔ دنیا دار کو مر کر پتہ چلتا ہے کہ دنیا فضول شے تھی اور درویش کو پہلے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ دنیا بیکار شے ہے۔ اسی لئے درویش دنیا کی دلکشی میں ہرگز نہیں پھنستا۔ درد نے کہا۔

وائے وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

تو عزیزان گرامی! ہم سب اس دنیا میں سوئے ہوئے ہیں۔ غفلت میں ہیں' گرفتار نفس و بلا ہیں۔ خوابیں دیکھ رہے ہیں توہمات اور طلسمات میں پھنسے ہوئے ہیں۔

جب مرشد آتا ہے تو کہتا ہے لا الہ الا اللہ ہر چیز کی نفی کر کے اس وحدہ لا شریک کا اثبات کرا دیتا ہے۔ ہمیں خواب سے جگا کر حقیقت کا سراغ دلا دیتا ہے۔ بس مرشد کا کام یہی ہے کہ ہمیں جگا دے اور حقیقت تک پہنچا دے۔

اتباع سنت و شریعت

یاد رکھو! چلے' وظیفے' مجاہدے' ریاضتیں سب آسان ہیں۔ لیکن شریعت اور سنت پر عمل کرنا سب سے مشکل کام ہے۔ خاص کر فرائض کی ادائیگی نفس کے لیے بے حد بوجھل ہے۔

وانها لكبيرة الا على الخاشعين (البقرہ آیت نمبر ۴۵)

شریعت پر عمل کرنے ہی سے نفس کا تزکیہ ہو تا ہے۔ غیر مسنون چلے اور ریاضتیں بدعات کے زمرے میں آتی ہیں۔ بدعات کے ذریعے نفس مارنا شیطانی وسواس ہیں' نفس پر سب سے بوجھل چیز شریعت ہے۔ شریعت کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی اور معرفت کے بغیر یقین و ایمان کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اسی لیے نقشبندی خاندان کا کوئی خادم' کوئی طالب' کوئی سالک' اگر چاہے کہ وہ شریعت و سنت پر عمل کے بغیر محض وظیفوں اور چلوں سے سلوک نقشبندیہ طے کر سکے

Marfat.com

گا تو وہ کسی اور طرف جائے یہاں وہ چیز نہیں ہے۔

لیکن جب طریقت میں آ گئے تو تمہاری سب سے پہلی ریاضت' شریعت پر عمل کرنا ہے ظاہرا" باطنا" فرائض کو ادا کرنے کے بعد سنتوں اور نوافل تک جانا ہے۔ اسی سے قرب ولایت حاصل ہوتا ہے۔ ہر وہ چلہ یا ریاضت جو سنت کے خلاف ہو' بیکار ہے۔ اس سے فیض نہیں ملے گا۔

تعلیمات مجددیہ عین تعلیمات نبویہ علی صاحبہ الصلوات ہیں۔ سنت کی پابندی طریقت نقشبندیہ کا جمال اور نقطہ کمال ہے۔ حدیث نبوی ہے۔

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائتہ شہید

جس نے فساد امت کے وقت میری سنت کو لازم پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

معرفت اور قرب خدا کے درجات کا حاصل ہونا اتباع سنت پر موقوف ہے۔ عطائی حکیم کو اگر لوگوں کا علاج کرنے کا حکم دیا جائے تو وہ انسانوں کو مارتا جائے گا۔ کیونکہ نہ وہ بیماری کی تشخیص کر سکتا ہے نہ تجویز' اسی طرح آج کل اکثر وباء ہے کہ پیر کا لڑکا پیر بن جاتا ہے۔ نہ سلوک طے کیا نہ شریعت و سنت کی پابندی کا خیال' نہ آداب طریقت کا پاس' چونکہ پیر کے گھر جنم لیا ہے اس لئے لوگوں کو مرید بنانا شروع کر دیا ہے۔ تو پھر مریدوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاں
کار طفلاں تمام خواہد شد

راہ وہ دکھائے گا جس نے راہ دیکھا ہو اگر اندھے کے پیچھے پیچھے چلو گے تو وہ کنویں یا تاریک گڑھے میں گرا دے گا

مقام فنا

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم کے مطابق کم از کم ولایت کا درجہ فنا کا مقام ہے فنا نسیان ماسوی اللہ کا نام ہے۔ یعنی اللہ کے سوا کچھ یاد نہ آئے

Marfat.com

بالفرض اگر ہزار سال بھی عمر ملے تو اتنے عرصے میں تمہارے دل پر کبھی غیر کا خیال بھی نہ گذرے' اس کو فنا کہتے ہیں۔ فنائے نفس بھی ہو اور فنائے قلب بھی' فنائے خارجی بھی ہو اور داخلی بھی' تاکہ اسماء و صفات الٰہی کے ظلال میں سیر کرو۔ نقشبندی طریقت میں اس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں۔

ایسا انسان چھوٹا ولی ہے یہ بیعت بھی کر سکتا ہے اور مخلوق کو فیض بھی دے سکتا ہے۔

اگر سالک دائرہ ظلال سے گذر کر دائرہ اسماء و صفات میں داخل ہو جائے اور اس میں محویت حاصل ہو جائے تو اس کو ولائت کبریٰ کہتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ کی تجلیات نازل ہوتی رہتی ہیں پھر جو لوگ ان کے قریب بیٹھتے ہیں ان کے بھی دل زندہ ہو جاتے ہیں جو ان کے قریب سے گذر جاتے ہیں وہ بھی برکت پاتے ہیں بلکہ جو ان کو محبت سے دیکھ لیتے ہیں وہ بھی محروم نہیں رہ سکتے۔

اگر سالک اسماء و صفات کے دائرے سے آگے نکل کر دائرہ وجوب میں محو اور فنا ہو جائے وہاں نہ جہت رہے نہ سمت' نہ ظل رہے نہ صفت' بلکہ نہ کائنات رہے نہ اپنا آپ۔ اس کا نام ولائت علیا ہے یہ ولایت کا آخری درجہ ہے۔

مقام حیرت

اس کے بعد مقام حیرت ہے۔ یہی نقشبندی خاندان کی معرفت ہے۔ جہاں ہم نے پہنچنا ہے لیکن یہاں آئے کون؟ کس کو خبر ہے؟ یہ کیا مقام ہے؟ سبحان اللہ

ایک دفعہ میں کسی محفل میں قابو آگیا ایک آدمی نے نعت پڑھنی شروع کی تو اچھے بھلے آدمیوں نے ناچنا شروع کر دیا۔ بچے بھی ان کو دیکھ کر اچھلنے لگے میں حیران ہو گیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ عشق کہاں سے ظاہر ہو رہا ہے؟ ہمارا عشق وہاں سے ظاہر ہوتا ہے جہاں جسم اور عقل بھی نہ ہو' جسم کو خبر بھی نہ ہو اور روح لامکاں میں مشاہدہ ذات میں مصروف ہو۔

صورتش بر خاک و جاں در لامکاں
لا مکانے فوق وہم سالکاں

(رومیؒ)

Marfat.com

تو معلوم ہوا کہ یہ ناچنے کودنے والے ابھی مقام روح تک نہیں پہنچے۔ یہ تو جسم سے بھی باہر نہیں نکل سکے اور نہ انفس کی نفی کی ہے نہ آفاق کی (فیا للعجب) ہم نقشبندی بھی وجد کے قائل ہیں مگر ہمارا وجد یہ ہے کہ جب مرشد نگاہ کر کے پردے اٹھاتا ہے تو کبھی اسماء و صفات کے اور کبھی ذات کے جلوے دکھاتا ہے تو خدا کی قسم ایسی معرفت نصیب ہوتی ہے کہ اگر ہزاروں قیامتیں آ جائیں تو ہمارے ذوق اور معرفت میں ذرا بھر بھی فرق نہیں آتا اور دل' حضور ذات سے ایک لمحہ بھر بھی غافل نہیں ہوتا۔

یہ وہی فیض ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمارے مرشد اول کو سانپ ڈس رہا ہے لیکن جلوہ محبوب میں اس قدر محو ہیں ایسا وجد طاری ہے کہ سانپ کے ڈسنے کا احساس بھی نہیں۔ حضرت خاتم ولایت مولا علی رضی اللہ عنہ کے جسم سے نماز کی حالت میں تیر کھینچ لیا گیا۔ خون کے دھارے بہہ پڑے درد کا پتہ نہ چلا حضرت امام زین العابدین کا مکان نماز پڑھتے ہوئے جل گیا۔ آپ کو ایسی محویت تھی کہ مکان جل جانے کی خبر تک نہ ہوئی۔ تو میرے عزیزو! یہ ہے وجد' یہ ہے حال جو نقشبندی درویش کی متاع بے بہا ہے۔

ہمارے مرشد نے ہمیں شکلیں ہٹا کر اور صورتیں مٹا کر یار دکھایا ہے۔ ہم ہر ماسوی اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ دنیا کو استعمال ضرور کرتے ہیں لیکن دل میں جگہ نہیں دیتے۔ دولت' عورت اور دنیا سے حقیقی محبت نہیں کرتے بلکہ بالکل عارضی سا تعلق رکھتے ہیں وہ بھی نہ ہونے کے برابر۔

اب یہاں ہمارے پاس آئے کون ہم شکلوں سے ہٹاتے ہیں' رنگوں سے بچاتے ہیں۔ سب سے بیگانہ کر کے صرف یار کا جلوہ دکھاتے ہیں۔ اس راز کو سمجھے کون؟ یہ نسبت کبریت احمر سے زیادہ نایاب ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

نقشبندان عجب قافلہ سالار انند
کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

(حضرت جامیؒ)

Marfat.com

یہ وہ نسبت ہے جس کے متعلق امام ربانی مجدد الف ثانی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بارگاہ الٰہی سے القا ہوا۔

غفرت لک ولمن توسل بک واسطتہ او بغیر واسطتہ الی یوم القیامتہ۔

(مبدا و معاد)

ترجمہ۔ بخش دیا میں نے تجھ کو اور بالواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک تیرے سلسلے میں شامل ہونے والوں کو۔

حضرات محترم! یہ ہمارے لیے عظیم بشارت ہے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ حضرت مجدد کے مرید ہو کر بخشش تک ہی محدود نہ ہو جائیں۔ بخشش ہماری منزل نہیں وسیلہ ہے ہماری منزل نہ حور ہے نہ قصور ہے نہ اشیاء ہیں نہ کائنات' نہ اسما ہے' نہ صفات' ہماری منزل ذات ہے اور بس ذات۔

اور جس کی منزل ذات ہے' اس کے مرشد کی کیا بات ہے۔ اقبال نے مرد مومن کا یہی مقام بیان کیا ہے۔

مقام بندہ مومن کا ہے ورائے صفات
زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
حریم ذات ہے اس کا نشیمن ابدی
نہ خاک تیرہ لحد اور نہ جلوہ ہائے صفات

علامہ اقبال اور طریقت نقشبندیہ

اب علامہ اقبال کے متعلق خدا جانے اس کو نقشبندی نسبت کا فیض کس طرح پہنچا لیکن اتنا ضرور ہے کہ سرہند شریف کی پہلی حاضری نے اس کے قلب و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ جس کا اظہار اقبال نے اپنے متعدد اشعار میں کیا ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

Marfat.com

میں نے سنا ہے کہ اقبال میرے جد امجد حضرت خواجہ سید محمد امین قبلہ سرکار آلو مہاروی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کی نگاہ کا فیض پہنچا آپ نے درود شریف خضری تلقین فرمایا اور دعا و بشارت سے نوازا جس کا اعتراف اقبال نے اپنے احباب کے سامنے بھی کیا اور حضرت قبلہ میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا واقعہ تو کافی مشہور ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نقشبندی خاندان کا فیض انہی بزرگوں کی نظر سے ملا ہے اسی لئے اقبال بھی ہر شے کی نفی کرتا ہے۔ اقبال فیلسوف مشرق بھی ہے اور نقاد مغرب بھی ۔ آکسفورڈ کا پڑھا ہوا بھی ہے اور لنکن یونیورسٹی کا بیرسٹر بھی مگر جب اس سے پوچھا گیا کہ دنیا کیا ہے تو کہنے لگا۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ

اقبال نے اپنے اس کلام میں نقشبندی طریقت کی معرفت بیان کی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک بزرگ کے قریب سے گذر ہوا۔ وہ بزگ بڑے غور سے برتن کے اندر کچھ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو کہنے لگے۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر زلذت شرب مدام ما

یعنی میں پیالے میں صاف پانی ڈال کر اس میں چاند کا عکس دیکھ رہا ہوں رات کا وقت تھا اوپر چاند چڑھا ہوا تھا۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں جس طرح پانی میں چاند کا عکس دیکھ رہا ہوں اسی طرح مخلوق میں خالق کا عکس دیکھ رہا ہوں (مطلب یہ تھا کہ میں سیر آفاقی کر رہا ہوں) آپ فرمانے لگے خدا کے بندے چاند تو اوپر چڑھا ہوا ہے

Marfat.com

اور تو پیالے میں چاند دیکھ رہا ہے۔ اصل چھوڑ کر نقل کو کیوں دیکھتا ہے؟ حقیقت چھوڑ کر مجاز میں کیوں پھنستا ہے؟ منہ سیدھا اوپر کر' تیری گردن پر ورم تو نہیں۔ وہ دیکھ سامنے چاند چمک رہا ہے۔

بس عزیزان گرامی! بات یہ ہے کہ لوگ چاند پیالے میں دیکھتے ہیں اور نقشبندی مجددی لوگ چاند سیدھا دیکھتے ہیں یہ ہے نقشبندی طریقت میں معرفت ذات کا تصور! ہم لوگ مجاز کے پردے ہٹا کر صورت کے بت مٹا کر اور حقیقت کے دیس میں جا کر وحدت کے سمندر میں غوطہ لگا کر جلوہ یار سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اگر یہ معرفت بندے کو آ جائے تو دنیا کسی رنگ میں فقیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ کوئی حسن اور کوئی طمع' کوئی خوف اور کوئی غم درویش کو خدا سے بیگانہ نہیں کر سکتا۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

Marfat.com

حضرت خطیب الاسلام

کے

روحانی مکاشفات

(جو ہمیں ان کی خود نوشت ذاتی بیاض سے ملے)۔

حضرت امام جعفر صادقؓ اور حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانیؒ کی زیارت ہوئی اور جنت کا پھل کھایا ○ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس میں کئی بار خود کو عالم محویت میں گم پایا ○ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے سر پر اپنے فیض کی دستار رکھ دی ○ مکاشفہ میں جنت کی سیر فرمائی تو جنت کے پرندوں کے سرمدی نغموں سے آیت قرآنی **"سلام قولا من رب رحیم"** کی تلاوت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

جنت کا پھل کھایا

حضرت خطیب الاسلام رحمتہ اللہ علیہ اپنی خود نوشت ذاتی بیاض میں تحریر فرماتے ہیں کہ یکم فروری ۱۹۶۱ء کو موضع سہاری (شکر گڑھ) میں خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت ہی بزرگ صورت آدمی، مٹی کے کورے پیالے میں پانچ پانچ جامن ڈال کر تقسیم کر رہے ہیں، لینے والوں کا ہجوم ہے۔ میں قریب سے گذرا تو اس بزرگ ہستی نے مجھے بلا

Marfat.com

لیا اور پیالے تقسیم کرنے کا فرض میرے ذمہ لگا دیا۔ چنانچہ میں تقسیم کر رہا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ پیالہ دینے سے پہلے مانگنے والے کی نیت اور کیفیت قلب' مجھ پر منکشف ہو جاتی ہے اور میں صرف موزوں لوگوں کو پیالہ دیتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری تقسیم درست ہے اور پیالہ صحیح ہاتھوں ہی میں پہنچ رہا ہے۔ میں نے خود جامن چکھا تو عمدہ کشمیری سیب کا مزا پایا۔ ایک اور بزرگ آدمی سفید ریش' درویشانہ وضع کے قریب کھڑے ہیں ان سے میں نے وجہ پوچھی کہ جامنوں کا ذائقہ سیب کا سا کیوں ہے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ جنت کے جامن ہیں' اور وہاں ان کا مزا سیب ہی کا ہے' میں نے پوچھا کہ آپ کی تعریف کیا ہے؟ تو انھوں نے اپنا نام ابو الحسن بتایا' میں نے عرض کیا کہ آپ خرقانی ہیں تو انھوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ یہ جامن بھرے کوزے تقسیم کرنے والے بزرگ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ حضرت امام جعفر صادقؑ ہیں۔ میری آنکھ کھلی تو سیب کی لذت کا اثر منہ میں موجود تھا۔

والحمد اللہ علی ذلک

سیدنا علی المرتضیٰ کی ذات میں فنائیت

ایک دن نماز فجر سے قبل عالم مراقبہ میں کشف ہوا کہ میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی محفل پاک میں' ان کی ذات میں خود کو گم بھی پاتا ہوں پھر ظاہر بھی ہوتا ہوں اسی طرح کئی مرتبہ ہوتا رہا ہر بار اس گم ہونے پر ایک عجیب قسم کا سرور اور نور میرا احاطہ کر لیتا اور ایک کیفیت سرمدی طاری ہو جاتی۔ اس کیفیت کی یاد سے بھی ایک خاص حلاوت حاصل ہوتی ہے۔

(یہ مراقبہ اس امر کا غماز ہے کہ آپ کو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں فنائیت اور ان کی نیابت کا اعزاز حاصل تھا)۔

سلسلہ قادریہ کا فیض

۲۸ جنوری ۱۹۶۱ء کو اپنے گھر میں پانچ بجے صبح مطالعہ کر رہا تھا کہ کتاب' روشنی اور مکان یک لخت گم ہو گئے۔ اور ایک نئی محفل' عجیب قسم کی رو پہلی اور خنک

Marfat.com

روشنی لئے نمودار ہوئی۔ شاہی دربار کی سی آرائش ہے اور وہی دبدبہ اور ضابطہ ہے۔ ایک نورانی بزرگ ایک مرصع تخت پر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے مجھے قریب بلایا' دل نے کہا کہ دست بوسی کرو۔ میں نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے میری پشت پر دست شفقت رکھا۔ ان کے ہاتھ کے لمس سے ایک عجیب لذت محسوس ہوئی۔ اور سینے میں بے پناہ وسعت محسوس کی۔ انہوں نے ایک رنگین اور مرقع دستار میرے سر پر رکھ دی۔ چند دوسرے حاضرین نے کچھ پھولوں کے ہار مجھے پہنا دیئے۔ ان پھولوں کے رنگ و بو نے مجھے بے خود کر دیا کہ ایسے پھول اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہ آئے تھے۔ کچھ لوگوں نے مجھے مبارکباد کہی۔ میں نے اوپر نگاہ کی تو ایک کتبہ لکھا دیکھا "دربار حضرت غوث اعظم محی الدین جیلانی رحمتہ اللہ علیہ"

جنت کی سیر

ایک دن پھر نماز فجر سے قبل اچانک کشفی کیفیت طاری ہوئی۔ خود کو ایک خوبصورت اور شیریں مقال مینا کے روپ میں بدلا ہوا پایا۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ مینا میں ہی ہوں۔ ناگاہ دیکھا کہ انواع و اقسام کے ہزار ہا خوبصورت' اور نغمہ آفریں پرندے وہاں اور بھی موجود ہیں۔ اپنے رنگ اور روپ اور صورت اور صوت میں' ہر پرندہ دوسرے سے مختلف ہے۔ اور ہر ایک کی دلربائی کی اپنی یگانہ شان ہے۔ ان کی نغمہ سرائی سے ایک عجیب سرمدی ترنم پیدا ہو رہا ہے۔ موسم معتدل اور بہار کا ہے۔ وہاں کی روشنی صبح کے وقت سے ملتی جلتی ہے۔ میں خود بھی نغمہ سراؤں میں شامل ہوں اور ساتھ ہی ایک سامع کی حیثیت سے اس سرمدی نغمہ کا مزہ بھی لے رہا ہوں۔ وہاں کے درخت عجیب و غریب' رنگین' چمکدار اور شفاف دھات کے بنے ہوئے ہیں۔ اور پھول اور کلیاں زمرد یاقوت وغیرہ کے معلوم ہو رہے ہیں۔ پرندے' مسرت اور مستی میں ناچتے ہوں اور نغمے گاتے ہیں۔ ہر ایک اپنی ہی دھن میں مست ہے۔ باہم کوئی کلام کا رابطہ نہیں' لیکن سبھی ایک دوسرے کی موجودگی سے خوش ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ ننھے منے پرندوں کا نغمہ ایک معین صوت کی شکل

Marfat.com

اختیار کر رہا ہے۔ اور آواز آ رہی ہے۔ **سلام قولا من رب رحیم** بس یہی وہ فقرہ آیت قرآنی ہے جو بار بار اس نغمہ کی پنہائیوں سے ابھر رہا ہے۔ **سلام قولا من رب رحیم**

Marfat.com

فکر و نظر

○

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است

○

(اقبالؒ)

Marfat.com

○

خودی سے مراد احساس نفس یا تعین ذات ہے۔ یہ شعور کا وہ روشن نقطہ ہے جس سے تمام انسانی جذبات و تخیلات مستنیر ہوتے ہیں۔ یہ وہ پر اسرار شے ہے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے۔

(حکیم الامت علامہ اقبالؒ)

○

Marfat.com

حقیقت کائنات

یہ عالم کثرت' یہ کائنات رنگ و بو' یہ دنیائے صورت و صوت' یہ طلسم زمان و مکاں' یہ جلوہ ہائے پا بہ رکاب' حقیقت ہے یا خواب' آب ہے یا سراب؟ اس سوال کے جواب اور اس عقدہ کی گرہ کشائی کے لیے عقل انسانی ہمیشہ کوشاں رہی۔ سائنس نے مادہ کو حقیقی اور واقعی قرار دے کر اس کے مظاہر کی جلوہ نمائی کو کائنات قرار دیا اور مادہ ہی کی طرح اسے حقیقی سمجھا۔ اس کی حرکات و سکنات' تغیر و تبدل اور صورت و ہیئت کے انقلاب کے قوانین کو قطعی اور حتمی مانا اور ان قوانین کے عرفان کو ہی عقل کی معراج جانا' مادہ کے علاوہ کسی قوت اور حقیقت کے وجود کے عرفان و اعتراف کی نہ ضرورت سمجھی اور نہ ہی اس طرح توجہ دی بلکہ کسی غیر مشہود اور غیر محسوس شے کے وجود کے امکان کا انکار کیا۔ اور یوں دنیائے محسوسات اور عالم کثرت اور اس کے مظاہر کو آخری حقیقت قرار دیتے ہوئے اسی کو مرجع عقیدت اور کعبہ حقیقت قرار دیا۔ گذشتہ صدی میں یہ صرف عقل و دانش کا رجحان ہی نہ تھا بلکہ سائنس کا قطعی ایقان بھی تھا

لیکن سائنس کے بعض جدید اکتشافات اور سعی خرد پر مبنی بعض انکشافات سے اس مادی نظریہ حیات اور حواس پر مبنی عالم کثرت کی قطعیت کے نظریہ پر کاری ضرب لگی۔ اور مادی دنیائے صوت و صورت کی حقیقت کی صداقت کا نظریہ مشکوک ہو کر

Marfat.com

رہ گیا۔ اور عقلی جستجو بتدریج روحانی شعور کے سانچے میں ڈھلنے لگی۔

سائنس دان اور حقیقت کائنات

نظریہ اضافیت' (کوانٹم نظریہ) اور علم الحیات کے بعض اکتشافات نے سائنس دانوں کو مادہ اور مادی کائنات کے حقیقی ہونے کے انکار پر مجبور کر دیا ہے اور عالم خارجی کو ذہن کا اور عالم شہادت کو عالم غیب کا عکس یا سایہ ماننے پر آمادہ کر لیا ہے۔

○ اس سلسلے میں سرایڈنگٹن جیسے مستند اور ماہر سائنس دان کی رائے ملاحظہ کیجئے۔

کوانٹم نظریہ تک پہنچ کر اگر میں غلطی نہیں کرتا' تو ہم نے اپنے ذہن سے باہر' تلاش حقیقت کو سعی لا حاصل سمجھ کر ترک کر دیا ہے اور محسوس کائنات کو ایسے عناصر میں تحلیل کرنے پر قانع ہونا پڑا ہے جو سرا سر ذہنی ہیں" (ماڈرن ۔بیلیف کتاب اول ص۸)

آگے رقم طراز ہے

○ "مادہ و مکان پر مبنی ہماری دنیا کے زمانی حوادث اور زندگی کا یہ سارا ڈرامہ اس چارابعادی تسلسل کی محض ہماری ذہنی تعبیر اور تفسیر ہے۔ (ماڈرن ۔بیلیف ص ۵۱۴ حصہ نہم)

○ اس طرح طبیعات خارجی (Extornal World) محض سایوں یا ظلال (World of Shadows) کی دنیا بن کر رہ گئی ہے۔ باقی رہی وہ حقیقت جوان سایوں کے پیچھے روپوش ہے تو اس کی نوعیت پر بحث فلسفیوں کا کام ہے۔(Science and Unseen World)

○ اب سائنس دان کچھ یوں سوچتے ہیں' ہمارا یہ عالم شہادت یا دنیائے محسوس اپنے پس پردہ عالم غیب کی صرف آیاتی اور علاماتی نشاندہی کا کام دیتی ہے۔ یہ عالم شہادت' عالم غیب کا اور دنیائے شہود' دنیائے مستور کا ظل یا سایہ ہے۔ یا اسم کی طرح مسمی کا' دلیل کی طرح مدلول کا اور ہندسہ کی

Marfat.com

طرح رقم کا علاماتی نشان ہے۔ یہ دنیائے صور و اشکال یہ کائنات رنگ و بو' کیا خارج میں ویسے ہی موجود ہے جیسے یہ مجھے محسوس ہوتی ہے؟ یا میرے شعور کا داخلی تجربہ اس سے مختلف ہے؟ اور اس کا مدار صرف اپنے حواس پر مبنی داخلی تجربہ پر ہی ہے؟ روحانی اور وجدانی تجربہ سے پہلے' مادیت پر سائنس اور حکمت عقلی کی تنقید پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

○ حقیقت مادہ پر سب سے پہلے انگلستان کے فلسفی جارج برکلے نے شدید اعتراضات کیے' اس کا استدلال یوں تھا کہ

"مادی دنیا اپنی کوئی جدا ہستی نہیں رکھتی۔ کیونکہ ہم اسے صرف حواس کے ذریعے جانتے ہیں اور یہ جاننا شعور کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے جو چیز ہمارے لیے حقیقتاً موجود و مشہود ہے وہ صرف ہمارا اپنا ہی شعور ہے نہ کہ مادہ' حواس کے ذریعے ہمیں جس چیز کا شعور حاصل ہوتا ہے وہ مادہ نہیں بلکہ چند مختلف اوصاف ہیں۔ مثلاً" رنگ' صوت' بو' سختی اور نرمی وغیرہا اور ان اوصاف کے ادراک کا مدار میرے داخلی شعور پر ہی ہے۔ یہ اوصاف دراصل کسی حقیقت خارجی کے نہیں بلکہ میرے ہی شعور کے داخلی تجربات ہیں۔ میرے شعور کے بغیر ان میں سے کوئی چیز بھی میرے علم و تجربہ میں موجود نہیں ہو سکتی' پس مادہ کی حقیقت فقط شعور ہے۔"

○ برکلے کی اس "تصوریت" کو ایک جدید فلسفہ سے جسے "نو تصوریت" کہنا چاہیے۔ مزید تقویت مل گئی ہے۔ اس جدید فلسفہ کے شارحین اٹلی کے دو فلسفی "کروچے اور جنٹیلے" ہیں اور ان کا فلسفہ علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ فلسفہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ کائنات روح اور شعور کے سوا اور کچھ نہیں۔

○ برکلے کے بعد' ہمارے زمانے کے ممتاز ماہر ریاضیات اور سائنس دان پروفیسر وائٹ ہیڈ نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ مادہ کا مروجہ نظریہ بالکل بے بنیاد ہے۔ رنگ اور صوت و صدا وغیرہ ہماری داخلی ذہنی کیفیات

Marfat.com

ہیں یہ کسی حقیقت کا خارجی جزو نہیں۔ آنکھ یا کان میں جو چیز داخل ہوتی ہے۔ وہ رنگ یا آواز نہیں بلکہ ایتھر کی ناقابل دید و شنید لہریں ہیں۔ ہمارے حواس اور ان پر مبنی ادراک کی حقیقت سراب جیسی ہے۔ جس کی التباس حواس کے سوا کوئی واقعی حقیقت نہیں ہوتی۔

○ ڈاکٹر جوڈ (Joad) رقمطراز ہیں۔

"جدید نظریات کے مطابق مادہ ایک ایسی چیز ہے جو ہاتھ نہیں آ سکتی۔ یہ فاصلہ اور وقت کے مرکب کا ایک خیالی ابھار' برقی رو کا جال یا امکان کی لہر ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے فنا کے اندر کھو جاتی ہے۔ حقیقتاً یہ مادہ کی بجائے' ناظر کے شعور کا ہی ایک پھیلاؤ ہے"۔

○ پروفیسر روژے (Roughier) نظریہ اضافیت سے پیدا ہونے والے نتائج پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب "فلسفہ اور طبیعات جدید" میں لکھتے ہیں۔

"مادہ الکٹرانوں میں تبدیل ہو جاتا ہے جو خود لطیف لہروں میں تبدیل ہو کر' فنا پذیر ہو جاتے ہیں۔ دوام مادہ کے قدیم سائنسی اصول کی تغلیط ہو جاتی ہے اور اب کچھ یوں سوچنا اور ماننا پڑتا ہے کہ مادہ کا مستقل نقصان اور قوت کا ناقابل تلافی زیاں عمل میں آتا رہتا ہے۔"

○ ڈاکٹر ہیری شمٹ (Harry Schmidt) نظریہ اضافیت کی دریافت کے بعد تصور کائنات پر اس کے اثرات کو بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "اضافیت اور کائنات" میں لکھتے ہیں۔ زمان و مکان بے حقیقت ہو کر رہ گئے ہیں۔

خود حرکت کا تصور بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اجسام کی ہیئت اور صورت ہمارے ہی ذہن کی داخلی کیفیت بن گئی ہے اور کائنات کی ایتھر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی ہے۔

○ علامہ اقبال" لکھتے ہیں

Marfat.com

مادہ کے تصور پر سب سے کاری ضرب عظیم ماہر طبیعیات حکیم آئن سٹائن (Einstien) نے لگائی ہے۔ جس کے انکشافات نے علمی دنیا میں ایک دور رس انقلاب کی داغ بیل ڈالی ہے۔

○ رسل (Russel) کہتا ہے

نظریہ اضافیت نے وقت کو "فاصلہ۔ وقت" میں مدغم کر کے مادہ کے ٹھوس پن کے قدیم سائنسی تصور کی بنیادیں ہلادی ہیں۔

حضرت اقبالؒ اور حقیقت کائنات

حضرت اقبال نے اپنے روحانی شعور کے پیش نظر کائنات کے مادی تصور پر صرف تنقید ہی نہیں کی بلکہ اس کی قطعی طور پر تغلیط بھی کی ہے۔ کلام اقبال کے قارئین اور حکمت اقبال کے قائلین پر یہ تو واضح ہے کہ علامہ نے حواس پر مبنی عقل جزی کے نتائج کو ہمیشہ مشکوک قرار دیا ہے۔ اس کو جویائے راہ تو سمجھا ہے لیکن دانائے راہ کبھی نہیں مانا۔ یہ وقف اضطراب' مقام اطمینان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی اور زمان و مکاں کے سراب سے نکل کر آب مصفا کے حقیقی چشمہ صافی تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔ چونکہ مادی کائنات کا تصور ہمارے حواس پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ التباس حواس سے خالی نہیں ہوتا اور ظنی ہوتا ہے۔ اس لیے دنیائے حقیقت ہمیشہ حواس کی زد سے ماوراء رہی ہے۔

حضرت اقبال کا استدلال یوں ہے۔

فروغ دیدہ ما از قیاس است
قیاس ما ز تقدیر حواس است
چوں حس دیگر شد ایں عالم دگر شد
سکون و سیر و کیف و کم دگر شد
تواں گفتن جہان رنگ و بو نیست
زمین و آسمان و کاخ و کو نیست

Marfat.com

توان گفتن کہ خوابے یا فسونے ست
حجاب چہرہ آں بے چگونے ست
تو آں گفتن ہمہ نیرنگ ہوش است
فریب پردہ ہائے چشم و گوش است

ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں حضرت علامہ نے کس وضاحت کے ساتھ کائنات کے عقلی اور مبنی بر حواس' تصور کو نیرنگ ہوش اور فریب چشم و گوش سمجھنے کے امکان کا اعلان کیا ہے اور اس کو بھی تسلیم کیا ہے کہ جہان رنگ و بو اور دنیائے کاخ و کو کے وجود کا انکار بھی ممکن ہے۔ یہ ایک مسلسل خواب ہے یا واضح سراب ہے اور عقل جزئی اس خواب کو بیداری' اس مستی کو ہشیاری' اس فریب حواس کو علم صحیح اور اس سراب کو آب سمجھے بیٹھی ہے۔

مقام تحت و فوق و چار سو خواب
سکون و سیر و شوق و جستجو خواب
دل بیدار و عقل نکتہ بیں خواب
گمان و فکر و تصدیق و یقیں خواب
ترا ایں چشم بیدارے بخواب است
ترا گفتار و کردارے بخواب است

اس کائنات رنگ و بو اور اسی دنیائے ہاؤ ہو کو خواب قرار دیتے ہوئے حضرت اقبال عالم خارجی کو اپنے داخلی شعور کا مرہون منت اور آئینہ دار قرار دیتے ہیں۔

جہاں غیر از تجلی ہائے ما نیست
کہ بے ما جلوہ نور و صدا نیست

دیدہ سر کی یافت کو غیر حقیقی اور وہمی اور دیدہ دل کی یافت کو قطعی اور حقیقی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بہ بزم ما تجلی ہاست بنگر
جہاں ناپید و او پیداست بنگر

Marfat.com

در و دیوار و شہر و کاخ و کو نیست
کہ ایں جا ہیچ کس جز ما و او نیست

زمان و مکاں کے سانچوں میں ڈھلے بغیر کوئی چیز نہ صورت و ہیئت اختیار کر سکتی ہے اور نہ ہی ہمارے حواس کا معروض بن سکتی ہے۔ یعنی ہم زمان و مکاں کے وسیلے کے بغیر عالم خارجی کا کچھ بھی علم حاصل نہیں کر سکتے لیکن اگر زمان و مکاں کا وجود ہی فرضی اور وہمی ہو تو ظاہر ہے کہ ان فرضی اور وہمی سانچوں میں ڈھل کر ہمارے دماغ تک پہنچنے والی کیفیات اور تصورات بھی ظنی اور وہمی ہی ہوں گے۔ زمان و مکاں کے متعلق علامہ کی رائے ملاحظہ فرمایئے۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ

صوفیاء مناظرہ اور عقلی استدلال سے بات نہیں منواتے بلکہ مشاہدہ کے یقین کی بنا پر قائل کرتے ہیں۔ وہ حواس اور قیاس کی ظنی شناخت اور دریافت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حقیقت میں کھو کر "یافت" کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کے علم کی انتہا خود شعوری ہے اور خود شعوری' خدا شناسی پر منتج ہوتی ہے۔ حضرت اقبال نے جاوید نامہ میں مرشد رومی کے حوالے سے زندگی اور خودی کے تعلق کو یوں بیان کیا ہے۔

زندہ یا مردہ یا جاں بلب
از سہ شاہد کن شہادت را طلب
شاہد اول شعور خویشتن
خویش را دیدن بہ نور خویشتن
شاہد ثانی شعور دیگرے
خویش را دیدن بہ نور دیگرے

Marfat.com

شاہد ثالث شعور ذات حق
خویش را دیدن بہ نور ذات حق

دانائے رازِ اقبالؒ کی مبنی بر حقیقت نصیحت بھی یہی ہے۔

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا' خدا کا ترجماں ہو جا

حضرت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ اور حقیقت کائنات

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی زبان میں حواس پر مبنی علم حصولی صرف صورت کا علم ہے۔ لیکن شعور باطن پر مبنی علم حضوری حقیقت کا علم ہے۔ علم حصولی' سراپا ظن و قیاس ہے اور علم حضوری' سراپا یقین ہے۔ دانش برہانی' حیرت افروز ہوتی ہے لیکن دانش نورانی یقین انگیز' التباس حواس پر مبنی' تصور کائنات کے متعلق حضرت امام ربانی کی وضاحت ملاحظہ فرمایئے۔

○ پس در صورت متنازع فیہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کہ جز او در خارج و نفس امر موجودے نیست بقدرت کاملہ خود کمالات اسمائی و صفاتی و خود را در پردہ صور ممکنات در مرتبہ حس و وہم' ظاہر ساخت و بوجود وہمی ثبوت خیالی آں کمالات را در مجالی اشیا جلوہ گر گردانید' یعنی اشیاء راہ ہر طبق آں کمالات در مرتبہ حس و وہم ایجاد فرمود تا نمود وہمی و ثبوت خیالی پیدا کردند پس بود اشیا باعتبار نمود و خیالی است (مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۴۴)

ترجمہ : پس صورت متنازع فیہ میں حق تعالیٰ نے کہ جس کے سوا خارج اور نفس الامر میں کوئی موجود نہیں۔ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے اسماء و صفات کے کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردہ میں مرتبہ "حس و وہم" میں ظاہر کیا اور ان کمالات کو وجود وہمی اور ثبوت خیالی کے ساتھ اشیاء کے مظہروں میں جلوہ گر کیا۔ یعنی اشیاء کو ان کے کمالات کے مطابق "مرتبہ حس

Marfat.com

وہم" میں ایجاد فرمایا۔ اور انہوں نے نمود وہمی اور ثبوت خیالی حاصل کیا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے اس نمود کو ثبات و استقرار کرامت بخشا ہے۔

دوسرے مقام پر آپ فرماتے ہیں۔

و آں چہ مکشوف و معتقد ایں فقیر است آنست کہ ایں عرصہ' عرصہ وہم است و ایں صور و اشکال کہ دراں عرصہ است صور و اشکال ممکنات است کہ بصنع خداوندی جل سلطانہ در مرتبہ حس و وہم ثبوتے پیدا کردہ است (دفتر سوم مکتوب ٦٧)

ترجمہ : جو کچھ اس فقیر کا مکشوف اور معتقد ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ عرصہ' عرصہ وہم ہے اور یہ صورتیں اور شکلیں جو اس عرصہ میں ہیں۔ انہوں نے حق تعالیٰ کی صفت سے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت و استحکام حاصل کیا ہے۔

نیز فرمایا:

و مرتبہ وہم عبارت از نمود بے بود است در رنگ دائرہ کہ از نقطہ جوالہ در وہم ناشی گشتہ است کہ نمودے دارد بے بود' حکیم مطلق جل سلطانہ عالم را دریں مرتبہ خلق فرمودہ نمود محض را ثبوت و ثبات بخشید و از غلط بہ صحت آورد و از کذب بصدق کشید و نفس الامر ساخت (دفتر سوم مکتوب ٦٨)

ترجمہ : مرتبہ وہم نمود بے بود سے مراد ہے جس طرح کہ وہ دائرہ جو نقطہ جوالہ سے وہم میں پیدا ہوتا ہے۔ نمود بے بود رکھتا ہے حکیم مطلق جلا شانہ نے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا فرما کر محض نمود کو ثبوت و ثبات بخشا اور غلط سے صحت میں لایا اور کذب سے صدق میں لاکر نفس الامر بنایا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ علم حصولی (مبنی برحواس) کی غلط بینی پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

پس علم حصولی فی الحقیقت علم نفس شئی نباشد بلکہ علم بصورتے از صور آں شئی باشد و نسبت بنفس آں شی جہل متحقق بود سبحان اللہ جہل بشی را علم

Marfat.com

باں شی گفتہ اند الخ

ترجمہ : علم حصولی در حقیقت نفس شے کا علم نہیں ہوتا' بلکہ اس شے کی صورتوں میں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے اور اس میں نفس شے کے متعلق جہل ثابت ہوتا ہے' صورت شے کے علم سے' اس شے کا کما حقہ' علم کس طرح لازم آئے گا' جب کہ صورت شے ایک ظاہری تصویر اور مثال ہے۔ حاصل کلام یہ کہ معلوم دراصل وہ ہے جو ذہن میں موجود ہے صورت شے کو نفس شے سے تغائر کی نسبت ہے اس لیے صورت شے کا علم نفس شے کا علم نہیں۔ علم صرف علم حضوری (وجدانی اور بلا واسطہ حواس علم) ہی ہے' علم حضوری کے سوا جو علم حصولی ہے وہ سرا سر جہل ہے۔ جو علم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ (دفتر سوم مکتوب ۴۸)

حقیقت کائنات کو خواب یا سراب یا نمود بے بود ماننے کے بعد اس سے ایک گونہ بے نیازی اور رستگاری حاصل ہو جاتی ہے۔ تمام مصائب کی جڑ تو لذات دنیا میں گرفتاری ہی ہے اور اگر اسی گرفتاری سے رستگاری نصیب ہو جائے تو اس سے بڑی راحت کیا ہو سکتی ہے۔ ہر تقویٰ ہر خیر اور ہر برکت کی علت تو لذات عالم موہوم سے یک گونہ بے نیازی ہے اور یہ بے نیازی حقیقت کائنات کی اس معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔ کہ یہ عالم کثرت' یہ دنیائے رنگ و بو' حقیقی نہیں وہمی ہے' بیداری نہیں خواب ہے' اصلی نہیں نقلی ہے' دائمی نہیں عارضی ہے۔ یہ سینما کی سکرین پر منعکس جلوہ ہائے پا بہ رکاب ہیں' جو نظر فریبی کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ غالب کی زبان میں

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

یا اصغر کی زبان میں۔

پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا
جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا

یا اسد کی زبان میں

Marfat.com

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے
پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے

○

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

قرآن اور حقیقت کائنات

قرآن حکیم نے بھی اس حیات مستعار اور دنیائے مردار کو لہو و لعب اور متاع غرور ہی قرار دیا ہے۔

وما الحیوۃ الدنیا الا لعب ولھو۔ پ ۷ ع ۱۰

وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور پ ۲۷ ع ۱۹

○ ہم عالم خارجی سے اپنے حواس خمسہ کے وسیلہ سے رابطہ کرتے ہیں۔ اعضائے بصارت اور سماعت کے ذریعے صوت و صورت کا کچھ تاثر ہمارے نہاں خانہ دماغ میں پیدا ہو کر وہاں ایک تصور پیدا کرتا ہے' ہم اپنے اس تصور کو ہی پہچانتے اور جانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میرے اندر یہ تصور میرے ہی حواس نے پیدا کیا ہے۔ اس میں التباس حواس شامل ہے۔ یہ تصور عالم خارجی کی کنہ اور حقیقت کا صحیح ترجمان نہیں بلکہ حقیقت خارجی کے متعلق میرے حواس کے پیدا کردہ تاثر کا ترجمان ہے۔

حضرت اقبال کے نزدیک حواس کا حاصل کردہ علم' حقیقی اور قطعی نہیں بلکہ ظنی اور شکی ہے۔ یہ عالم خارجی کا ترجمان نہیں بلکہ ہمارے حواس کا عکاس ہے اور یہ محض حواس کی شعبدہ بازی اور نقش آفرینی ہے' ہمارے حواس کا داخلی تاثر ہے جس کو ہم عالم خارجی پر منطبق کرتے ہیں۔

حضرت غوث علی قلندر اور حقیقت کائنات

تعلیم غوثیہ کے مولف' حضرت شاہ غوث علی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کے

Marfat.com

حوالہ سے رقم طراز ہیں۔

یہ حواس ہمیں دھوکا کھانے کا عادی بنا دیتے ہیں۔ اور محسوسات میں بلا تحقیق حکم لگا دینا ان کا کام ہے۔ جیسے التباس حواس کی وجہ سے انسان کو رسی پر سانپ' سیپ پر سیم اور سراب پر آب کا دھوکا ہو جاتا ہے۔ غرض یہ حواس دھوکا دیئے بغیر نہیں رہتے۔ (تعلیم غوثیہ ص ۲۹۰)

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حقیقت کائنات

کثرت کی نمود بے بود اور اس کے معدوم محض ہونے کے متعلق مولانا محمد قاسم نانوتوی تقریر دلپذیر میں رقم طراز ہیں۔

"بخلاف کثرت کے کہ وہ حقیقت میں وجود کے اقسام میں سے نہیں۔ غلطی کے باعث اسے وجودات میں سے شمار کرتے ہیں۔ بلکہ جیسے وحدت کی اصل وجود ہے کثرت مبنی بر عدم ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شئے واحد ہے۔ لیکن جب مختلف روشندانوں سے یہ روشنی چھن کر آتی ہے' تو ہر روشندان کی روشنی الگ الگ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ کثرت' اندھیرے اور غلط فہمی کے باعث معلوم ہوتی ہے۔ اگر روشندانوں میں سے باہمی آڑ کو ہٹا دیا جائے۔ تو کثرت معدوم ہو جائے اور یہ نور واحد ہی جلوہ نما ہونے لگے۔ یہ کثرت' عدم اور جہالت کے باعث معلوم ہوتی ہے۔ اس کا کوئی وجود نہیں۔ صرف وحدت حقیقی ہے"۔

عارف اور اہل دنیا کا فرق

خود آگاہی اور خدا شناسی سے جب کائنات کی ناپائیداری واضح ہو جاتی ہے۔ تو پھر وہمی اور فانی سے غیر معمولی رابطہ باقی نہیں رہتا۔ اس قلبی بلوغ

Marfat.com

کے بعد طفل نابالغ کی طرح لہو و لعب اور کھلونوں سے تسلی نہیں ہوتی' دنیائے مجاز کے جلوہ ہائے پابہ رکاب' دیدہ و دل کو شکار نہیں کر پاتے۔ عارف اس وہمی' مجازی اور غیر حقیقی دنیا کو سراب یا خواب کی طرح سمجھتا ہے۔ خواب میں پہنچنے والے نفع و ضرر کو وہ زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ عالم خواب میں بیدار ہوتا ہے۔ اور مستی میں بھی ہشیار ہوتا ہے۔ وہ خواب دیکھتا ضرور ہے اور اس سے کسی حد تک متاثر بھی ہوتا ہے۔ لیکن عالم خواب میں بھی اس پر خواب کی حقیقت واضح رہتی ہے اس لیے اس کے اطمینان قلبی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ جسم اور ذہن متاثر ہوتے ہیں لیکن دل کے اطمینان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اس کا نفس مطمئنہ جنت معرفت میں مقیم ہوتا ہے۔ جہاں پھول ہی پھول ہوتے ہیں اور ریب یا عیب کا کوئی کانٹا موجود نہیں ہوتا۔ اس سدا بہار گلشن میں غم و الم یا خوف و حزن کے کانٹوں کو راہ نہیں ہوتی۔ یہ دنیائے معرفت' وحدت نور' سرور اور اطمینان کی دنیا ہوتی ہے۔ خدا شناسی اور خود آگاہی کی یہ دولت' دولت لازوال ہوتی ہے۔ نہ یہ لٹتی ہے اور نہ ہی چھنتی ہے۔ یہ حال اور یہ کیفیت' ابدی اور سرمدی ہوتی ہے۔ تکمیل اور منزل رسی کا یہ احساس و اذعان سراپا حضور و سرور ہوتا ہے۔

○ دنیائے فانی کے فانی اور کائنات وہمی کے وہمی ہونے کے عرفان کے بعد دنیا سے بے نیازی اور بے رغبتی عارف کے مزاج کا تقاضا بن جاتی ہے۔ وہ اصل کا جویا نقل پر نہیں بھولتا' وہ حقیقی کا طالب' وہمی کے دھوکے میں نہیں آتا۔ اور اس کا دل بیدار خواب کی بھول بھلیوں میں نہیں کھوتا یہی معرفت اس کے لیے ضابطہ اخلاق کا کام دیتی ہے اسے نہ تو جنت کی جزا کا لالچ' نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور نہ ہی جہنم کی سزا کا خوف' برائی سے روکتا ہے۔ وحدت کی معرفت کے بعد اس کی طبیعت' حق سے کلیتہً" ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور وہ اطمینان کی جنت معرفت میں مستقلاً" مقیم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اسے **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** کی نوید سنائی جاتی ہے اور **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** کی بشارت سے نوازا جاتا ہے۔ اس مقام پر وہ جوئندہ نہیں بلکہ یابندہ ہوتا ہے۔

○ منزل پر پہنچ کر اس کے سفر کی تگ و دو ختم ہو جاتی ہے۔ اب اسے سکون و سرور سے کام ہوتا ہے۔ جہاں زمان و مکاں کے تعینات اور توہمات ہی نہ ہوں' وہاں اضطراب اور تگ و دو کو کیسے دخل ہو سکتا ہے؟ دنیا کے حصول کے لیے کشمکش اور جنگ و جدال کی وجہ دنیا کے باقی اور پائیدار ہونے کا وہم ہی ہے۔ اس خواب پریشان کی وہمی لذتوں اور فانی مسرتوں کے لیے فرد فرد کو اور قوم قوم کو کھا جاتی ہے اور انسان درندوں کی طرح ایک دوسرے کو جھنجوڑتے اور چیرتے پھاڑتے ہیں اور انسان' انسان کا شکاری بن جاتا ہے۔ وہ دنیا کے حسن بے ثبات کے سحر سے مسحور ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ وہمی لذتیں ہی حاصل زندگی ہوتی ہے۔ دراصل وہ بیچارے سراب کو آب' قبح کو حسن اور مرض کو شفا سمجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ سرسام کے مریض کی طرح وہمی اور فرضی شکلوں کو دیکھتے ہیں اور کبھی ان پر مرتے ہیں اور کبھی ان سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ وہاں نہ حسن ہوتا ہے نہ قبح' سب التباس حواس کا تماشا اور فریب چشم و گوش ہوتا ہے۔

تھا خواب میں خیال سے تجھ کو معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

اس طلسم فریب سے اخلاقی ضابطوں کے زور اور منطقی دلیلوں کے توڑ سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ صرف اس وہم کے وہم اور اس طلسم کے طلسم ہونے کا ازعان ہی اس طلسم فریب کے حلقوں کو توڑ سکتا ہے۔ پھر خود بخود حرص' فریب اور لالچ کا دفعیہ ہو جاتا ہے۔ معرفت کے بعد شیخ چلی کا یہ سب فرضی حساب و کتاب اور وہمی جمع و خرچ کا حساب بے باق ہو جاتا ہے اور انسان صور و اشکال اور تعین و تحدید کے چکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقی آزادی صرف عارف کامل کو ہی حاصل ہو سکتی ہے اور

Marfat.com

وہ دنیائے نور و سرور میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کا دیدہ حق بیں، ہر سو مشاہدہ حق کرتا ہے اور اس پر **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ** کی حقیقت، کیفیت بن کر چھا جاتی ہے۔

اسے اغیار میں بھی یار ہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ عرفان وحدت کے بعد کثرت اور غیریت کا احساس مٹ جاتا ہے اور عارف سب کو اپنا عین پاتا ہے اس لیے وہ سب کا بھی خواہ، محب اور مربی بن جاتا ہے اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا، وہ کسی کی بد خواہی نہیں کرتا، وہ سب کا یار اور سب کا غمگسار بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہ حق کی رحمت اور ربوبیت عامہ کا مظہر ہوتا ہے۔ وہ سب میں خود کو پاتا ہے اور خود میں خدا کو پاتا ہے وہ ع خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل

کا مصداق بن جاتا ہے۔ عقل جزئی اور چشم احول جہاں مرض دیکھتی ہے عارف کی عقل کلی وہاں شفا کا ملاحظہ کرتی ہے۔ عقل نفسانی اور شعور برہانی جہاں عیب اور ریب دیکھتے ہیں، عارف کی عقل نورانی اور روحانی وہاں تعمیر و تحسین دیکھتی ہے۔ حق کی ہمہ دانی، ہمہ توانی اور ہمہ رسی کے عرفان کے بعد وہ ہر طرف اور ہر دل میں نور و سرور ملاحظہ کرتا ہے اور حضرت رومی کی کیفیت معرفت کا مظہر بن جاتا ہے۔

گر تو میدانی کہ در ہر دل خدا ست
پس ترا تعظیم ہر دل مدعا ست
گر تو میدانی کہ ظل کیستی
فارغی گر مردی و گر زیستی
قطرہ نوری سراپا نور باش
بگذر از غم سر بسر مسرور باش

یا یتھا النفس المطمئنۃ ○ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی

Marfat.com

بطلانِ مادیت اور عرفانِ حقیقت

پچھلی صدی میں عام سائنسی رجحان یہ تھا کہ مادہ ہی سب سے آخری حقیقت ہے اور مادہ غیر فانی ہے۔ یہ صورت بدلتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ مادہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے۔ سب وہمی اور غیر حقیقی ہے۔ روح اور شعور مادہ ہی کے مختلف خواص ہیں۔ شعور نے مادہ کو نہیں بلکہ مادہ نے شعور کو پیدا کیا ہے۔ مادہ کو آخری حقیقت ماننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیات و کائنات کے تمام مسائل کی توجیہ اور تشریح مادی اور مشینی نقطہ نظر ہی سے کی جانے لگی۔ بقا اور ارتقا کے تمام مسائل اسی مادی اور بے مقصدی زاویہ نگاہ ہی سے طے کئے جانے لگے۔ احساس حسن' ذوق صداقت اور ارتقائی مقصدیت کو غیر علمی مسائل قرار دیا گیا۔ اس لیے ان پر غور و فکر کو بھی فعل عبث ہی سمجھا جانے لگا۔ انسان نے مشین بنائی لیکن خود بھی ایک مشین بن کر رہ گیا۔ زندگی کی بے مقصدیت نے اخلاقی اور انسانی اقدار کو سخت نقصان پہنچایا۔

مذہب ایک فرسودہ فکر اور اخلاق ایک بے ضرورت ضابطہ سمجھا جانے لگا۔ خدا اور آخرت کے تصور کو جہالت کی دلیل قرار دیا گیا۔ اس انداز فکر سے زندگی کا تار و پود ہی بکھر گیا۔ سفر حیات بے منزل اور وجود کائنات بے مقصد بن کر رہ گیا۔ اس قسم کے بے مقصد ڈھانچے میں انسان کا شخصی وجود ایک حقیر سا نقطہ نظر آنے لگا۔ انسان اپنی عظمت اور قدر و قیمت کھو بیٹھا اور اپنے اضطراب قلبی کا علاج لہو و لعب' جنسی

Marfat.com

بے راہ روی اور منشیات میں ڈھونڈنے پر مجبور ہو گیا۔

○ لیکن اس صدی کے آغاز میں ہی سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر حکماء سائنس نے ہی شدید اعتراض کرنے شروع کر دیئے۔ اور یوں مشینی ارتقا کا نظریہ جو ایک مسلمہ سائنسی اصول بن چکا تھا حکماء سائنس کی تنقید کے زیر اثر اپنی قطعیت کھو بیٹھا اور اس کی بجائے مقصدی ارتقا کا نظریہ فروغ پانے لگا۔

○ برگساں نے ڈارون کے نظریہ ارتقا پر فلسفیانہ انداز میں تنقید کی اور حق تو یہ ہے اس تنقید نے نظریہ ارتقا کی چولیں ڈھیلی کر دیں اور یہ نظریہ جو سائنس کی دنیا میں ایک قانون کی حیثیت سے مانا جا چکا تھا' اپنی علمی عظمت اور قطعیت کو کھو بیٹھا۔ مشہور سائنس دان لارڈ مارگن نے ڈارون کے عضوی ارتقا کی بجائے فجائی ارتقاء (Emagent Evolution) کا جو سائنسی نظریہ پیش کیا وہ ڈارونی نظریہ سے زیادہ موثر اور مدلل ہے۔ اس نظریہ کی رو سے ایک خاص نقطہ ارتقا پر پہنچ کر اچانک اعضائے حیات میں نئی قوتیں اور نئی صفات رونما ہو جاتی ہیں اور یہ عمل پہلے دور کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ یکسر نیا ہوتا ہے۔ مارگن اس کو یوں بیان کرتا ہے۔ "کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سطح سے دوسری سطح تک جست کا عمل ہوتا ہے اور ہر جست میں نئے خواص ایک مرتب اور متعین ترقی کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔" (ماڈرن بیلیف حصہ سوم ص ۱۲۹ تا ۱۳۱)

○ مادہ یا مادی ایٹموں کی سالمیت اور ان کے ٹھوس اور ناقابل فنا ہونے کا سائنسی نظریہ اب مردہ ہو چکا ہے اور اب مادہ اور اس کے مادی سالمات (ایٹم) مثبت، اور منفی برق پاروں میں تقسیم ہو کر قطعاً" غیر مادی اور روحانی بن کر رہ گئے ہیں خود ایڈنگٹن کی زبان ہی سے سن لیجئے

مادی دنیا انتہائی تحلیل کے بعد غیر مادی ثابت ہو چکی ہے مادہ کی جوہریت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہ کوئی نظریہ نہیں بلکہ سائنس کا ایک مسلمہ اصول ہے۔ معمولی عقل و فہم نے مادہ اور زمان و مکان کی ترکیب سے کائنات کا جو مادی نقشہ بنایا تھا۔ اسے خود

Marfat.com

سائنس نے ہی غلط اور ناقابل اعتبار قرار دے دیا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ظواہر کی تحلیل نے زیادہ عمیق حقائق کو بے نقاب کر دیا ہے۔

مقدمہ نمبر ۱۹ Eddingtan : Nature of the World

○ فجائی ارتقا کے نظریہ کے مطالعہ سے برگسان اور مارگن دونوں کے نظریات کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ بے جان اور بے شعور مادہ میں جان اور شعور کا خود بخود پیدا ہو جانا نہ سائنس کی رو سے سمجھ میں آتا ہے اور نہ ہی فلسفہ کی رو سے جب تک کہ مادہ کے ماوراء کوئی ذی حیات اور ذی شعور روحانی مبداء نہ مانا جائے۔

○ اب بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ مادی کائنات ایک فریب نظر یا سراب بن کر رہ گئی ہے۔ جو نہ خود حقیقی ہے اور نہ ہی جس کا سلسلہ علت و معلول ہی قطعی ہے۔ بقول اقبال' زمان و مکاں اب صرف ایک انداز بیاں بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ ٹیلی گراف کے وہ نقطے اور خط ہیں جو اشارے یا کنائے کے رنگ میں پیغام رسانی تو کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت شناسی کے کام نہیں آتے۔ یا بقول غالب' یہ صور و اشکال ساز کے پردے ہیں اور یہ حجاب کسی حقیقت مستور کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس لیے پردہ ہی پردہ دری اور حجاب ہی بے حجابی کا کام بھی دیتا ہے۔

اقبال کے نزدیک

وہی اصل مکان و لا مکاں ہے
مکاں کیا شے ہے' انداز بیاں ہے

اور غالب کے نزدیک

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

یہ عالم کثرت اس کی شان **ھو الظاھر** کی نمود ہے لیکن یہ شان **ھو الباطن** کے لیے حجاب بھی ہے۔ بہرحال اب سائنس کے نزدیک بھی مادہ غیر حقیقی بھی ہے اور تغیر پذیر بھی' اصل شے قوت ہے' مادہ شہود ہے لیکن غیب کے وجود کی دلیل ہے' تو اصل حقیقت غیب ہے۔ اس لیے حقیقت خارج میں نہیں' داخل میں ہے۔ اس کی تلاش

Marfat.com

اپنے سے باہر نہیں بلکہ اپنے ہی دل یا اپنے ہی شعور میں کرنی چاہیے۔ عجیب بات ہے کہ مادہ اور کثرت میں اسیر سائنس اب تصوف اور معرفت کی "خود آگاہی" کی منزل کے قریب آ رہی ہے۔

سر خدا کہ عارف سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

اب جستجوئے حقیقت کے لیے سیر آفاقی سے زیادہ سیر انفسی کرنی ہوگی اور خارج سے زیادہ داخل پر زور دینا ہوگا اور کثرت کے بجائے وحدت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ ایڈنگٹن کی زبان سے سن لیجیے۔

"کوانٹم نظریہ تک پہنچ کر اگر میں غلطی نہیں کرتا تو ہم نے خارجی یا ذہن سے باہر صداقت و حقیقت کی جستجو کے مقصد کو سرے سے ترک ہی کر دیا ہے اور محسوس کائنات کو ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑا ہے۔ جو صراحۃً ذہنی ہی ہیں۔ (ماڈرن بیلیف کتاب اول ص ۸)

اب نتیجہ یہ نکلا کہ مادہ میں قوت کی نمود ہے اور ظاہر میں غیب کا شہود ہے اور کثرت آخر تحلیل ہو کر وحدت میں گم ہو جاتی ہے۔ سائنس کے نزدیک یہ غیبی حقیقت یا وحدت' ایک ناگزیر کلیہ کے طور پر ماننی پڑتی ہے۔ ورنہ بقا اور ارتقاء اور تحسین و تکمیل کی کوئی توجیہہ ہو نہیں سکتی۔ غیب' ظاہر کا مبدا' اور وحدت' کثرت کا منبع ہے اور یہ غیب اور وحدت ایک داخلی شعور کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی معرفت اور اس تک رسائی خارجی مطالعہ سے نہیں بلکہ داخلی مراقبہ ہی سے ممکن ہے اور یہ عقل جزئی کے بس کی بات نہیں کہ وہ تو تجزیہ اور تفہیم کے بغیر کچھ سمجھ ہی نہیں پاتی' وہ تو کمیت کی ترازو ہی پر ہر شے کو تول سکتی ہے' کیفیت کے ماپنے کا پیمانہ اس کے پاس ہے ہی نہیں۔ اس لیے عرفانی حقیقت میں عقل جزئی ناکام ہے۔ صوفیاء اور عرفاء کا یہ دینی اذعان بھی ہے اور تجرباتی ایقان بھی۔

○ ان مذکورہ بالا حقائق سے ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے۔

کہ مادہ تحلیل ہو کر قوت بن جاتا ہے اور قوت کا عرفان ہمیں خود شعوری کی

Marfat.com

صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ غیب' شہود کا مبداء ہے۔ اس لیے محسوس سے غیر محسوس کی موجودگی زیادہ حقیقی ہے۔ یا غیب' شہود سے زیادہ حقیقی ہے۔

سوم یہ کہ ایٹم کا ہر ذرہ قوت کا خزانہ ہے اور وہ قوت تعمیری ہے۔ کائنات کے بقا' ارتقا اور تزئین و تحسین کے مشاہدہ سے ہم پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات میں تعمیر و تحسین کا ایک ہمہ گیر قانون کار فرما ہے۔

قرآن حکیم کی زبان میں اس کو قانون ربوبیت اور رحمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ پھر کائنات کی بقا اور اس کا ارتقا ہمیں بتاتا ہے کہ یہاں تخریب پر تعمیر اور شر پر خیر غالب ہے۔ ورنہ اب تک اجزائے کائنات منتشر ہو کر رہ جاتے۔ اس مقام پر **رحمتی وسعت کل شی** اور **رحمتی سبقت علی غضبی** کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ جب اس حقیقت کا عرفان ہو جائے کہ رحمت' زحمت پر اور تعمیر' تخریب پر غالب ہے۔ تو کائنات کے متعلق ایک قنوطی نہیں بلکہ رجائی تصور قائم ہو جاتا ہے۔ زندگی' عذاب کے بجائے ثواب اور سزا کے بجائے جزا کا روپ دھار لیتی ہے اور جب ذات کی ہمہ گیر اور ہمہ رس ربوبیت کا عرفان ہو جاتا ہے۔ تو ہر سمت ارتقائی اور تعمیری قوت کارفرما نظر آتی ہے۔ انفس اور آفاق اور کائنات اور اپنی ذات میں صرف تعمیر اور تحسین کا شہود ہوتا ہے۔ اس مثبت انداز فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذہن میں مستقل تعمیری فکر جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اس تعمیری خیال سے انسان کی تمام شخصیت ہی تعمیری ارتقاء کی مظہر بن جاتی ہے۔ اندر اور باہر صرف خیر کا ظہور نظر آتا ہے۔ اس سے یاس و حرمان' غم و الم' دکھ اور درد کا مستقل مداوا ہو جاتا ہے اور ان کے بجائے امید و یقین' ایقان اور اطمینان' راحت اور مسرت کی دولت سرمدی حاصل ہو جاتی ہے۔ کائنات مخالف نہیں' موافق اور ماحول غیر نہیں بلکہ یار نظر آتا ہے۔ نگاہ' نکتہ چین نہیں بلکہ حسن بین' فکر تنقیدی نہیں بلکہ تعمیری اور دل' مضطرب نہیں بلکہ

Marfat.com

مطمئن ہو جاتا ہے۔ اطمینان کی یہ کیفیت مرض شکن اور محبت افروز ہوتی ہے۔ نفرت کی جگہ جب محبت لے لیتی ہے تو یہ ہر طرف حسن و خوبی ہی کا شہود ہوتا ہے۔ اس سے غم مفقود ہوتا ہے اور راحت و مسرت کا ورود ہوتا ہے۔ اس سے سیرت میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ بیگانے اپنے اور اغیار یار بن جاتے ہیں۔ طبیعت کی یہ کیفیت ہر قسم کی جذباتی' ذہنی اور جسمانی مرض کا مداوا بن جاتی ہے اور مادی دوا کے بغیر ذہنی اور روحانی' تعمیری تاثرات ہی ہر مرض کا شافی علاج بن جاتے ہیں۔ پس علم صحیح ہی ہر قسم کی ظاہری اور باطنی امراض کا علاج بن جاتا ہے۔ اور ذات و کائنات کے متعلق غلط اندیشی ہی ہر مرض کی علت ہے۔ خود شناسی' خود آگاہی اور خودداری سے ہی ذات اور کائنات میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اور آہنگ ہی حسن ہے۔ آہنگ ہی تعمیر ہے۔ آہنگ ہی تحسین ہے اور آہنگ سے ہی بقا اور ارتقاء کا وجود قائم ہے اور جذبات و احساسات و تخیلات میں داخلی طور پر اور ماحول میں خارجی طور پر آہنگ' صرف معرفت ذات اور علم صحیح سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ پس دیدار ذات سے ہی تکمیل حیات ہے اور خود آگاہی سے ہی ابدیت' آفاقیت' وحدت اور طمانیت کی دولت حاصل ہوتی ہے اور اسی دولت کے حصول سے ہی حقیقی قوت اور ابدی مسرت نصیب ہوتی ہے۔

درج ذیل اشعار انہی حقائق کے عکاس ہیں۔

بیا بر خویش پیچیدن بیاموز
بناخن سینہ کاویدن بیاموز
اگر خواہی خدا را فاش بینی
خودی را فاش تر دیدن بیاموز

○

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن از بند جہات است

Marfat.com

○

بهر مقام خود رسیدن زندگیست
ذات را بے پردہ دیدن زندگیست

○

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

○

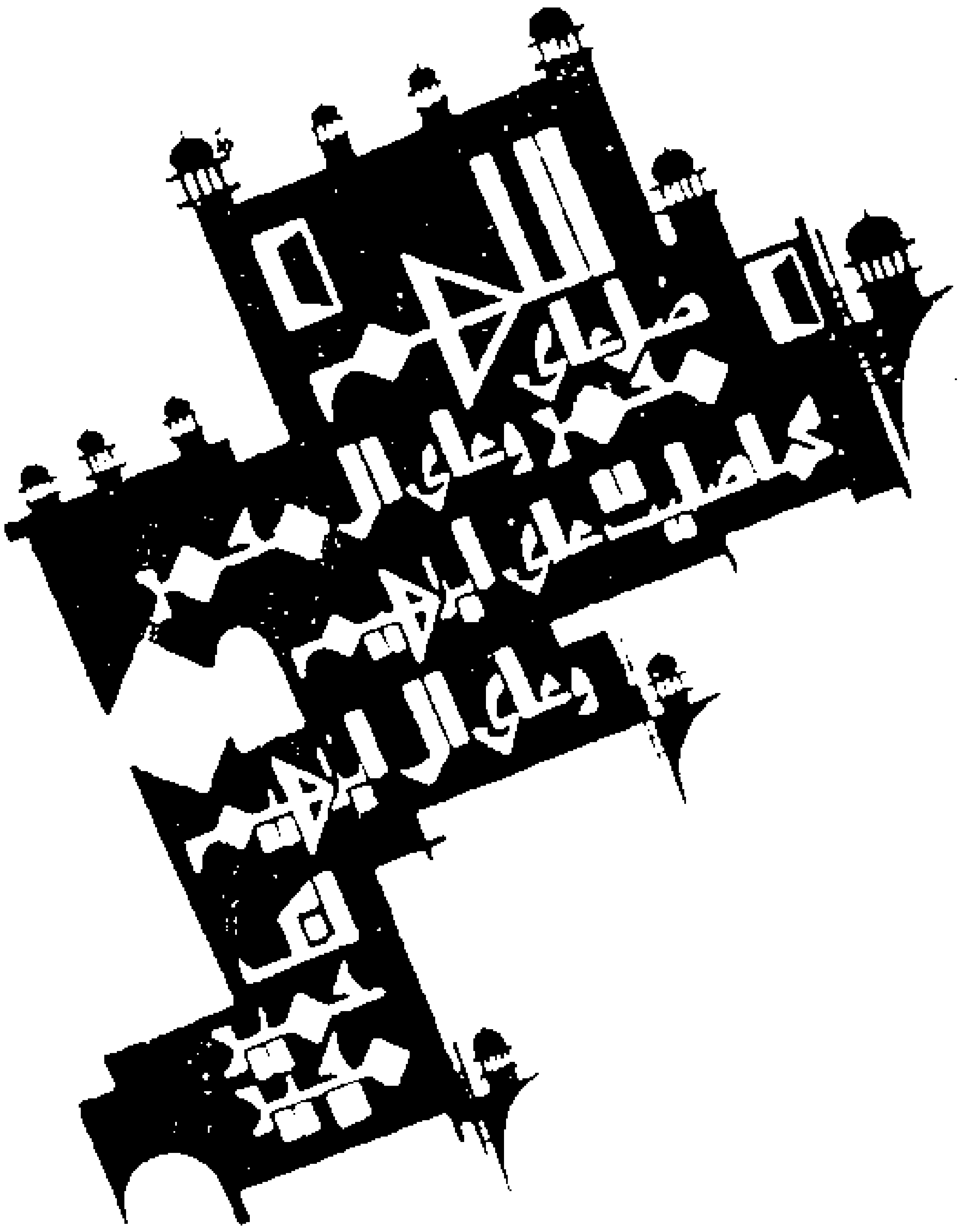

Marfat.com

شعور ذات اور شفائے امراض

وانا مرضت فهو يشفين (الآیہ)

مادہ پر روح اور شعور کی فوقیت اور مادہ سے روح کی اولیت کا نظریہ اب صرف عارفوں اور صوفیوں یا فلسفیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس صدی میں سائنس بھی اسی نظریہ کی موید ہوتی چلی جا رہی ہے۔ نظریہ اضافیت اور کوانٹم تھیوری نے نہ صرف مادہ کی قطعیت اور ابدیت کو ہی مجروح کیا ہے بلکہ خود مادہ کے وجود کو ہی محل نظر بنا کر رکھ دیا ہے۔ انجام کار مادہ تحلیل ہو کر برقی ہیجان یا موج نور کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اسی نور کا ظہور کائنات میں بہ شکل شعور ہوتا ہے۔ اگر مخلوق کو دلیل بنا کر ہم خالق کو پہچانیں اور کائنات کے آئینہ میں ذات مطلق کی تجلی کو دیکھ پائیں تو ہمارے عرفان کی حد آخر یہ ہو گی کہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں علم و قدرت یا شعور مطلق کی کار فرمائی اور حکمرانی ہے۔ ہر جگہ نظم و ضبط اور ترتیب و تحسین کی جلوہ گری ہے اور یہ سب کچھ ایک اٹل قانون کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسی شعور ذات کے ایقان یا خالق کے علم و قدرت کے عرفان سے (بہ شکل قانون ربوبیت و قانون رحمت) روحانی اور جسمانی امراض سے نجات کا ایک بلا دوا موثر ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے۔

روحانی شفاء بخشی

بندگان خدا میں روحانی ذریعہ سے شفا بخشی کا طریقہ ہمیشہ رائج رہا ہے اور جہاں

Marfat.com

انہوں نے طالبان حقیق کو خدا رسی کا طریقہ بتایا وہیں انہوں نے جسمانی عوارض سے بھی انسانوں کو نجات دلائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرفان ذات اور عرفان کائنات کے بعد مزاج انسانی میں ایسا آہنگ اور ایسا توازن پیدا ہو جاتا ہے کہ وہاں مرض کی غیر طبعی اور غیر حقیقی کیفیت کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

○ اس روحانی شفا بخشی کے سلسلہ میں اہل اللہ نے ہمیشہ کئی ایک ظاہری وسائل بھی استعمال کئے' کسی کو تعویذ لکھ کر دے دیا کسی کو پڑھ کر پھونک دیا۔ کسی کو ہاتھ سے مس کر دیا' اور یہ محض اس لیے کیا گیا کہ انسان طبعاً" ظاہر بیں ہے ان ذرائع سے اس کی توجہ کو مرکوز اور اس کے اعتماد کو مضبوط کیا جا سکتا ہے کہ کسی محسوس اور معین چیز کی طرف توجہ سے مریض کا ذہن حصول شفا کی طرف متوجہ ہو کر' مرض اور علامات مرض سے عارضی طور پر توجہ ہٹا لیتا ہے' جس سے ازالہ مرض کی قوت کی تائید ہوتی ہے۔ ورنہ حقیقتاً" شفا تو خالق کے قانون ربوبیت اور رحمت کے اثر سے ہی حاصل ہوتی ہے اور اسی عالمگیر اور ہمہ رس قانون کے عرفان اور اس سے تعاون سے ہی مستقل اور پائیدار صحت و شفا حاصل کی جا سکتی ہے۔

○ حضرت مسیح علیہ السلام نے روحانی برکت و توجہ سے ہی اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو تندرست اور مردوں کو زندہ فرمایا۔

ابری الا کمہ والا برص واحی الموتی باذن اللہ

○ حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی برکت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کا بینا ہو جانا بھی اسی شفا بخشی کا اثر ہے۔

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا (سورہ یوسف)

○ خود سرور کائنات علیہ السلام نے بھی جسمانی امراض کے دفعیہ کے لیے دعا اور مس بالید کا طریقہ استعمال فرمایا اور بعض مردوں کو بھی زندہ فرمایا صحابہ کرام اور ان کے اہل و عیال نے بھی اس فیضان سے فائدہ اٹھایا۔

اولیا کرام ہمیشہ مخلوق خدا کی ظاہری اور باطنی شفا کا اہتمام فرماتے رہے اور اپنی

Marfat.com

توجہ کی برکت سے امراض جسمانی کا بھی ازالہ فرماتے رہے۔ گو انہوں نے ہمیشہ باطنی شفا ہی کو اپنا مقصد بنایا اور اسی پر اپنی تمام تر توجہ صرف کی لیکن "**ولجسمک علیک حقا**" کے اصول کے مطابق جسمانی صحت پر بھی ضمنی طور پر توجہ دی تاکہ عارف روحانی ارتقا کی منازل طے کرتے وقت جسمانی عوارض کی مداخلت سے محفوظ رہ سکے۔ ہمارے آلو مہار شریف کے اپنے خاندان کے بزرگوں میں خنازیر' جنون' اٹھرا وغیرہ جیسے موذی امراض کے روحانی علاج کا دیرینہ معمول چلا آتا ہے اور اس سے ہزاروں افراد نے فائدہ اٹھایا ہے۔

اچھے اور برے خیالات کے اثرات

○ ترغیب' عمل تنویم اور نفسیاتی تجزیہ کے ذریعے عصبی اور ذہنی امراض کا علاج تو اب ایک مسلمہ سائنسی اصول بن چکا ہے۔ اور تمام معالج اب اس حقیقت کو مانتے ہیں کہ خیال کا جسم پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ صحیح اور اچھے خیالات سے جسم پر خوشگوار اور غلط خیالات سے ناگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جس وقت خیال کی قوت کا صحیح اندازہ لگا لیا گیا اور خیال کو قانون ربوبیت اور رحمت سے ہم آہنگ کر لیا گیا اس وقت انسانیت کے لیے صحت اور قوت کے ایک نئے دور کا آغاز ہو جائے گا۔ اور انسان روز افزوں امراض کے چنگل سے نجات پا لے گا۔

○ صحت و قوت کے اس نئے دور کا معالج' جسمانی علامات کی بجائے ذہنی خیالات کی اصلاح پر زیادہ زور دے گا۔ اسے علم ہو گا کہ مرض کی نمود جسمانی عوارض کے رنگ میں ہوتی ہے لیکن اس کا وجود "خیال اور تصور" کی بے راہ روی سے شروع ہوتا ہے نتیجہ جسم پر مرتب ہوتا ہے لیکن علت خیال میں موجود ہوتی ہے۔ ظاہر میں جو کچھ نمودار ہوتا ہے' وہ باطنی خیالات کا عکس ہوتا ہے۔ باطنی خیالات اصل ہیں اور جسمانی علامات ظل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اصل میں ترمیم ہوگی تو سایہ میں بھی تغیر پیدا ہوگا۔ اگر کوئی اصل میں تبدیلی کے بغیر عکس میں ترمیم شروع کر دے تو سعی لاحاصل ہوگی۔ اسی طرح جب تک مرض کی صحیح علت کو نہ مٹایا جائے اس وقت تک مستقل

Marfat.com

مکمل شفا کے لیے ذہنی اصلاح کرنی ہوگی۔ اس حقیقت کو اپنانے سے ہی صحت اور شفا کے نئے دور کا آغاز ہو سکتا ہے۔

○ حکمائے مغرب بھی اب اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اچھے یا برے خیالات کا اثر پہلے جسم لطیف پر ہوتا ہے پھر جسم خاکی پر' اکثر امراض و مصائب ہمارے گناہوں یا برے خیالات کا نتیجہ ہیں ان سے شفا گناہ چھوڑنے اور اچھے خیالات پر منحصر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریضوں کو فرمایا کرتے تھے Go and Sin no more "جاؤ اور آئندہ گناہ نہ کرنا"۔

○ خیالات کی صحت' مریض کی صحت کی ضامن ہے اور خیالات کی خرابی' مریض کی خرابی کا سبب ہے' اپنے خیالات اور ذہنی وسواس پر کنٹرول حاصل کر لینے سے انسان ایک زبردست روحانی قوت کا حامل بن سکتا ہے فکر و نظر کی طہارت انسان کو پیکر نور و سرور بنا دیتی ہے اور فکر و نظر کی گراوٹ انسان کو قعر مذلت میں گرا دیتی ہے۔

○ صوفیائے اسلام نے انسانی روح کو قوت خیالیہ سے تعبیر کیا ہے۔ اولیاء کرام اسی قوت خیالیہ کو قابو میں لا کر اظہار کرامات کیا کرتے ہیں' دراصل قوت خیال ہی بحر نور اور موج شعور ہے' یہی حیات کا خزینہ اور نجات کا زینہ ہے۔ آیت کریمہ

"من عمل صالحا" من ذکر او انثی و ھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبتہ" میں اسی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اور ایمان و اعمال صالحہ ہی حیات طیبہ کی ضمانت ہیں۔

قانون تعمیر و تحسین

قانون ربوبیت و رحمت یا قانون تعمیر و تحسین کی ہمہ گیری سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ساری کائنات ایک ہی خالق کی قدرت اور مشیت کی مظہر ہے اور وہ قدرت اور مشیت' قانون تعمیر اور تحسین کے رنگ میں ظہور پذیر ہے۔

اور یہ قانون ذرے ذرے اور قطرے قطرے میں کار فرما ہے۔ خالق کی ربوبیت ہمہ گیر اور اس کی رحمت ہمہ رس اور محیط کل ہے۔ خالق کامل ہے تو مخلوق بھی کامل

Marfat.com

ہونی چاہئے۔ صانع بے عیب ہے تو مصنوع بھی نقص سے پاک ہونی چاہئے۔ اگر ہم چشم بصیرت سے دیکھیں تو معلوم بھی یہی ہوتا ہے کہ ہر طرف خیر اور تعمیر کی قوت کار فرما ہے۔ ہر طرف حسن و جمال اور خوبی و کمال کا دور دورہ ہے۔ بننا اور سنورنا' ابھرنا اور نکھرنا فطرت کا اصول ہے اور اسی قانون اور اصول پر ہی کائنات کی بقا اور ارتقا کا دار و مدار ہے اور اسی قانون تعمیر و تحسین کی معرفت اور اس سے ہم آہنگی میں وہ اصول شفا ہے جس کو اپنانے سے کبھی ناکامی نہیں ہوتی اور جو ہر مرض پر غالب ہے اور ہر دکھ کی دوا ہے۔

ساری کائنات ایک بے عیب اور کامل خالق کے علم و ارادہ کی مظہر ہونے کی وجہ سے تکمیل اور تحسین کی مظہر ہے۔ رب وہی ہے جو ہر چیز کو پیدا فرما کر بتدریج کمال تک پہنچاتا ہے اور اسے مقام تکمیل تک پہنچانے کے لیے زندگی کو داخلی صلاحیت کے ساتھ ساتھ خارجی طور پر بھی ساز گار ماحول مہیا فرماتا ہے۔ ذات اور کائنات' انفس و آفاق دونوں ایک ہی قوت تخلیق و تعمیر کے مظہر ہیں۔ اور زندگی کے تمام قوانین بھی دراصل ایک ہی ہمہ گیر قانون مشیت کے مظہر ہیں۔ گوناگوں مخلوق میں ایک ہی خالق کی ربوبیت اور کثرت میں ایک ہی وحدت کی رحمت کار فرما ہے۔ قانون تعمیر و تحسین محیط کل ہے۔ رحمت و شفقت ہر چیز پر حاوی ہے۔

رحمتی وسعت علی کلی شی خالق کا اعلان ہے۔ اور **رحمتی سبقت علی غضبی** خالق کا فرمان ہے سب کچھ اس کی حفاظت اور پناہ میں ہے' اور وہ ہر چیز کا حافظ و ناصر ہے۔ اس کی پیدا کردہ کائنات میں تعمیر' تخریب پر رحمت' زحمت پر اور شفا' مرض پر غالب ہے۔ زندگی اور ماحول میں عناد نہیں بلکہ اتحاد ہے۔ تخالف نہیں بلکہ تعاون ہے' مخالفت نہیں بلکہ یگانگت ہے۔ تعمیر کی ہمہ گیری اور خیر کی بالادستی کے اس ایقان سے جسمانی صحت اور باطنی مسرت نصیب ہوتی ہے اور خیر کی ہمہ گیری کے مراقبہ سے زندگی سراپا سرور ہو جاتی ہے اور ہر مرض خود بخود دور ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

قرب ذات یا منزل فنا

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

شخصی شعور، کائناتی شعور ہی کا ایک جز ہے۔ انسانی ذات کا شعور، کائناتی شعور سے مربوط ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں۔ فرد کا شعور ذات "انا" شعور کل کا ترجمان ہے۔ اس لحاظ سے انسانی خود شعوری بہت بڑی قوت ہے۔

اگر قطرہ، بحر بیکراں سے اپنے رابطے کو سمجھ لے، اور جز، کل سے اپنے تعلق کو پا لے، اور انسانی ذات، کائنات سے اپنے صحیح رابطے کو سمجھ لے، یا طریقت کی اصطلاح میں بندہ، خدا میں فنا ہو کر مقام بقا کو پا لے، تو یہ بھی بے کراں ہو جاتا ہے۔ اور بقول غالب

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ذات کے علم و قدرت کے بغیر کوئی شے بھی وجود پذیر نہیں ہو سکتی۔ اس نے اپنے علم کے مطابق اپنی قدرت سے سب کچھ پیدا کیا۔ پیدا ہونے سے پہلے سب کچھ بطور معلوم کے اس کے علم میں موجود تھا اور ہر چیز کی صورت علمی، موجود تھی۔ پس خالق نے جب اپنی قدرت سے اس صورت علمی کو خارج میں ظاہر فرمایا تو وہ بطور مخلوق کے موجود ہو گئی۔ اسی کے علم پر اسی کی قدرت نے، اسی کے ارادہ سے اثر انداز

Marfat.com

ہو کر، معلوم کو خارجی طور پر موجود کر دیا۔ ہمارا جو خارج ہے وہ اس کے لیے داخل ہی ہے کیونکہ اس کے بغیر تو کچھ موجود ہی نہیں۔

ظاہر بھی وہ ہے اور باطن بھی وہ، اول بھی ہے اور آخر بھی وہ یعنی زمان و مکاں اسی میں ہیں اور وہ زمان و مکاں کو محیط ہے۔

ھو الاول و الاخر و الظاہر و الباطن

اور وہی زمین و آسمان کا نور ہے۔

اللہ نور السموات والارض

اسی کا جلوہ چار سو ہے۔

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

پس جب معلومات پر نور کی تجلی پڑتی ہے تو اپنی اپنی استعداد کے مطابق وہ موجود خارجی ہو جاتی ہے اور کثرت نمایاں ہو جاتی ہے اور جب تعینات ختم ہوں تو پھر وحدت ہی وحدت ہے اور **انا الیہ راجعون** کی حالت ہے۔

مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
نظارے کی ہوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسے کہتا ہے کہ "ہو جا" وہ ہو جاتی ہے۔

انما اذا اراد اللہ شیا ان یقول لہ کن فیکون

اسی کی قدرت اسی کے ارادے سے اس کے علم کے مطابق ظہور پذیر ہوتی ہے۔ زماں و مکاں تو عقل جز بیں اور شعور کثرت بیں کے لیے حجاب ہیں۔ ان حجابات کو اٹھا کر کثرت میں وحدت کو دیکھنا کمال عرفان ہے۔

خرد ہوئی ہے زماں و مکاں کی زناری
زماں ہے نہ مکاں **لا الہ الا اللہ**

(اقبالؒ)

خالق کامل ہے تو مخلوق کامل ہونی چاہیے۔ صانع بے عیب ہے تو صنعت بھی بے عیب ہونی چاہئے۔ کامل مصور کی تصویر بھی کامل ہونی چاہئے۔ پس مخلوقات یعنی کائنات

Marfat.com

بھی اصل کے لحاظ سے سراپا خیر اور بے عیب ہے۔ ربوبیت اور رحمت ہر چیز کی تکمیل اور تحسین کی کفیل ہے۔ عقل جزی کی ناتمامی اور غلط اندیشی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو از آغاز تا انجام، تکمیلی رنگ میں نہیں دیکھتی بلکہ کسی خاص زمانی یا مکانی مرحلہ ہی میں دیکھ سکتی ہے اور یہ دید ناتمام ہوتی ہے۔ تمام کو بھی اگر جزی طور پر دیکھا جائے تو دید ناتمام ہی ہوگی۔ پس ناتمامی نقص یا عیب، دراصل عقل جزی کی غلط بینی کی وجہ سے ہے کہ چشم احول کو اشیا دو دو نظر آتی ہے اور یرقان کا مریض ہر چیز کو زرد ہی دیکھتا ہے۔ پس دید سے پہلے نگاہ کی تطہیر لازم ہے اور تطہیر نگاہ کے بعد ہی کثرت میں وحدت اور جز میں کل کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ بقول غالب

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

بقول مرشد رومی

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

بقول مرید ہندی

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بین
یہی شہ کار ہے تیرے ہنر کا

کامل کا فن مظہر کمال ہوگا اور حکیم کا فعل حکمت سے مملو ہوگا۔ پس خالق کائنات کی تخلیق بھی سراپا خیر و کمال ہوگی۔

ہر چہ بینی عین خیر و حکمت است
گو ترا زو رحمت و گو زحمت است
زانکہ ناید فعل باطل از حکیم
فعل حق باطل نہ باشد اے سلیم

Marfat.com

ذات حق سراپا حسن و کمال اور خوبی و جمال ہے اور وہ محیط کل ہے جملہ مخلوقات اور زمان و مکاں سب اس میں ہیں اور وہ سب کو محیط ہے۔ سب کے ساتھ ہے رگ جاں سے بھی قریب ہے۔

نحن اقرب الیہ من حبل الورید

اور بقول شاعر

کہ جز او نیست در سرائے وجود

بہ حقیقت کسے دگر موجود

مراقبہ قرب ذات میں اس کی ہمہ گیری کے اس عرفان کے بعد' کائنات سراپا نور و سرور بن جاتی ہے ہر طرف اس کی ربوبیت اور رحمت کی کار فرمائی نظر آتی ہے اور **رحمتی وسعت کل شی** کا مفہوم بطور حال کے عارف پر وارد ہو جاتا ہے۔ رب العالمینی اور رحمت اللعالمینی کی حقیقت کو پا لینے سے نقص اور شر کا وجود مفقود ہو جاتا ہے۔ نور کی موجودگی میں ظلمت کا کیا مقام ہے؟ آفتاب عالم تاب کی موجودگی میں شب تار کی کہاں گنجائش ہے اور ذات اور اس کی ربوبیت اور رحمت کی ہمہ گیری کی موجودگی میں دکھ' درد' عیب اور مرض کی کہاں گنجائش ہے۔

اس عرفان کے بعد کائنات سراپا حیات اور حیات سراپا برکات اور تخلیق کلیتاً" تحسین نظر آتی ہے اور جب یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسی کی قدرت نے' اسی کے ارادہ سے' اسی کے علم کے مطابق بہ شکل موجودات ظہور فرمایا ہے اور کثرت میں وحدت' اور مخلوق میں خالق کی جلوہ نمائی مشہود ہو جاتی ہے۔ تو خیر و برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور نور و سرور کی ایک سرمدی فضا میسر آ جاتی ہے۔

گر تو میدانی کہ ظل کیستی

فارغی گر مردی دگر نیستی

قطرہ نوری سراپا نور باش

از غم سر بسر مسرور باش

(رومی)

Marfat.com

○ کبھی سائنس دان مادہ کے علت اولیٰ اور غیر فانی ہونے کے قائل تھے۔ ان کا ادعا تھا کہ مادہ اولین حقیقت ہے اور غیر فانی ہے۔ سب کچھ مادہ سے ہی ہے اور مادہ میں ہی ہے اور مادہ وہ ہے جو محسوس و مشہود ہو۔ تول' ناپ اور تجزیہ و تقسیم میں آ سکے۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے۔ اب مادہ تحلیل ہو کر برقی قوت میں منتقل ہو چکا ہے اور برقی قوت زمان و مکاں میں ایک موج شعور کی مظہر بن کر رہ گئی ہے۔ اب اولین حقیقت ایک موج شعور یا بحر نور قرار پائی ہے۔ سب کچھ اسی شعور و نور کا ظہور ہے۔ حیات و کائنات اسی کا پر تو صفات ہے۔ یہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔ یہی محیط کل اور ہمہ رس ہے۔ سب کچھ اسی میں ہے اور اس سے ماوراء کچھ بھی نہیں اور یہ سراپا خیر و کمال اور حسن و جمال ہے۔ پس کائنات بھی اسی کا مظہر ہونے کی وجہ سے سراپا خیر و کمال ہی ہے۔

○ شر کا احساس ہماری جزبینی اور غلط اندیشی کی وجہ سے ہے۔ جب ہم خود کو خدا سے علیحدہ اور دور سمجھیں' حالانکہ ایسا نہیں' کہ ہر سو اسی کی جلوہ نمائی ہے۔ تو پھر دکھ' الم' ناتمامی اور ناری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ عقل جزی کی ناتمامی اور کوتاہ بینی غلط تصورات پیش کرتی ہے۔ غلط اندازے لگاتی ہے۔ اور ہذیان کے مریض کی طرح وہمی خطرات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ یا نیند میں ڈراؤنے خواب دیکھنے کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ حق کی طرف رجوع کیا جائے۔ حق کی جلوہ نمائی کا تصور کیا جائے۔ **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ** کا مراقبہ کیا جائے۔ عقل جزی کو خواب غفلت سے بیدار کر کے خود آگاہی اور خود شناسی کی طرف لایا جائے۔ تطہیر فکر و نظر کی جائے اور ذات حق کے قرب' معیت' احاطت یا اصطلاح وجودیہ میں اس کی عینیت کا شعور پیدا کیا جائے۔ اس سے ہر دکھ' درد الم' مرض اور ناتمامی کا مداوا ہو جائے گا۔ تکمیل' تحسین اور تزئین' نتیجتاً" تسکین اور تمکین نصیب ہو گی اور عارف جنت بکنار ہو جائے گا۔

کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر رہ گذر میں نقش کف پائے یار دیکھ

Marfat.com

ہر چیز کا ایک سبب ہوتا ہے اور ہر معلول کی ایک علت ہوتی ہے۔ اگر یہ تمام کائنات' خالق کامل کی قدرت کا ظہور ہے۔ اور ہر سو اسی کا نور ہے اور ہر چیز اس سے قائم ہے اور اسی میں قائم ہے۔ تو پھر کائنات اور حیات کی بنیاد بے عیب ہے اور نقص سے پاک ہے درد و الم اور شر و نقص کی وجہ ناخود شناسی ہے۔

انسان ہنوز خود آگاہی سے محروم ہے۔ اس جہالت کی بنا پر اس کی نگاہ دید جمال و کمال سے محروم ہے۔ یہ صرف حواس ظاہری ہی سے کام لیتا ہے اور حواس ظاہری' عقل جزی کے ترجمان ہیں۔ جو غلط اندیش بھی ہے اور غلط بین بھی اگر یہ دیدہ دل سے دیکھ پائے اور عقل کلی سے فیض یاب ہو جائے۔ تو خواب سراب سے بیدار ہو جائے گا اور اس پر واضح ہو جائے گا کہ خیر و کمال حقیقی ہیں اور شر و زوال وہمی درد و الم نقلی ہیں اور سرور و راحت اصلی' پس معرفت ہی مسرت اور راحت کی کلید ہے۔

بخشے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہونا

Marfat.com

منزل صبر

❁

یا یھا الذین امنوا اصبروا۔ الخ پ۴ ع۱۱

اے ایمان والو! صبر کرو

صبر کا لفظ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور مصائب کے وقت صبر کی تلقین بھی کی جاتی ہے۔ کسی کے کردار کی تعریف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ بھئی فلاں آدمی بڑا صابر ہے۔ جہاں لوگوں کے نزدیک صبر کی صفت بڑی مقبول و محبوب ہے' وہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی یہ عادت محمود و مطلوب ہے۔ **ان اللہ مع الصابرین** کی بشارت دیکھیے **واللہ یحب الصابرین** کا مژدہ سنئے' یہ ادا کتنی پسندیدہ ہے کہ خالق کائنات بھی اس کی تعریف کر رہا ہے۔ اکثر اوقات بعض مصطلحات کی کثرت استعمال سے ان کا مفہوم گم ہو جاتا ہے اور سطحیت رہ جاتی ہے۔ صبر سے صحیح استفادہ کرنے اور اپنے کردار میں اسے صحیح طور پر شامل کرنے سے قبل اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنا لازم ہے۔

حقیقت صبر

صبر کا اصلی معنی اپنے نفس کو روکنا اور اس پر قابو پانا ہے گویا محرکات روحانیہ کا محرکات نفسانیہ پر غالب کر دینا صبر کہلاتا ہے۔ صبر کے تین شعبے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ اپنے نفس کو حرام سے روکنا۔ ۲۔ اطاعات کی پابندی پر مجبور کرنا۔ ۳۔ مصائب کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنا۔

صبر کا عام مفہوم تو کچھ یوں ہے کہ بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں کسی مشکل کو چپ چاپ برداشت کر لیا جائے یا یہ کہ اپنی باطنی پریشانی اور دلی اضطراب کو ظاہر نہ ہونے دیا جائے۔ مثلاً اگر ایک آدمی کسی متاع گراں مایہ کے گم ہو جانے یا کسی عزیز خاص کے وفات پا جانے پر جزع و فزع نہ کرے اور ہاؤ ہو نہ کرپائے تو کہا جاتا ہے کہ وہ صابر ہے۔ حالانکہ صبر کا مفہوم اس سے بلند ہے۔ صبر ایک حکیمانہ انتظار ہے' ایک مدبرانہ اعتبار ہے۔ یہ ایک مومنانہ یقین ہے' یہ جذبہ' خودی کا امین ہے۔ یہ ایک مردانہ خود اعتمادی ہے یہ حق کی قوتوں پر بے پناہ یقین کا اعلان ہے۔ یہ ایک شعوری اور ارادی کیفیت کا اذعان ہے۔ اس میں نہ تو فقدان احساس ہے' جسے مزاج کے اکھڑ پن یا ذہنی ناتمامی سے موسوم کیا جائے اور نہ ہی وہ بے چارگی ہے جسے بزدلی اور قنوطیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ تو درد کے پورے احساس کے ساتھ اس کو مردانہ وار برداشت کرنا ہے۔

مصیبت کی پوری ہیبتوں کے باوجود ایک خندہ استغناء کے ساتھ ان کا استقبال کرنا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ ایک حکیمانہ بصیرت بھی ہے جو کہ قدرت کے قانون امہال پر یقین سے حاصل ہوتی ہے۔

عملی زندگی میں انسان پر طرح طرح کی مصیبتیں آتی ہیں مومن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عزم بالجزم کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتا ہے اور خواہشات نفس کے سامنے ہمت نہیں ہارتا۔

مصائب سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا!

اشارات صبر

ایک کاشت کار اپنے خون پسینے سے زمین کی آبیاری کرنے کے بعد کئی ماہ فصل کے

Marfat.com

پروان چڑھنے کا منتظر رہتا ہے وہ یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ فصل خود ہی اگ جائے بلکہ وہ قانون قدرت سے تعاون کرتے ہوئے محنت کا پھل حاصل کرنے کے لیے پورے اعتماد کے ساتھ' مناسب وقت کا منتظر رہتا ہے۔ اس دوران میں موسمی خرابیوں اور دیگر حادثات کا احتمال ہوتا ہے' لیکن یہ احتمالات اس کے عزم و ثبات اور اس کی معصوم توقعات کو متاثر نہیں کرپاتے۔ پس محنت کے بعد مناسب مدت میں نتائج کے ظہور پر یقین بھی صبر ہی کا ایک پہلو ہے۔

آپ کے مالی حالات خراب ہوگئے' آپ کی صحت میں فتور پیدا ہوگیا' ماحول بظاہر آپ کے خلاف کمر بستہ نظر آنے لگا' بعض احباب کی طرف سے آپ کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض بظاہر قطعی توقعات پوری نہ ہوسکیں۔ ان حالات میں آپ کے طرز عمل کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ آپ حالات کی تلخیوں سے بھاگ کھڑے ہوں بالکل ہتھیار ڈال دیں اپنی شکست کو کلیتہً" مان لیں حالات سے نبرد آزما نہ ہوں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ بہرحال ان تمام تلخیوں کو باکراہ مزاج سہ لیں لیکن غم و اندوہ سے زندگی دراصل تلخ ہو کر رہ جائے۔ آپ بے بسی کے عالم میں بے ارادہ طور پر زندگی گزارتے چلے جائیں لیکن آپ کے قویٰ اور عزائم مضمحل ہو جائیں۔ آپ کو اچھے وقت کی امید نہ ہو۔ حالات کی ظلمتوں میں آپ کی آنکھیں امید کی شمعوں کو جھلملاتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔ کانٹوں کی کثرت' پھولوں کی دید کی راہ میں حائل ہو جائے۔ خزاں کی اداسیوں اور بربادیوں کو آپ سہ تو جائیں لیکن بہار کی شادابیوں اور آبادیوں کی راہ نہ دیکھیں۔ ایک تیسری صورت حال بھی ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ خزاں کی اداسیوں کو حکیمانہ بصیرت سے دیکھتے ہوئے بہار کی رعنائیوں کا انتظار کرتے چلے جائیں۔ پھولوں کی راہ میں جو کانٹے حائل ہوں ان کو عزم و ثبات کے ساتھ چنتے بھی جائیں اور بڑھتے بھی جائیں اور جب نوک خار کی جراحتیں آپ کو زخمی کریں تو آپ اسے گل چینی کی شرط لازم سمجھتے ہوئے مسکراتے جائیں اور شب دیجور کی ظلمتوں کے باوجود طلوع سحر کے انتظار میں ہنس کھیل کر ظلمتوں سے نباہ کرتے جائیں تو اس افتاد مزاج اور طرز کردار کو ہم صبر کے نام سے موسوم کریں گے اور یہی وہ مردانہ صفت ہے جس پر ارتقائے کائنات کا مدار ہے۔ صبر کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو چیز انسان کے قبضہ و اختیار سے نکل جائے اس کا غم نہ کرے اور جو قبضہ و قدرت میں آجائے

Marfat.com

اس پر خوشی نہ کرے۔

صبر کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ امکان بھر محنت کے نتائج کا مومنانہ یقین کے ساتھ انتظار کیا جائے۔ بعض بے سمجھ انسان ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کرتے ہیں وہ قدرت کے قوانین کو اپنی امنگوں کا ہمنوا بنانا چاہتے ہیں لیکن یہاں عالم ناسوت میں قدرت کا اٹل ضابطہ' قوانین کار فرما ہے۔ بیج سے لے کر ثمر تک اور آہ سے لے کر اثر تک ایک معین قانون تربیت کار فرما ہوتا ہے وہ اپنی مقررہ رفتار سے چلتا ہے' اپنی رفتار کو بدلنا اس کے مزاج کے خلاف ہے جو لوگ نتائج کے معاملہ میں عجلت سے کام لیتے ہیں۔ وہ بے وقوف ہوتے ہیں۔ ایک دہقان بیج بونے کے بعد ایک معین عرصہ تک صبر و ثبات سے آبیاری کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایک خاص موسم میں ہی جا کر بیج پودے کے رنگ میں نمودار ہوگا اور پھر ایک خاص وقت کے بعد ہی شگوفہ ثمر کا روپ دھارے گا' نتائج کے متعلق یہ حکیمانہ بصیرت بھی صبر کا ہی ایک پہلو ہے اس کے علاوہ قناعت' شجاعت' امانت' حلم و تحمل اور عفو و ایثار بھی صبر کے ہی مختلف پہلو ہیں جو مختلف مواقع کے اعتبار سے مختلف ناموں سے موسوم کیے جاتے ہیں۔

اس کائنات میں زندگی گذرنے کے لیے قدم قدم پر صبر کا دامن تھامنا ہوگا' دانا کہتے ہیں کہ صبر خود تلخ ہے لیکن اس کا ثمر بہت میٹھا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے آپ کو ہزارہا چھوٹی چھوٹی خواہشات کو قربان کرنا پڑے گا کئی قسم کے آرام ہیں' جن کو خیر باد کہنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر لیلائے کامرانی کا جلوہ نظر آتا ہے' بڑے مقصد کے لیے چھوٹی خواہشات کی قربانی بھی صبر ہی کا شیوہ ہے۔

توضیحات صبر

صبر والوں سے قدرت بھی بھرپور تعاون کرتی ہے بلکہ تائید ایزدی کے بغیر صبر کرنا بھی محال ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

- **واصبر وما صبرک الا باللہ** پ ۱۴ ع ۲۲ صبر کیجیے' اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر تم صبر بھی نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

- صبر والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے **ان اللہ مع الصابرین** بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
- صبر جمیل یہ ہے کہ مصیبت کے وقت قوم کے درمیان کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کون مصیبت میں مبتلا ہے۔

  اللہ تعالیٰ کے ارشاد **فاصبر صبرا جمیلا** کا یہی مفہوم ہے۔
- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان صبرو تحمل کا نام ہے۔
- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے تو مجھے قطعاً" اس بات کی پروا نہ ہوتی کہ میں ان میں سے کس پر سوار ہوں۔
- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔
- حضرت ذوالنون مصری نے فرمایا: اللہ کے احکام کی مخالفت سے دور رہنے کا اور مصائب کے گھونٹ پینے پر سکون و اطمینان اور زندگی کے میدان میں باوجود محتاجی کے اپنے آپ کو مالدار ظاہر کرنے کا نام صبر ہے۔
- حضرت جنید بغدادی سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ناک بھوں چڑھائے بغیر کڑوی چیز کا گھونٹ پی جانا ہی صبر ہے۔
- حضرت خواص نے فرمایا کتاب و سنت کے احکام ثابت قدم رہنا صبر ہے۔
- حضرت ابو علی دقاق نے فرمایا۔ صبر کی تعریف یہ ہے کہ تو تقدیر پر اعتراض نہ کرے اور اپنی مصیبت کا اظہار اس طریقہ پر کرے کہ اس میں شکایت کا پہلو نہ پایا جاتا ہو۔
- محمد بن عبداللہ بن شاذان نے فرمایا: صبر یہ ہے کہ بندہ کے لیے راحت و مصیبت کی حالتیں دونوں یکساں ہوں اور دونوں حالتوں میں سکون قلب حاصل ہو۔

Marfat.com

صبر کی دو قسمیں

صبر کی قسمیں بتائی گئی ہیں ایک صبر عابدین اور دوسرے صبر عاشقین' صبر عابدین دائمی صبر کو کہتے ہیں اور صبر عاشقین ترک صبر کا نام ہے۔

ہمارا مشورہ

پس آپ بھی صبر کو شیوہ بنائیے جب حالات ناساز گار ہوں جب مسلسل جدوجہد سے آپ بالکل شل ہو چکے ہوں' جب کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں تو اس وقت صبر کے مقوی نسخہ کو استعمال کیجئے' تقدیر کے ہر فیصلے کو خوش دلی سے قبول کیجئے' زندگی کی تلخیوں کے باوجود صبر و رضا کی حلاوت کے مزے لیجئے اور زندگی کے کھیل کو فتح و شکست سمیت اچھے کھلاڑی کی طرح مردانہ وار کھیلئے۔ فتح کی مسرتوں میں دوسروں کو بھی شریک کیجئے اور شکست کی تلخیوں پر خود ہی مسکرا کر اسے گوارا بنا لیجئے۔

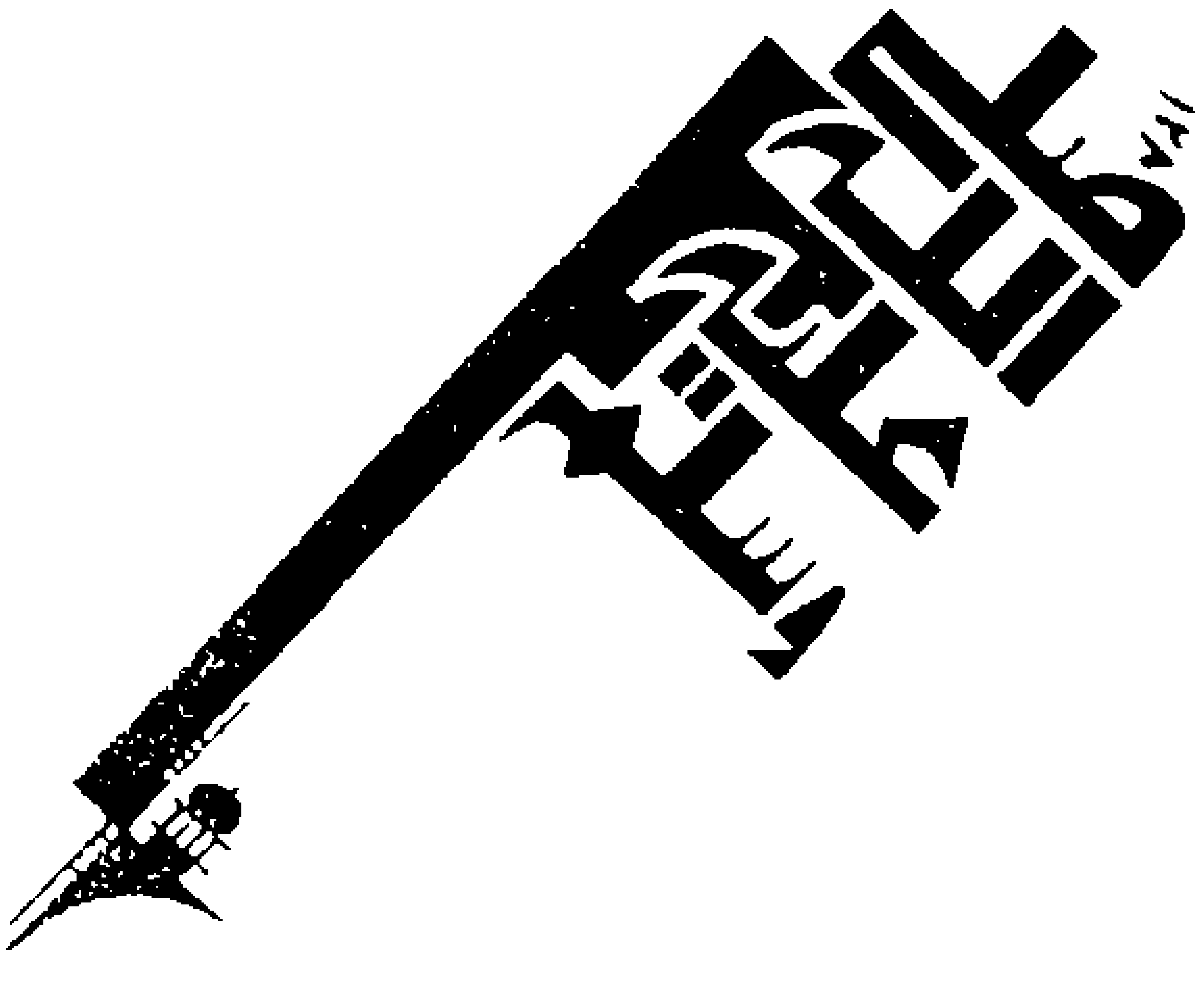

Marfat.com

فلسفہ دعا

ادعونی استجب لکم (پ ۲۴ ع ۱۱)

قرآن حکیم میں خداوند کریم ہمیں دعا مانگنے کی دعوت دیتا ہے' وہ چاہتا ہے کہ انسان مانگتا رہے اور میں دیتا رہوں۔

دعا کیا ہے؟

دعا بے چاروں کا چارا اور بے سہاروں کا سہارا ہے۔ یہ دل کے زخموں کا مرہم اور بے چینیوں کا مداوا ہے۔ اس پر قیمت نہیں لگتی لیکن ہر مصیبت میں کام آتی ہے۔ آپ اسے برتیں نہ برتیں' لیکن یہ ہروقت آپ کے ساتھ ہے اور آپ کی اخلاقی امداد کو تیار ہے۔ وہ کتنا نادان ہے جو اپنی جیب میں در شہوار رکھتے ہوئے بھی اپنے افلاس کا شاکی ہو۔ نادانی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے' دعا کی بے پناہ قوت جس کے پاس ہو وہ پریشان کیوں رہے۔ جو خالق سے رابطہ قائم کر سکتا ہو وہ مخلوق سے کیوں ڈرے۔ جو اپنی فریاد رب العالمین کے سامنے پیش کر سکتا ہو وہ عالمین سے کیوں گھبرائے۔ رحیم اور قدیر خالق جس کی فریاد رسی کرے' وہ اپنی بے بسی کا کیوں قائل ہو۔ افسوس ہے اس پر جس کے گھر میں خزانے دبے ہوں اور وہ بھیک مانگتا پھرے۔ جس کے دل کے تاروں میں نغمے بھرے پڑے ہوں' وہ غیر سے ساز شکستہ مستعار لیتا پھرے۔ جو سمندر بکنار ہو وہ پانی کے گھونٹ کو ترستا پھرے۔ یہ میں نے جو کچھ کہا ہے کچھ مبالغہ نہیں'

Marfat.com

صرف شاعری یا قلم کی جولانی ہی نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے۔ ایک آزمودہ حقیقت ہے۔ اس کے پیچھے انبیاء اور اولیاء کی تائید اور حکماء اور علماء کی تحقیق شامل ہے۔ مذہب والے دعا کی قوتوں پر یقین رکھتے ہیں اور نفسیات والے تجرباتی طور پر اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں۔ عشرت کی خود فریبیاں اور حکمت کی دانائیاں جب کار فرمائی سے رہ جاتی ہیں تو دعا کی مسیحائیاں ہی کام آتی ہیں۔ **امن یجیب المضطر اذا دعا** ○

دعا قلب مضطر کی دمساز بھی ہے اور ہمراز بھی
دعا شکستہ دلوں کا سوز بھی ہے اور ساز بھی
دعا اپنے خالق اور مالک کے سامنے ایک دکھے ہوئے دل کی پکار بھی ہے اور بے یار و مددگار کا ہتھیار بھی
یہ ایک مسیحا کے سامنے مریض ناتواں کا عرض حال بھی ہے اور مریض عشق کی آرزوئے جمال بھی
یہ ایک اظہار درد دل بھی ہے اور قرار جان بسمل بھی
یہ دوائے درد ہجراں بھی ہے اور لقائے روئے جاناں بھی

دعا نفسیاتی علاج ہے

آپ اپنے دل کا جائزہ لیجئے اور اپنی کتاب زندگی کے اوراق الٹ کر دیکھئے اور یاد کیجئے کہ جب کبھی بھی حالات زمانہ کی تلخیوں نے آپ کو پریشان کیا' جب بھی ماحول کی ناسازگاریوں سے آپ گھبرائے۔ کسی مونس دیرینہ یا غمگسار کے ایک ہمدردانہ فقرے نے آپ کو کتنا سہارا دیا۔ اس عالم یاس میں کسی دوست کے محبت بھرے ہاتھ کے لمس نے آپ کو کس طرح تھام لیا۔ کسی مخلص دوست کی ہمت افزائی نے کس طرح مسیحائی کی اور کسی غمگسار کو داستان دل سنا کر' کس طرح آپنے اپنے آپ دل کو ہلکا محسوس کیا' یقیناً کوئی نہ کوئی واقعہ تو آپ پر بھی ایسا گذرا ہو گا۔ اس لیے یہ آپ کا ذاتی تجربہ بھی ہو گا اور ایک نفسیاتی حقیقت بھی۔

Marfat.com

○ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ اظہار غم سے غم بہت کچھ ہلکا ہوتا ہے۔ اپنے جذباتی ہیجان کو کسی خارجی دباؤ سے "تکلفاً" دبا دینے سے سینکڑوں نفسیاتی عوارض پیدا ہوتے ہیں۔ جذباتی الجھنیں اسی دباؤ سے پیدا ہوتی ہیں اور الجھنیں' اظہار جذبات سے سلجھ بھی جاتی ہیں۔ چنانچہ پرانے جذباتی تجربات کو جب پھر سطح شعور پر لا کر اظہار کا موقعہ دیا جاتا ہے تو مرض کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ دعا میں یہ نفسیاتی علاج موجود ہے۔ آپ جو بھی جذباتی یا ذہنی کیفیت کسی عزیز سے عزیز انسان کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے بھی شرماتے ہیں وہ اپنے خالق کے سامنے بے تکلف و بے حجاب بیان کر سکتے ہیں۔ اس سے آپ کو افشائے راز کا ڈر نہیں رہتا اور نہ ہی آپ کی خودداری کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ پس اپنی ہر تکلیف کو بلا تاخیر اور بلا تکلف' اپنے خالق کے سامنے وضاحت سے بیان کیجئے۔ یہ دعا کا پہلا جزو ہے۔ آپ کو دعا کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں۔ اس نسخہ اکسیر سے ہر وقت فائدہ اٹھایئے۔ آپ کی ساٹھ فی صد پریشانیاں تو اظہار کے ساتھ ہی جاتی رہیں گی۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ بھئی میں نے جب اپنی مشکل بیان کر دی تو میرے دل کا بوجھ اتر گیا' یا میرے دل کا بخار کم ہو گیا۔ ان فقروں میں بڑی جان ہے۔ یہ ایک مسلمہ نفسیاتی اصول ہے کہ اظہار سے دل کا بوجھ کم ہوتا ہے اور واقعی باطنی بخار کو جب نکاس کا موقعہ ملتا ہے تو اس کی شدت کم ہو جاتی ہے۔

شعوری تجزیہ

دعا کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک قوی غمگسار کی حمایت و سرپرستی پر یقین ہوتا ہے۔ دعا کرنے والا اپنے خالق کو علیم و خبیر جان کر دعا کرتا ہے۔ پھر اسے یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ وہ میری مشکلات کے حل کرنے اور میرے درد کو دور کرنے پر قادر ہے اور دعا کرنے والا یہ بھی مان کر ہی دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم بھی ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں پر خاص طور پر رحیم ہے وہ دعائیں سنتا ہے۔ وہ درد مندوں کی فریاد پر توجہ دیتا ہے۔ وہ غمزدوں کے دل کی دھڑکنوں کی زبان جانتا ہے۔ وہ ہر مخلوق کے دکھ اور درد کو محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ وہ رب ہے' رحیم ہے' کریم ہے رحمٰن ہے۔ یہ

Marfat.com

سب صفات اسی بات کی متقضی ہیں کہ اس کے عواطف رحم و کرم بے پناہ ہوں' اس کی محبت و شفقت ہمہ گیر ہو' اس کا دست کرم ہر دامن طلب کو محیط ہو۔

اگر ان صفات پر پورا پورا یقین رکھتے ہوئے' کامل توجہ اور عجز و نیاز کے ساتھ دعا کی جائے اور دعا' زبان سے نکلے ہوئے چند سطحی الفاظ ہی پر مشتمل نہ ہو بلکہ اس میں دلی طلب کا عنصر غالب ہو تو دعا تیر بہدف ہوتی ہے۔ یہ تدبیر اور تقدیر کو بھی بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اجابت و پذیرائی ایسی دعا کے استقبال کو آتی ہے اور اس کی فوری قبولیت اور افادیت یہ ہے کہ دعا مانگتے ہی دعا مانگنے والے کو ایک قلبی سکون حاصل ہوتا ہے غم اور مایوسی کے اندھیروں میں اطمینان اور امید کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگتی ہے بجھے ہوئے دل میں پھر سے امیدوں کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں۔ دل و دماغ خود اعتمادی سی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس داخلی انقلاب کے ساتھ ہی خارجی تبدیلی شروع ہو جاتی ہے۔ ماحول میں سازگاری کے آثار پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ بے گانوں سے یگانگت کی بو آنے لگتی ہے۔ مخالف' معاونانہ ادائیں دکھانے لگتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ بھئی یہ تو خود فریبی سی معلوم ہوتی ہے مبالغہ ہی مبالغہ ہے۔ دعا کیا ہوئی' جادو کا کھیل ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ جادو کے کھیل سے بھی بہت ہی زیادہ موثر اور زود اثر اور تیر بے خطا ہے۔ یہ قطعی نسخہ شفا ہے اس بے بہا نسخہ کو اپنایئے اور عزم و یقین کے ساتھ مناسب وقتوں پر آزمایئے ۔ لیکن یاد رہے اس سے استفادہ کی شرط یہ ہے کہ اپنے خالق پر پورا پورا بھروسا ہو۔ اس کی ہمہ دانی' ہمہ توانی اور عالمگیر محبت پر پورا یقین ہو پھر دیکھیے دعا لبوں پر آتے ہی اجابت آپ کا دامن تھامتی ہے یا نہیں؟

اجابت دعا کی صورتیں

لیکن ایک بات یاد رکھیے۔ اجابت اسی کا نام نہیں کہ آپ جو کچھ جس طرح مانگیں وہ من و عن اسی طرح مل جائے۔ یہ خالق کائنات کی حکمت بالغہ کے خلاف ہے کہ آپ کی عقل ناتمام کی پیروی کرے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ جو کچھ مانگ رہے ہوں یا جن نتائج کی طلب کر رہے ہوں۔ وہ انجام کار آپ کی موجودہ صورت حال سے بھی

Marfat.com

زیادہ مضر ہوں۔ آپ کی عقل نا تمام سراب کو آب سمجھ رہی ہو اور زہر کو تریاق سمجھ کر اسی کا مطالبہ کر رہی ہو۔ ان حالات میں دعا کی پذیرائی یہ ہے کہ نتائج آپ کے مفید طلب ہوں۔ آپ کے لیے حقیقتاً" فائدہ مند ہوں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ آپ کے زاویہ نگاہ کو درست کر دنیا کہ وہ مضر اور مفید میں امتیاز کر سکے اور غلط فہمی کے چکر سے نکل جائے۔ یہ بھی اجابت دعا ہی ہے۔ پھر یہ کہ آپ کا عزم بڑھ جائے اور آپ کا فکر درست ہو جائے تاکہ موجودہ پریشان کن صورت حال کی تلخیاں کم ہو جائیں اور بظاہر ناقابل برداشت حادثہ' حکیمانہ تجزیہ کی زد میں آ کر اپنی ہولناکی کھو دے' یہ بھی اجابت دعا ہی ہے یا متوقع نتیجہ کے بر خلاف کوئی اور ایسی صورت حال پیدا ہو جائے جو اپنی دور رس حکمتوں میں متوقع نتیجہ سے بہتر نتائج پر مبنی ہو۔ یہ بھی اجابت دعا ہی ہے۔ الغرض دعا ضرور اثر دکھاتی ہے' دعا میں صرف کی ہوئی محنت ضرور رنگ لاتی ہے۔ دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ یہ صدیوں کا مجرب اور کروڑ ہا انسانوں کا آزمودہ نسخہ ہے۔ حکمت جدید و قدیم اس کی تعریف میں رطب للسان ہے اور تجربہ اس کی قطعی تائید کرتا ہے پس آپ بھی اس کو آزمایئے اور فائدہ اٹھایئے۔

دعا کے اثرات

ایک ہی صورت حال کی موجودگی میں مختلف افراد کا رد عمل مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً" بستی میں خبر اڑی کہ ایک باؤلا کتا گلیوں میں گھوم رہا ہے۔ اس خبر کو سن کر ایک آدمی اپنے گھر کی زنجیر اندر سے بند کر لیتا ہے اور فوراً" اپنے بچوں کو اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہے۔ دوسرا آدمی اپنے ہمسایہ کو بھی مطلع کر دیتا ہے تاکہ وہ بھی اپنے گھر کی اور اہل و عیال کی مناسب حفاظت کر سکے' تیسرا آدمی اپنے دروازے کے سامنے بندوق لے کر بیٹھ جاتا ہے کہ اگر کتا اس طرف سے گذرے تو وہ اسے ہلاک کر سکے چوتھا آدمی بندوق لے کر کتے کی تلاش میں نکل پڑتا ہے تاکہ وہ جہاں بھی ملے اسے ہلاک کر دے۔ اب دیکھئے ایک ہی واقعہ کے متعلق حسب مزاج' مختلف انسانوں کا طرز عمل مختلف ہوتا ہے ماحول کا تاثر مختلف مزاجوں پر مختلف اثر ڈالتا ہے۔ کوئی آدمی مصیبت پر

Marfat.com

رو دیتا ہے۔ دوسرا عالم اضطراب میں دیوانہ وار بھاگ دوڑ کرتا ہے' تیسرا صرف کندھے جھٹک کر مسکرا دیتا ہے' چوتھا خوف کے ساتھ اس واقعہ کو فوراً" بدل دینا چاہتا ہے اور اس میں وہ بعض اوقات غیر قانونی ذرائع کے استعمال سے بھی نہیں چوکتا۔ پانچواں حکیمانہ تجزیہ کر کے اسے مناسب طریقہ پر حل کر لیتا ہے۔

پس مزاج ہی ماحول کا اثر قبول کرتا ہے اور مختلف مزاجوں پر ماحول کا اثر بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے اگر داخلی طور پر مزاج میں تبدیلی آ جائے تو ماحول بھی اپنے اثرات کے لحاظ سے بدل جاتا ہے اب دو صورتیں موجود ہیں یا ماحول کو بدلیے اور یا مزاج کو' اکثر اوقات ماحول کو بدلنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا لیکن مزاج کو تو بدلا جا سکتا ہے۔ اور دعا کا کام مزاج کو بدلنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر یقین' اس کی عالمگیر محبت اور شفقت پر اعتماد اور اس کی ہمہ گیر قوت پر بھروسے سے مزاج میں فوری طور پر ایک صحت مندانہ تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان میں خود اعتمادی' امید' یقین اور ان کے نتائج کے طور پر سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تبدیلی کے ساتھ ہی ماحول بدل جاتا ہے۔ تلخیاں کم ہو جاتی ہیں اور تاریکی کے بادل چھٹنے لگتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اکثر اوقات اجابت دعا کی برکت سے ماحول میں مادی تبدیلی بھی ہو جاتی ہے۔ پس مشکلات کی برداشت اور حل کے لیے دعا سے بہتر اور کوئی نسخہ اکسیر موجود نہیں۔ جو اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ وہ زندگی کی بیشتر الجھنوں کو سلجھا سکتا ہے۔

مقبول دعائیں

قرآن حکیم میں انبیاء کرام کی دعاؤں کا تذکرہ موجود ہے۔ ان کی دعاؤں نے مزاج بھی بدلے اور ماحول کو بھی بدل کر رکھ دیا اور ایسا انقلاب بپا کیا کہ جس کی یادیں قیامت تک رہیں گی۔ قرآنی دعائیں یاد کیجئے کہ ان میں نہ افراط ہے نہ تفریط' ان کے جملے کیف آور بھی ہیں اور ایمان افروز بھی' ان کے کلمے روح پرور بھی ہیں اور باطل سوز بھی۔

یہ دعائیں مختصر بھی ہیں اور جامع بھی ان میں اعجازی شان بھی ہے اور قبولیت کا

Marfat.com

فیضان بھی۔

کتب احادیث میں حضور سرکار ابد قرار علیہ التحیتہ والثناء کی دعاؤں کا بے بہا ذخیرہ موجود ہے جو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بے نظیر بھی ہیں اور استجابت و قبولیت کے اعتبار سے پر تاثیر بھی۔

قرآن و حدیث کی یہ دعائیں مسنون بھی ہیں اور معمول بھی' ماذون بھی ہیں اور مقبول بھی

ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ وفی الاخرۃ حسنتہ و قنا عذاب النار

Marfat.com

ذکر سے اطمینان ملتا ہے

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (پ ۱۳ ع ۱۰)

اطمینان کیا ہے؟

زندگی کی جدوجہد اور ہما ہمی کے پیچھے دو ہی جذبات کار فرما ہیں اور وہ ہیں دفع مضرت اور جلب منفعت' انسان دکھ کو ہٹانا چاہتا ہے اور سکھ کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ان واقعاتی معاملات کی نفسیاتی تعبیریوں ہو گی کہ انسان غم و اندوہ سے بچنا چاہتا ہے اور مسرت کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن مسرت کی کیفیت میں کمی بیشی کا امکان ہوتا ہے کبھی تو صرف اتنی سی مسرت ہی نصیب ہوتی ہے جو مزاج کے تقاضے کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس سے دل کی تسلی نہیں ہوتی۔ مزاج میں تشنگی اور ناتمامی کا احساس باقی رہ جاتا ہے اور کبھی اتنی زیادہ مسرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ کچھ فالتو اور گراں ہی معلوم ہونے لگتی ہے۔ نعمت کی غیر معمولی کثرت سے بھی اس کی لذت میں کمی آ جاتی ہے۔ پس جب مسرت بھی حد اعتدال سے بڑھ جائے تو اپنی صحیح لذت کو کھو دیتی ہے۔ سچی مسرت ہم اسی کو کہہ سکتے ہیں جو افراط و تفریط سے خالی ہو اور پورے مقام اعتدال پر فائز ہو۔ جس کے حصول سے نہ تشنگی رہ جائے اور نہ ہی گرانی کا احساس ہو' پس مسرت جب اس کیفیت اعتدال کی حامل ہو اور وہ مزاج کا ایک طبعی سا تقاضا بن جائے تو

Marfat.com

اسے اطمینان کہتے ہیں۔

جبلت کے ہر ایک تقاضے کی تسکین سے عارضی مسرت حاصل ہوتی ہے اور اگر یہ لذت اور مسرت نہ ملے تو انسان اپنے طبعی تقاضوں کی تسکین سے بھی بے پروا ہو جائے۔ جس سے نوع انسانی کو حیاتیاتی نقطہ نگاہ سے شدید نقصان پہنچ جائے۔ لیکن قدرت نے طبعی وظائف کی ادائیگی کے ساتھ ایسی لذت اور مسرت' وابستہ کر رکھی ہے کہ ہر انسان اس تقاضا کی تسکین پر مجبور ہو جاتا ہے بعض اوقات تو یہ تقاضا اتنا شدید ہوتا ہے کہ عقل و خرد کی سب دور اندیشیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور انسان جذبات و خواہشات کے تند دھارے کے سامنے تنکے کی طرح بہ جاتا ہے۔

لیکن جب طبعی خواہشات اور جبلی تقاضے کسی بلند نصب العین کی محبت کے زیر سایہ آ جاتے ہیں تو ان میں ایک اعتدال و توازن کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ نصب العین کی محبت کا جذبہ بے لگام جبلی جذبات کو قابو میں رکھتا ہے اور تمام داخلی اور خارجی قوتوں کو حصول مقصد اور تکمیل مدعا کے لیے مائل عمل کر دیتا ہے۔ جذبات کی اس ہم آہنگی اور ترتیب سے ایک تسکین داخلی پیدا ہو جاتی ہے جو نہ صرف حامل مسرت ہی ہوتی ہے بلکہ اس میں بے پناہ قوت بھی ہوتی ہے۔ محبت سب سے قوی عاطفہ ہے۔ اس سے ممکنات انسانی میں بے پناہ ارتقا پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی قوتیں غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہیں محبت کے جذباتی اثر کے ماتحت انسان سے جو غیر معمولی اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ ان کی عقلی توجیہہ ہو ہی نہیں سکتی۔ پس سچے نصب العین کی محبت (جو حقیقتاً" خدا کی محبت ہے) سے ہی جذباتی قوت اور روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے جو اطمینان قلبی کا باعث بنتی ہے۔

قوت ذکر

ذکر کی عام ظاہری صورت تو یہ ہے کہ مسلسل اللہ تعالٰی کے نام کا ورد کیا جائے۔ جس چیز کا آپ تکرار کریں گے اور جس شے کے تصور کو مسلسل ذہن میں قائم کریں گے۔ آپ اس چیز کے معنوی اثرات سے ضرور متاثر ہوں گے۔ پھول کا تصور مسلسل

Marfat.com

کیجئے اور اس تسلسل کو طویل کرتے جایئے' تو آپ اپنے آپ کو رنگ و بو کی آغوش میں پائیں گے۔ مسرت کے لفظ کی تکرار سے ہی آپ مسرور ہو جائیں گے۔ کسی دشمن کو یاد کیجئے۔ فوراً" ہی نفرت و حسد کے معاندانہ جذبات پیدا ہونے لگیں گے۔ حضرت جامی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

گر در دل تو گل گذرد گل باشی
در بلبل بیقرار بلبل باشی
تو جزوی و حق کل است اگر روزے چند
اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی

الفاظ علاماتی تصاویر ہوتے ہیں۔ ہر لفظ سے کچھ تصورات وابستہ ہوتے ہیں جن کا وہ ترجمان ہوتا ہے اور یہ بھی یاد رکھیے آپ کا ذہن ایک سیکنڈ کے لیے بھی فارغ نہیں رہتا' یہ کسی نہ کسی سوچ میں مصروف رہتا ہے۔ خیالات ہوتے ہیں کہ سینما کی فلم کی طرح اس میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہندو یوگ والوں نے ذہن انسانی کی اس عادت کو بندر سے تشبیہ دی ہے۔ بندر ایک ثانیہ کے لیے بھی نچلا نہیں بیٹھ سکتا اور انسانی ذہن بھی ایک ساعت کے لیے' خیالات کی آمد و شد سے فارغ نہیں رہ سکتا۔ اور جس طرح ایک بندر کی حرکات میں ربط اور مقصد نہیں ہوتا اسی طرح خیالات بھی غیر مربوط اور بے مقصد ہی ہوتے ہیں۔ کبھی آپ اپنی ذہنی حالت کا غیر جانبدرانہ جائزہ لیں تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی۔ غالب نے کہا۔

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

مندرجہ بالا عادت' ذہن انسانی کی ایک طبعی لیکن تخریبی عادت ہے لیکن جب قوت ارادہ سے اس بے ربطی میں ربط پیدا کر لیا جائے اور بے مقصد خیالات کو کسی مقصد واحد کے ماتحت ترتیب دے لیا جائے تو وہ ایک بہت بڑی قوت بن جاتے ہیں اور قوت خیال کے اسی مقصدی تسلسل کو ذکر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ذکر کا فائدہ آخرت میں تو یقینی ہے مگر دنیا میں بھی ذکر سے انسان میں طہارت و قوت کا سیل رواں

Marfat.com

موجزن ہو جاتا ہے اور اس کے دل پر معارف عجیبہ اور علوم غریبہ وارد ہونے لگتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

بنی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

اسی ذکر کی قوتیں بندے کو چشم زدن میں فرش سے عرش تک اور مکان سے لامکان تک لے جاتی ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔۔

صورتش برخاک و جاں در لا مکاں
لا مکانے فوق وہم سالکاں

ذکر یاد جمال اور تصور کمال کا نام ہے۔ جس طرح مسافر کے لیے تصور منزل' لازم ہے۔ اسی طرح مومن کے لیے بھی تصور ذات ضروری ہے۔ کشش منزل نہ ہو تو سفر کیسے کٹے اور تصور منزل حیات نہ ہو تو یہ سفر طویل کیسے مختصر ہو۔ سفر کی زحمتیں تصور منزل سے ہی گوارا ہوتی ہیں اور زندگی کی صعوبتیں بھی یاد خدا سے ہی قابل برداشت ہوتی ہیں۔ جب منزل قریب ہو تو آبلے نوک خار پر مسکراتے ہیں اور جب محبوب بھی قریب ہو تو عاشق' موت تک کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لیلائے کامیابی کی کشش' تھکے ہاروں کو اکساتی ہے اور یاد خدا بھی بے چاروں کی چارہ ساز بن کر آتی ہے۔ صبح کی یاد میں شب دیجور بھی کٹ ہی جاتی ہے اور یاد خدا میں ہر زحمت مٹ جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا **ولذکر اللہ اکبر**

محبوب چیز کی یاد سے اور اس کے نام کے ذکر سے محب کا دل کبھی نہیں بھرتا۔ بلکہ یاد سے کچھ طلب اور بڑھ جاتی ہے۔ مولانا روم نے مجنوں کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اپنی دھن کا پکا' صحرا میں بیٹھا ہوا' زمین کو صفحہ قرطاس بنا کر انگلی کے قلم سے کچھ لکھ رہا تھا' کوئی فرزانہ قریب سے گزرا اور اس نے دیوانے سے پوچھا کہ یہ نامہ کس کو لکھ رہے ہو۔ یہ مکتوب تو کہیں پہنچ نہیں سکتا۔ ابھی ہوا کا جھونکا چلے گا اور یہ سب تحریر مٹ جائے گی۔ اس نے کہا تحریر تو بہانہ ہے مقصود تو یاد یار سے دل کو بہلانا ہے۔

دید مجنوں را کے صحرا نورد

Marfat.com

در بیابان جنوں بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم
می نویسد نامہ بہر کس رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلےٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

ذکر کی مشق سے محبت' پروان چڑھتی' بڑھتی اور ابھرتی ہے یہاں تک کہ محویت و استغراق کی منزل آ جاتی ہے اور بندہ فنا و بقا کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے اور اسی مقام پر شہید خنجر تسلیم کہلاتا ہے اور ہر سانس میں کئی بار مرتا ہے مولانا جامی فرماتے ہیں۔

ہر کس بمیرد یکبار
بے چارہ جامی بارھا

اسی کیفیت کو موتوا قبل ان تموتوا کا نام دیتے ہیں۔ کسی عاشق نے کیا خوب کہا ہے۔

دے صد بار در یاد تو میرم
باایں بے طاقتی نام تو گیرم

یعنی ایک دم میں تیری یاد میں سو مرتبہ مرتا ہوں اور میں بے طاقتی کے باوجود بھی تیرا ذکر ہی کرتا رہتا ہوں۔

قرب محبوب کا تصور

یار کے نام کی مدد سے بھی تسلی خاطر ضرور ہوتی ہے۔ لیکن ذکر کا ایک اور مفہوم اس سے بھی بلند تر ہے اور وہ ہے قرب محبوب کا تصور۔ بچہ خائف ہو۔ اندھیرا گھپ ہو۔ لیکن اچانک اسے پتہ چل جائے کہ باپ ساتھ ہی ہے۔ تو سب خوف جاتا

Marfat.com

رہتا ہے۔ اور معیت و قرب کے اس تصور سے ہی سکون نصیب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کو ذکر و تصور سے اس بات کا یقین واثق ہو جائے کہ رب قریب ہے۔ رگ جاں سے بھی قریب ہے اور یہ قرب و معیت دائمی ہے۔ ایک ساعت کے لیے بھی اس میں فرق نہیں آتا اور جو قریب ہے وہ حافظ ہے ناصر ہے' رحیم ہے' کریم ہے۔ قدیر ہے اور خبیر ہے تو پھر لا محالہ اس یقین سے وہ اطمینان نصیب ہوتا ہے جو معرفت کا ثمر ہے۔ وہ لذت نصیب ہوتی ہے جو ایمان کا نتیجہ ہے اس وسیع کائنات میں انسان جب اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے اور جب حوادثات حیات کی کثرت ہوتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے کش مکش حیات کی تلخیاں' اسے پریشان کر دیتی ہیں۔ تنازع للبقا کے چکر میں پھنس کر اس کی ہمتیں جواب دینے لگتی ہیں کہ اچانک قریب ہی سے آواز آتی ہے۔ گھبراؤ نہیں میں ساتھ ہوں! میری رحمتیں محیط کائنات ہیں۔ اس عالم کی تخلیق بالحق ہے اس لیے یہ سراپا خیر ہے۔ سعی و عمل کی تلخیاں سزا کے لیے نہیں بلکہ ارتقا کے لیے ہیں اور ارتقا سے بہتر جزا کیا ہے' تم اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھو' امید کی شمع کو روشن رکھو۔ **لا تقنطوا من رحمتہ اللہ**

محنت سے نہ گھبراؤ۔ **لیس للانسان الا ماسعی** تو ایک اٹل قانون ہے محنت کے بعد راحت اور دکھ کے بعد سکھ لازم ہے۔ **فان مع العسر یسرا**

اس ہمدردانہ صدا اور مشفقانہ ندا کے بعد عزائم جوان ہو جاتے ہیں اور ہمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ تھکا ماندہ کاروان حیات' پھر سے کمر ہمت باندھ کر چل کھڑا ہوتا ہے اور یہ ذکر ہی کی برکت ہے جس سے قرب محبوب کا یقینی تصور' تصدیق قلبی اور مشاہدہ عینی کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

ذکر کا ایک پہلو اور لیجیے۔ دکھ' احساس نا تمامی کا نام ہے اور احساس ناتمامی سے بڑی بے سرو سامانی اور کیا ہو گی! یا مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی زبان میں یوں کہئے کہ دکھ اور درد فراق ہے اور اطمینان و سکون وصال ہے مولانا (نے) بانسری کی زبان سے اس حقیقت کو بیان کرواتے ہیں۔

بشنواز نے چوں حکایت می کند

Marfat.com

و ز جدائی ہا شکایت می کند

کہ نے (بانسری) اپنی اصل سے جدائی کی شاکی ہے اور اصل سے وصل کی متلاشی ہے۔

ہر کہ او دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

قطرہ جب تک اپنی حقیقت کو نہیں پالیتا وہ ناتمام رہتا ہے اور ناتمامی کے دکھ میں مبتلا۔ لیکن جب اپنی حقیقت کو پاکر' واصل بحر ہو جاتا ہے تو سمندر بکنار ہو جاتا ہے۔ اور اس مقام پر جاکر قطرہ اپنی وسعت پر ناز کر سکتا ہے جو ناز کہ حقیقت کی یافت کا ثمرہ ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

ذکر ایک ارادی اور شعوری فعل ہے۔ الفاظ سے یا تصور سے کسی شے کی طرف ذہن کو منتقل کرنا ذکر ہے۔ لیکن اصطلاحاً" اس کے معنی ہیں یاد الٰہی۔ جب عبد' معبود کو یاد کرتا ہے۔ جب مخلوق اپنے خالق کو یاد کرتی ہے تو اس فعل ارادی کو ذکر سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ذات کے حسن و جمال اور خیر و کمال کے تصور سے انسان پائیدار مسرت اور کامل اطمینان کے حصول کے قابل ہو جائے۔ اس کا نتیجہ ہے معرفت اور معرفت ہی کا ثمرہ ہے ازلی مسرت اور دائمی فرحت۔ پس آپ ذکر کی برکتوں سے استفادہ کیجئے اور تصور جمال سے سراپا جمال اور یاد کمال سے مجمہ کمال بن جائیے۔

واذکروا اللہ قیاما و قعودا وعلی جنوبھم سے یہی سبق ملتا ہے۔

Marfat.com

احترام والدین

وقضی ربک الا تعبدوا الا اباہ وبالوالدین احسانا (پ ۱۵ ع ۳)

اسلام نوع انسانی کے بقا اور ارتقاء کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں تکمیل کے اصول بھی ہیں اور تزئین و تحسین کے قانون بھی۔ جہاں یہ کمال کی راہیں دکھاتا ہے۔ وہاں جمال افروزی بھی سکھاتا ہے۔

زندگی کے مقصد کا تعین اور اس مقصد عزیز کے حصول کے لیے ضابطہ کار کا تعین دین اسلام کا بنیادی موضوع ہے۔ ہادی اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی حیات طیبہ اس کامل ضابطہ حیات کی حسین و جمیل عملی تشریح ہے۔ جو اصول قرآن حکیم میں جامہ لفظی میں آئے ہیں۔ وہی سیرت نبوی میں صورت بشری میں نمودار ہوئے۔

یہ بھی واضح ہے کہ انسان اپنے وجود' بقا اور ارتقاء میں اپنے ماحول سے ناقابل انفکاک حد تک وابستہ ہے۔ اس کی اپنی زندگی اور تربیت کا انحصار بھی دوسروں پر ہے اور دوسروں کا بقا اور ارتقاء بھی اسی پر منحصر ہے۔ یوں انفس و آفاق' ذات اور کائنات' فرد اور معاشرہ' انسان اور ماحول کا چولی دامن کا ساتھ بن جاتا ہے۔ کہ ایک کے بغیر دوسرے کی حیات کا کوئی امکان نہیں۔ سب انسان کے لیے ہیں اور انسان سب کے لیے ہے۔ اسی کی ضرورت اور احتیاج کائنات خارجی کو قدر و قیمت بخشی ہے۔ اور اسی

Marfat.com

کی ضرورت کے پیمانے سے اشیا کی افادیت کو ناپا جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف حضرت اقبال نے یوں اشارہ کیا ہے۔ ؎

گنہ گار' غریب الدیار ہوں لیکن
تیرا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد
مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے
یہ دشت سادہ یہ تیرا جہان بے بنیاد

پس افادیت کے پیش نظر دوسروں کا تحفظ و احترام لازم ہے تاکہ کاروان حیات منزل ارتقا کے لیے رواں رہ سکے۔ دوسروں کے مناسب تحفظ اور احترام کو ہی اصطلاح میں حقوق اور فرائض کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس پر اسلام نے بے حد زور دیا ہے اور ہادی اسلام علیہ السلام نے اسی پر خصوصی توجہ فرمائی ہے۔ یوں تو حقوق و فرائض کے متعلق دیگر مذاہب نے بھی بہت کچھ بیان کیا ہے۔ لیکن اسلام نے اس کی تکمیل فرما دی ہے۔ اور اس کی حدود و قیود کی وضاحت فرما دی ہے حقوق کی تدریجی اہمیت' ان کی تفصیلی حکمت اور ان کی عملی صورت کو کامل وضاحت سے بیان فرما دیا ہے اور یوں ایک کامل اور واضح ضابطہ اخلاق وجود پذیر ہو گیا ہے۔ جو فرد اور معاشرہ کے باہم دگر حسن تعلقات کا ضامن اور دونوں کے مناسب ارتقا کا کفیل ہے۔

انسان کو معرض وجود میں آتے ہی سب سے پہلا سابقہ ماں کی آغوش سے پڑتا ہے۔ اس کی سطح شعور پر تاثرات حیات کے اولین نقوش ماں کی صورت اور سیرت سے ہی مرتب ہوتے ہیں اور جدید نفسیات کی تحقیق کے مطابق یہ تاثرات اولین کانقش فی الحجر ہوتے ہیں کہ ان کا مٹانا آسان نہیں ہوتا۔ محبت اور شفقت' حفاظت اور خدمت کے جذبات عالیہ سے بچے کا تعارف ماں کے ماںتا بھرے طرز عمل سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے۔ کہ انسانی کردار کے تمام خد و خال اور نقش و نگار ماں اور بچے کے اولین تعلق سے ہی صورت پذیر ہوتے ہیں۔ ماں کی آغوش ہی انسان کے لیے تعلیم و تربیت کا اولین گہوارہ ہوتی ہے۔ جہاں کردار کی اولین بنیاد بھی رکھی جاتی ہے۔ یہی وہ خشت اول ہے جس کی کجی' کردار کی تمام عمارت

Marfat.com

کو کج کر دیتی ہے اور جس کی درستگی پر تمام عمارت کی عمدگی کا مدار ہوتا ہے اموموت کی اسی اہمیت کے متعلق حضرت اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

نیک اگر بینی اموموت رحمت است
زانکہ او را با نبوت نسبت است
شفقت او شفقت پیغمبر است
سیرت اقوام را صورت گر است
از اموموت پختہ تر تعمیر ما
در خط سیمائے او تقدیر ما
گفت آں مقصود حرف کن فکاں
زیر پائے امہات آمد جناں
ملت از تکریم ارحام ست و بس
ورنہ کار زندگی خام ست و بس
از اموموت گرم رفتار حیات
از اموموت کشف اسرار حیات
از اموموت پیچ و تاب موئے ما
موج و گرداب و حباب جوئے ما

چونکہ حقوق و فرائض کی ادائیگی کی اولین تربیت گاہ مادر ہی ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے سب سے پہلے ماں کے حقوق کی پاسداری پر ہی زور دیا ہے۔ قرآن میں توحید کے بعد والدین کے حقوق کی ادائیگی کا یہی حکم دیا گیا ہے۔

واعبدو اللہ ولا تشرکو بہ شیا وبالوالدین احسانا پ ع

ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا

ترجمہ "اور ہم نے انسان کو جتا دیا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کی دعا مانگی

ربنا اغفرلی ولوالدی

Marfat.com

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی دعا مانگی

رب اغفرلی ولوالدی

- پس والدین کے حسن خاتمہ اور مغفرت کی دعا مانگنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حسن معاشرت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا تیری ماں' دریافت کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ عرض کی پھر کون؟ فرمایا تیری ماں' گزارش کی پھر کون؟ چوتھی مرتبہ فرمایا تیرا باپ۔
- ایک مرتبہ حضور علیہ السلام مجلس اقدس میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام کا مقدس گروہ حاضر خدمت تھا سب ہمہ تن متوجہ تھے۔ کہ ترجمان کلام خدا' زبان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے تین مرتبہ اعلان ہوا۔ وہ خوار ہوا وہ خوار ہوا۔ وہ خوار ہوا۔ نیاز مندوں نے پوچھا کون یا رسول اللہ؟ فرمایا کہ وہ جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔
- ایک اور مجلس میں صحابہ کرام نے دریافت فرمایا۔ کہ ہمارے تمام اعمال صالحہ میں سے اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے۔ تو فرمایا وقت پر نماز پڑھنا' انہوں نے دوبارہ عرض کی کہ پھر کون؟ ارشاد ہوا والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔
- ایک مرتبہ والدین کی حسن اطاعت کی برکت کو ایک دلنشین حکایت کے ذریعے یوں بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا۔

تین مسافر جنگل میں جا رہے تھے۔ کہ اچانک موسلادھار بارش شروع ہو گئی انہوں نے بھاگ کر ایک غار میں پناہ لی۔ ناگہاں طوفانی برق و باد کے زور سے ایک چٹان لڑھک کر غار کے منہ کے سامنے آگئی۔ جس سے غار سے باہر آنے کا راستہ مسدود ہو گیا۔ ان تینوں نے بارگاہ رب العزت میں اپنے اپنے منتخب اعمال صالحہ پیش کر کے رستگاری کی دعا کی۔

Marfat.com

ان میں سے ایک نے عرض کی کہ اے الہ العالمین تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے۔ اور میں دن بھر بکریاں چرانے کے بعد جب تھکا ماندہ گھر کو لوٹتا تو سب سے پہلے اپنے والدین کو بکریوں کا دودھ دھو کر پلاتا اور پھر اپنے بال بچوں کو کھلاتا پلاتا۔ ایک دن میں ذرا دیر سے لوٹا' تو میرے بوڑھے والدین سو چکے تھے۔ میں رات بھر دودھ لے کر ان کے سرھانے کھڑا رہا۔ میرے بچے بھوک سے بلکتے رہے لیکن والدین کے احترام کے پیش نظر میں نے والدین سے پہلے بچوں کو دودھ پلانا مناسب نہ جانا۔ اور اسی حالت میں کھڑے کھڑے رات گذر گئی۔ اے الہ العالمین اگر میرا یہ عمل تیری بارگاہ میں مقبول اور پسندیدہ ہے۔ تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔۔۔۔ اس دعا کے بعد وہ چٹان غار کے منہ سے تھوڑی سی سرک گئی۔ اسی طرح باقی دو آدمیوں نے بھی اپنے اپنے مقبول اور پسندیدہ اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش کر کے دعا مانگی اور چٹان غار کے منہ سے ہٹتی چلی گئی۔ اور تینوں بخیر و خوبی غار سے باہر آ گئے۔

اسلام میں جہاد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کائنات کے فساد کا علاج جہاد سے ہی ممکن ہے۔ جہاد سے خیر کا ثبات اور شر کا انسداد ہوتا ہے؟ باغبان کا شاخ تراشی کرنا ظلم نہیں کرم ہے۔ کہ اس سے شجر جلدی بار آور ہوتا ہے۔ مضرت گھٹتی ہے اور منفعت بڑھتی ہے لیکن جہاد جیسے اہم فریضہ کی اہمیت بھی والدین کی خدمت کے سامنے ثانوی حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔ جہاد میں جسم و جان کو ایمان کے لیے قربان کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہی جسم و جان والدین کے پاسبان ہوں اور ان کے بغیر کوئی اور ان کا نگران نہ ہو۔ تو اس جسم و جان کو والدین کی خدمت کے لیے بچانا' اور ان کی خدمت کا ذریعہ بنانا' زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔

- چنانچہ ایک صحابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر' شرف جہاد کی اجازت چاہی تو ارشاد ہوا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں۔ اس نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا جاؤ خدمت والدین کے جہاد میں مصروف رہو۔
- ایک آدمی نے حاضر ہو کر' خدمت اقدس میں عرض کی' کہ یا رسول اللہ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ میری مغفرت اور توبہ کا موثر طریقہ

Marfat.com

کیا ہو سکتا ہے؟ فرمایا کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ عرض کی حضور وہ تو وفات پا چکی ہے۔ فرمایا کیا تمہاری خالہ زندہ ہے؟ عرض کی کہ زندہ ہے۔ فرمایا جاؤ اسی کی خدمت کرو۔ یعنی ماں کی بہن کی خدمت کو سعادت اور مغفرت کا ذریعہ قرار دیا۔

○ حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک مجلس میں ایک عورت بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی۔ سرور کائنات علیہ الصلوت والتسلیمات نے اس کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور وہ خاتون ردائے نبوت پر تشریف فرما ہوگئیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں۔

اللہ اللہ رضاعی ماں کا بارگاہ خیر الانام میں یہ احترام ہے۔ تو حقیقی ماں کا کیا مقام ہو گا؟۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

حضور علیہ الصلوۃ نے ارشاد فرمایا کہ

"اللہ کریم چاہے تو تمام گناہ بخش دے' لیکن وہ والدین کی نافرمانی کے گناہ کو نہ بخشے گا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے بارگاہ رب العزت جل و علا میں عرض کی کہ مجھے میرے رفیق جنت سے دنیا میں ہی متعارف کرا دیا جائے۔ کہ ہمیں مودت اور محبت کی طرح ڈالی جائے ارشاد ہوا کہ فلاں شہر کا فلاں دوکاندار حیات اخروی میں آپ کا رفیق ہو گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں پہنچے اس دکاندار کی دکان کو تلاش فرما کر اس کے معمولات کو بغور ملاحظہ فرمانا شروع کیا تاکہ اس کے اس پسندیدہ عمل کا پتہ چل سکے' جس کی بدولت اسے جنت میں رفاقت نبوت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ لیکن تجارت میں اس کا کوئی ایسا نمایاں عمل نظر نہ آیا۔ خیال آیا کہ اس کی گھریلو زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیے' ممکن ہے وہاں حسن عمل کا کوئی نادر نمونہ نظر آ جائے۔

Marfat.com

چنانچہ آپ ایک اجنبی مسافر کی حیثیت سے اس کے ہاں مقیم ہوئے اس کے گھر میں دیکھا کہ اس کی ماں بہت ہی عمر رسیدہ اور ضعیفہ ہے۔ مدت سے صاحب فراش اور چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ تاجر شام کو گھر لوٹا تو سب سے پہلے گرم پانی سے ماں کے ہاتھ پاؤں دھوئے پھر گرم دودھ میں نرم روٹی بھگو کر بڑی محبت اور عقیدت سے ماں کے منہ میں نوالے ڈالے بعد از فراغت اس کا منہ صاف کر کے اس کے پاؤں دبانے شروع کیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اس کی ضعیفہ ماں کے ہونٹ ہل رہے ہیں آپ نے کان اس کے منہ کے قریب کر کے سنا! کہ بڑھیا دعا کر رہی تھی کہ بار الہا! میں اپنے بیٹے کی خدمت سے بہت خوش ہوں۔ تو اسے جوار رحمت میں' جنت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت نصیب فرما۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تاجر کو بشارت دی کہ تجھے ماں کی دعا کی برکت سے جنت میں میری معیت کی سعادت مل چکی ہے۔

Marfat.com

احترام استاد

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا (البقرہ)

انسان کا پہلا استاد (معلم) اللہ رب العزت ہے
ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (البقرہ)

دوسرے درجے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے استاد (معلم) ہیں حدیث مبارکہ بعثت معلما میں بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے اس کے بعد تمام معلمین و اساتذہ کو اللہ رب العزت اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا درجہ حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عالم گیر ربوبیت کے بعد خود انسان بھی انسان کی تربیت اور پرورش کرتا ہے۔ ربوبیت اور پرورش کی کئی قسمیں ہیں۔ جسمانی ربوبیت' ذہنی ربوبیت اور روحانی ربوبیت۔ ان تمام پہلوؤں کی متناسب ربوبیت سے ہی انسانی شخصیت کی تعمیر اور تکمیل ہو سکتی ہے اگر ان میں ایک پہلو بھی تشنہ اور نامکمل رہ جائے تو شخصیت کے تناسب اور تکمیل میں فرق آ جاتا ہے۔

جسمانی تربیت کی بنیادی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے خصوصاً والدہ پر کہ پیدائش سے پہلے اور بعد وہی جسمانی پرورش کا فریضہ ادا کرتی ہے اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بچے کی ننھی منی جان کی پرورش کرتی ہے۔ پرورش کا یہ فعل بڑا مشکل اور صبر آزما ہوتا ہے لیکن ماں کی مامتا سب کچھ برداشت کر لیتی ہے اور حیرت انگیز ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معذور اور کمزور بچے کو بتدریج' مضبوط اور صحت مند انسان کے روپ میں ڈھال دیتی ہے۔ اسی سلسلہ میں باپ بھی اپنی ذمہ داری کو بدرجہ احسن

Marfat.com

پورا کرتا ہے حتیٰ کہ بچہ اپنے بل بوتے پر کش مکش حیات میں حصہ لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

ماں باپ کے احسان پرورش کے جواب میں انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے والدین کے ادب و احترام' خدمت اور حفاظت کے فرائض عائد کر دیئے گئے ہیں کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان سے حسن سلوک کیا جائے۔ کلام کی درشتی اور آواز کی بلندی سے بھی اجتناب کیا جائے ان کی ضروریات کی کفالت اور ان کی دل جوئی کی جائے۔
——— والدین کے ادب و احترام کا یہ ضابطہ اور والدین اور اولاد میں حسن سلوک کا یہ رابطہ تربیت و تعلیم اور بقا و ارتقاء کے لیے بے حد ضروری ہے۔

جسمانی تربیت کی کفالت کے جواب میں جس ادب و احسان کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس سے آپ ذہنی اور عقلی تربیت کی کفالت کی محبت اور اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں
——— جسمانی تربیت کی ذمہ داری والدین پر اور ذہنی تربیت کی ذمہ داری اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے یہ دونوں گروہ مربی اور معلم ہونے کی حیثیت سے ادب و احترام کے مستحق ہیں۔ ذہنی اور عقلی تربیت کے سلسلہ میں تو خصوصاً" ادب و اطاعت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ استاد پر اعتبار اور اس کے وقار کے بغیر طالب علم' حصول علم سے کماحقہ فیضیاب نہیں ہو سکتا۔ حصول علم کے لیے ذہنی اطاعت ضروری ہوتی ہے کہ طالب علم کی طرف سے بے جا تنقید اور خود سری استاد اور شاگرد کے درمیان حجاب بن جاتی ہے اور دونوں میں وہ ذہنی رابطہ پیدا نہیں ہو پاتا جو انتقال علم کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

استاد کی قابلیت اور شخصیت نہ صرف ذہن کو متاثر کرتی ہے بلکہ اخلاق و کردار پر بھی اثر انداز ہوتی ہے بشرطیکہ شاگرد کی طرف سے رعونت اور نخوت کا حجاب حائل نہ ہو اور وہ کھلے دل سے استاد کی تربیت سے اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کے ساتھ فیض یاب ہو۔

شاگرد نادان ہوتا ہے اور استاد دانا' ایک بے خبر ہوتا ہے دوسرا باخبر' لہٰذا تعلیم و تربیت کے لیے لازم ہے کہ شاگرد کو اپنی ناتمامی اور ضرورت مندی اور استاد کی دانائی

Marfat.com

عقل مندی کا اعتراف ہو اور یہ اعتراف ہی استاد کے ادب و احترام کے رنگ میں نمودار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس رابطہ کو بڑے دل کش انداز میں داستان حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ کہ جب ایک خاص انداز کا علم سیکھنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی حضرت خضر کے پاس پہنچے تو حضرت خضر نے ان سے سب سے پہلے غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ کیا اور اعتراض اور تنقید سے روک دیا اور فرمایا کہ میرے فعل پر اعتراض نہ کرنا اور تنقید و تعریض کو باہمی رابطہ میں حائل نہ ہونے دینا۔ ورنہ انتقال علم کے فعل میں حرج ہو گا اور آپ کو میری معیت چھوڑنی پڑے گی کہ معلم اور متعلم میں ادب و احترام اور تسلیم و رضا کے بغیر معیت بے کار اور بے مقصد ہوتی ہے۔

طبیب اور مریض میں بھی ادب و تسلیم کا رابطہ شفا بخشی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ یہ رابطہ بھی معلم اور متعلم کی طرح کا ہی ہوتا ہے جو خود سر مریض طبیب کی ہدایت پر عمل نہ کرے اور اپنی رائے کو معالج کی رائے پر ترجیح دے اور طبیب کی تجویز کردہ کڑوی اور کسیلی دواؤں پر اپنی پسند کی چٹخارے دار اور مزے دار غذاؤں کو ترجیح دے۔ وہ طبیب کی قابلیت اور شفا بخشی کی قوت سے فیض یاب نہیں ہو سکتا۔ نفسیاتی طریقہ علاج میں تو طبیب کی شخصیت کے وقار اور اس کی رائے پر اعتبار کو بے حد اہمیت دی جاتی ہے کہ یہی دو امر باہم رابطہ کے لیے لازم ہیں اور باہمی رابطہ کے بغیر شفا بخشی کا عمل موثر نہیں ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے! علم سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ۔ اور جس سے تم علم سیکھو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ تم علماء کے لیے سرکش نہ بنو۔ تاکہ تمہاری جہالت تمہارے علم کے مقابل نہ آ جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ جس سے علم سیکھو اس کی ذلت کے طالب نہ بنو۔ اس کے بھید کو ظاہر نہ کرو۔ اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو۔ سامنے اور پس پشت اس کی حفاظت کرو۔ ساری قوم کو سلام کرو۔ لیکن اسے خاص طور پر سلام کرو۔ اس کے سامنے ادب سے بیٹھو' اگر اسے کوئی حاجت پیش آئے تو سب سے پہلے اس کی حاجت

Marfat.com

روائی کرو۔ اس کی خدمت کے لیے مستعد رہو۔ وہ کھجور کا پھل دار درخت ہے اگر منتظر رہو گے تو تمہیں ضرور نفع حاصل ہو گا۔ استاد اور شاگرد میں طلب و عطا کا صحیح رابطہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے۔ جب شاگرد کو اپنی علمی کمتری اور استاد کی علمی برتری کا اعتراف ہو اور اسی اعتراف کے عملی اظہار کو ادب و احترام کا نام دیا جاتا ہے چونکہ استاد کا ادب و احترام اس کی علمی برتری کی بنا پر ہی کیا جاتا ہے۔ اس لیے استاد کے ادب میں علم کا احترام بھی آ جاتا ہے اور علم کا احترام ایک انسانی اور دینی فریضہ ہے۔

جب ملائکہ کو حضرت آدم کے سامنے سرنگوں ہونے کا حکم ملا تو حضرت آدم کی علمی برتری کو ہی اس خصوصی احترام کی علت کے طور پر بیان کیا گیا گو عبادت کے لحاظ سے فرشتوں کا پلہ بھاری تھا لیکن علم کے لحاظ سے حضرت آدمؑ کو برتری حاصل تھی۔ چنانچہ رب العالمین نے حضرت آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں کے سامنے حضرت آدم کی علمی برتری کا عملی مظاہرہ بھی کروا دیا۔ فرشتوں نے اپنی لاعلمی کا برملا اعتراف کیا اور حضرت آدم نے اشیاء کے نام بیان فرما کر اپنی علمی برتری کا اظہار فرما دیا۔ اور فرشتوں نے ادب و احترام کے طور پر ان کے سامنے سر نیاز جھکا دیا اور جس نے اس عالم کا اور اس کے مقام علمی کا احترام نہ کیا وہ مردود قرار پایا اور ابلیس کے نام سے موسوم ہوا۔ اس واقعہ سے بھی علم اور عام کے احترام کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

امام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس نے ان کی رکاب تھام لی۔ حضرت زید نے کہا اے حضور علیہ السلام کے ابن عم آپ ایسا نہ کریں۔ تو حضرت ابن عباس نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے معلمین اور بزرگوں کے ساتھ ایسے ہی سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

متعلم پر واجب ہے کہ وہ معلم سے ادب و احترام سے پیش آئے اور خدمت و اطاعت سے اعتراف احسان کرے اور معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ شاگرد سے شفقت اور محبت کا سلوک کرے۔ استاد کی شفقت اور شاگرد کی اطاعت سے ہی وہ رابطہ پیدا ہو گا جو تعلیم و تربیت کی بنیاد ہے۔ استاد کی مربیانہ شفقت سے شاگرد کا ذوق علمی بیدار ہو گا اور اسے استاد سے لگاؤ کی بنا پر علم سے انس پیدا ہو گا۔ استاد کی مشفقانہ

Marfat.com

توجہ شاگرد کے لیے اکسیر ہوتی ہے اور اس کی قابلیت اور صلاحیت کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے۔

سوئے اتفاق سے آج کل طلبہ میں اساتذہ کے ادب و احترام کا فقدان ہے۔ اساتذہ میں بھی وہ مربیانہ شفقت موجود نہیں جو ایک استاد کے منصب و مقام کے لیے لازم ہے جس کا نتیجہ علمی صلاحیت میں کمی اور تعلیم و تربیت میں انحطاط کی شکل میں رونما ہو رہا ہے۔ ارباب بست و کشاد اور ماہرین تعلیم کو اس مسئلہ پر خصوصی توجہ دینی چاہیے کہ یہ تعلیم و تربیت کی کامیابی کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

ارض پاک

○

جو ترے قدموں کے صدقے میں ملی
تنگ ہے اسلام پر وہ سر زمیں

○

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

○

کر نظر مہر درخشان عرب
ہے میرا ماحول ظلمت آفریں

○

ہو سکے گی کفر کے در پہ نہ خم
حشر تک تیرے غلاموں کی جبیں

○

مٹ گئے تیرے فیض سے رنگ و نسب کے تفرقے
دونوں جہاں ہیں ایک سے بہرہ ور نواز شات

○

حضرت خطیب الاسلامؒ

Marfat.com

پاکستان میں نفاذ اسلام کیسے ممکن ہے؟

حضرت خطیب الاسلام کا ایک اہم خطاب

مشائخ کانفرنس

منعقدہ ۱۰ ذی قعد ۱۴۰۰ھ - ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء

زیر صدارت صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم

سابق صدر ضیاء الحق مرحوم نے اسلام آباد میں پانچ سو سے زائد علماء و مشائخ کو "مشائخ کانفرنس" کے نام پر مدعو کیا اور پاکستان میں نفاذ اسلام کے عمل کو تیز کرنے کے لیے تجاویز اور سفارشات طلب کیں' متعدد علماء و مشائخ کے بیانات ہوئے' اس کانفرنس میں خطیب الاسلام حضرت صاجزادہ سید فیض الحسن رحمتہ اللہ علیہ (سابق صدر جمعیت العلماء پاکستان) کے فرمودات حرف آخر ثابت ہوئے' کانفرنس دو دن کے لیے بلائی گئی تھی مگر آپ کے بعد مزید کسی بیان کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے صدر مرحوم نے پہلے روز ہی کانفرنس کے اختتام کا اعلان کر دیا۔

صدر مرحوم' وزیر داخلہ محمود اے ہارون' مسٹر اے کے بروہی کے تاثرات کے مطابق حضرت خطیب الاسلامؒ کے وقیع اور نتیجہ خیز ارشادات ہی پوری کانفرنس کا حاصل تھے۔ قارئین کی علمی و فکری ضیافت کے لئے پیش خدمت ہے۔

Marfat.com

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب صدر محترم مملکت خدا داد پاکستان!

جناب وزیر مذہبی امور! جناب وزیر داخلہ !

حضرات مشائخ عظام ! علماء کرام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

یہ امر انتہائی قابل مسرت ہے کہ آج ملت اسلامیہ کے نمائندہ اجتماع کی موجودگی میں اظہار مافی الضمیر کا موقع مل رہا ہے ۔ میں آپ کے سامنے تجاویز پیش کرنے نہیں آیا بلکہ میں تو آپ سے سننے آیا ہوں اور آپ سے سیکھنے آیا ہوں حقیقت یہ ہے کہ اب اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ میں سوچ رہا تھا کہ بائیس نکات تھے پندرہ (۱۵) وہ نکات تھے ۔ وہ بائیس اور پندرہ سینتیس (۳۷) ہو گئے۔ اب میں اڑتالیس یا انچاس یا پچاس نکات کہاں سے لاؤں ۔ بات اب یہ نہیں کہ تجویز کیا ہے۔ ہم چونتیس (۳۴) سال سے تجویزوں کو سنتے آ رہے ہیں۔ تجویزوں کے انبار لگ گئے ہیں۔ قال والوں نے بہت کچھ کہا شعر میں کہا، نظم میں کہا، خطابت میں کہا، سیاست میں کہا سب کچھ کہا، آپ نے بھی کہا، ہم نے بھی کہا۔ سوال یہ ہے کہ اس کہنے کا نتیجہ کیا ہوا؟ اب صدر محترم نے اتنی اختصار و جامعیت کے ساتھ بات کر دی کہ جو بہت کچھ ہماری طرف سے کہنے کے لائق تھا وہ بھی آپ نے کہہ دیا۔ پھر جو علماء کا کنونشن ہوا وہ بہت

Marfat.com

کامیاب ہوا۔ اس میں پندرہ نکات جو مرتب کیے گئے وہ بہت جامع تھے مانع تھے' حاوی تھے۔ ان میں بہت کچھ آگیا ہے۔بائیس نکات جو تینتیس علماء نے بیٹھ کر کئی دنوں میں تیار کئے تھے وہ نظام اسلامی کو چلانے کے لئے ایک اصول کی حیثت رکھتے ہیں۔ ایک قرطاس ابیض کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب میں سوچ رہاتھا کہ کون سا نکتہ باقی رہ گیا ہے جو ہم آپ کی خدمت میں پیش کریں ۔ سوائے اس کے کہ صاحب اب قال ہوچکا اب حال کی ضرورت ہے۔ باتیں ہو چکیں اب کام کی ضرورت ہے۔

جناب والا! اصل بات ہے اب عمل کی ۔ چونتیس (۳۴) سال کا عرصہ گزر گیا۔ باتیں کیں باتیں سنیں ۔ شعر میں' نغمے میں' تقریر میں' تحریر میں ۔ انبار لگ گئے اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب مشائخ کی یہ محفل کی گئی تو ہم عالم قنوطیت میں تھے۔ اسلام کے نام پر ہم نے الیکشن ہوتے دیکھے اسلام کے نام پہ ہم نے حکومتیں بنتی دیکھیں ' بگڑتی دیکھیں۔ اسلام کے نعرے گلی کوچوں میں دیکھے لیکن اس کا انجام جو تھا وہ تسلی بخش نہ تھا تو آپ کے متعلق بھی ہم تنقیدی نگاہ سے خاموش بیٹھے ہوئے اپنے مقام پہ دیکھتے رہے کہ کیا ہوگا؟ جب ہم نے دیکھا کہ پیش رفت ہوئی۔ جب ہم نے دیکھاکہ مشکلات کے باوجود کام کرنے کے لئے کچھ اقدام کیاگیا تو ہمارا جی چاہاکہ اس کام میں جو ہمارا اپنا کام ہے ہم بھی تعاون کریں۔

تو جناب والا : اگر آپ نے ہمیں بلایا ہے تو یہ آپ کا ہم پر احسان نہیں ۔ اور اگر ہم حاضر ہوئے تو ہمارا احسان نہیں ہے۔ ہماری منزل ایک ہے ' منشور ایک ہے ' ہمارا مقصد ایک ہے ' دستور ایک ہے' ہماری زندگی ایک ہے'موت ایک ہے ' ہماری قوم ایک ہے ' تصور قومیت ایک ہے' ہمارا آقا ایک ہے نبی ایک ہے ' ہمارا ماخذ تعلیم ایک ہے۔ نصاب تعلیم ایک ہے تو جب مسافر مل کر چلتے ہیں تو انہیں باہم تعاون کرنا پڑتا ہے۔ جو گرتا ہے اس کو اٹھانا پڑتا ہے جو تھکتا ہے اس کو سنبھالنا پڑتا ہے اور جس کے پاوں میں کانٹا چبھ جاتا ہے یہ کانٹا نکالنا پڑتا ہے۔

جناب والا! مجھے اس سلسلے میں آپ کی مشکلات کا علم ہے۔ سٹیج پر کھڑے ہو کر

Marfat.com

بات کرنی بڑی آسان ہے لیکن نظام حکومت چلانا بڑا مشکل ہے ۔ ہم نے الیکشن میں نعرے لگتے دیکھے کہ ہم چوبیس گھنٹوں میں اسلام لے آئیں گے لیکن مجھے پتہ ہے کہ اس میں کئی مشکلات پیش آتی ہیں ۔ ٹیکنیکل مشکلات اور ذہنی مشکلات پیش آتی ہیں۔ کیونکہ جب اسلام کا نظام آ بھی جائے گا تو بھی حق و باطل کی کشمکش تو قیامت تک نہیں رکے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی
اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی

○

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

خیر و شر کی کشمکش نہ ہو تو ارتقاء کیسے ہو سکتا ہے۔ اب بھی خیر و شر کی کشمکش کا زمانہ ہے۔ دقتیں آئیں گی۔ آپ کے سامنے بے شمار وہ لوگ جو اسلام کے نظریوں کو قبول نہیں کرتے کسی اور نظریئے کے علمبردار ہیں وہ فاجر لوگ جو اپنی طبعی خباثت کی بنا پر اسلام کی ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آ کر دیوار بنیں گے۔ عجیب بات ہے' اسلام کے نام پر ملک بھی لیتے ہیں' اسلام کے نام پر شادی بھی کرتے ہیں ' اسلام کے نام پر وراثت بھی لیتے ہیں لیکن اسلام کی ذمہ داری سے گریز کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی اسی گروہ میں شامل ہیں جن کے پیشے پر اسلامی نظام کی زد پڑتی ہے۔

مجھے آپ کی مشکلات کا علم ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان مقدس لوگوں (علماء و مشائخ) میں سے ایک ایک فرد ایک ایک انجمن ہے۔ یہ اکیلے نہیں ہیں ایک ایک آدمی کے ساتھ لاکھوں افراد وابستہ ہیں ان کی ایک حرکت سے لاکھوں دل ہل جایا کرتے ہیں ان کی ایک بات سے دماغ بدل جایا کرتے ہیں میں ان کی طرف سے

Marfat.com

یقین دلاتاہوں کہ نظام مصطفیٰ کے لئے اسلام کے لیے دین کے لئے جتنا آپ کام کریں گے جتنی مشکلات آئیں گی آپ اس میں اکیلے نہیں ہوں گے ہم آپ کے ساتھ ہوں گے اور میں یہ بھی یقین دلاتاہوں کہ اس راستے میں چلنا سعادت ہے تھک کے گر جانا شہادت ہے اور منزل پر پہنچ جانا معراج ہے ایسی کوئی بات نہیں یہ سارا پاکستان آپ کے سامنے بیٹھا ہے ہم تجویزیں پیش کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ تجویزیں بڑی آئی ہیں۔ جو تجویزیں ہو چکی ہیں ہم انکی تائید کرتے ہیں۔ بڑی اچھی تجویزیں ہیں مگر ہم یہ یقین دلانے آئے ہیں صدر محترم کو کہ ہماری وفاداری آپ کی ذات سے غیر مشروط نہیں ہے ہماری وفاداری مشروط ہے جب تک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی سرور کائنات کے نظام کی نقابت اور علمبرداری آپ کرتے رہیں گے ہم آپ کے صرف ساتھی نہیں بلکہ آپ کے خادم ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ بات نہ ہوئی تو ہم کسی کے وفادار نہیں ہیں ہم صرف زلف مصطفیٰ صلی علیہ وسلم کے وفادار ہیں۔

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم

زیں سبب بایکدگر پیوستہ ایم

مصطفیٰ کی وفاداری کا انعام یہ بھی ہے کہ صرف ہماری نہیں انکی محبت بھی آپ کے ساتھ ہو گی آپ اس کو سیاسی نکتہ نگاہ سے نہ سوچیں آپ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا کام کرتے ہیں نبی کریم کی دعائیں آپ کے ساتھ ہوں گی اور پھر یہ جو ان کے خدام ہیں یہ سارے آپ کے ساتھ ہوں گے۔ آپ کے پاس بڑی قوت ہے آپ اکیلے نہیں ہیں نہ آپ افراد کو دیکھیں نہ آپ اسلحہ کو دیکھیں آپ گرمئی ایمان کو دیکھیں حسن یقین کو دیکھیں' قوموں میں افرادی قوت بعد میں آتی ہے پہلے ان میں قلبی قوت آتی ہے دماغی قوت آتی ہے باطنی قوت آتی ہے روحانی قوت آتی ہے۔

تاریخ گواہ ہے جب کسی قوم میں قوت عشق آجاتی ہے قوت محبت آجاتی ہے تو وہ کامیاب منزل ہو جاتی ہے۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی

Marfat.com

کھلتے ہیں غلاموں پہ اسرار شہنشاہی

صدر محترم میں نے چڑیا کو دیکھا کہ جب چیل نے اس کے بچوں پر حملہ کیا تو بچے کی محبت نے چڑیا کو چیل پر غالب کر دیا میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب بلی نے چوزے پر حملہ کیا تو مرغی نے بلی پر حملہ کر دیا تو بچے کی محبت بھی ایک قوت ہے جس سے مرغی بلی سے لڑ جاتی ہے مصطفیٰ کی محبت اور خدا کی محبت تو بڑی قوت ہے بے پناہ قوت ہے اور مجھے علم ہے کہ وہ قوت آپ میں ہے اگر نہ ہوتی تو ہم نہ آتے ہم بڑے نقاد لوگ ہیں ہم نے بڑی دقت نظر سے آپ کو پرکھا ہے اس کے بعد ہم آئے ہیں عزم کر کے آئے ہیں تعین مقصد لے کر آئے ہیں مگر جہاں تعریف کرتے ہیں وہاں۔

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کرتا ہے کبھی کار تریاقی

تاہم ہماری جو تنقید ہو گی وہ سیاسی نہیں ہوگی وہ تنقید تعمیری ہو گی محبت والی ہو گی برادرانہ ہو گی ملک کے لئے ہو گی اسلام کے لئے ہو گی آپ کی قوت کے لئے ہو گی اس لئے کہ آپ کی قوت ہماری قوت ہے ہم آپ کی قوت کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ میں ایک چھوٹی سی غلط فہمی رفع کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ توحید اسلام میں ہے لیکن توحید ہی اسلام نہیں ہے اخلاق بھی ایمان ہے لیکن اخلاق ہی ایمان نہیں ہے کروڑوں لوگ ایسے ہیں جو خدا کو ایک کہتے ہیں لیکن ہیں کافر کروڑوں لوگ ہیں جو کبھی شراب نہیں پیتے کبھی زنا نہیں کرتے لیکن ہم کہتے ہیں وہ کافر ہیں اس کی وجہ کیا ہے یہ کہ وہ خدا کو تو مانتے ہیں اخلاقیات کو بھی مانتے ہیں لیکن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے تو یہی وہ نکتہ تھا جو قائد اعظم نے پیش کیا تصور قومیت اسلام کا جس کے لئے ہم آئے ہیں کہ قومیتیں ایسے بنتی ہیں جب یہ فتنہ پہلے اٹھا اکبر کے زمانے میں تو ایک وقت کا قلندر اٹھا بخت کا سکندر اٹھا جس کے متعلق اقبال نے کہا۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

Marfat.com

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار

حضرت امام ربانی نے کہا مجدد الف ثانی نے کہا قومیں نسب سے نہیں بنتیں قومیں وطن سے نہیں بنتیں قومیں تو تصور نبوت سے بنتی ہیں یہ وہ آواز تھی جس نے اکبری ایوان کو پاش پاش کر دیا یہی بات اس دور میں پھر سامنے آتی ہے تو قائداعظم کو گاندھی نے کہا بھائی نسل ایک ہے قوم ایک ہے "پٹیل" نے کہا بھائی وطن ایک ہے قوم ایک ہے "جواہر لال نہرو" نے کہا بھائی بولی ایک ہے قوم ایک ہے فرمایا تم غلط کہتے ہو ہر چیز ایک ہے' لیکن چونکہ نبی ایک نہیں اس لیے قوم ایک نہیں یہی وہ تصور تھا جو صوفیاء نے پیش کیا اسی تصور کی اطاعت کے لئے ہم یہاں آئے ہیں اسی تصور پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ
آبروئے مازنام مصطفیٰ

تو مرکزی نقطہ مصطفیٰ کی ذات ہے۔ سوئے اتفاق یہ ہوا کہ علماء کی محفل میں جو قرار داد منظور ہوئی اس میں یہ تھا کہ خدا' مصطفیٰ علیہ السلام' صحابہ کرام' اہل بیت اطہار کے ناموس کا تحفظ کیا جائے گا لیکن ہمیں جو مسودہ اخبار کے ذریعے پہنچا اس میں مصطفیٰ کی ذات کا نام نہیں اس سے شدید غلط فہمی پیدا ہوئی کیونکہ مقام مصطفیٰ کا تحفظ نہ ہو تو ملک' قوم' مذہب کسی چیز کا تحفظ ممکن نہیں اگر یہ غلط ہے تو اسے درست ہونا چاہیے باقی اگر کوئی یہ کہے کہ بھائی نبی کی توہین کون کرتا ہے تو میں کسی کو نامزد نہیں کرتا لیکن میں مثال پیش کر سکتا ہوں کہ اس ملک میں بدقسمتی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہوتی ہے یہاں تحفظ ناموس رسالت کا قانون ہونا چاہیے اور گستاخ رسول کو قتل کر دینا چاہیے۔ ہم اصولی طور پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی کریم کی ذات گرامی کا اتنا مقدس مقام ہے کہ ہر گناہ کی توبہ قبول ہو سکتی ہے لیکن جو

Marfat.com

مصطفیٰ کی بارگاہ میں گستاخی یا بے ادبی کرتا ہے اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔

ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون (الحجرات)

یعنی اگر نبی کی آواز سے آواز بھی اونچی ہو گی تو تمام اچھے اعمال کا اجر بھی جاتا رہے گا۔ یہ وہ تقدس ہے ذات مصطفیٰ کا جو قرآن نے پیش کیا ہے اس کی پاسداری ہمارے اور آپ کے ذمے ہے ہمیں بھی پرسش ہو گی۔ لیکن سب سے پہلے آپ سے ہو گی۔ کیونکہ آپ صاحب اقتدار ہیں'

صدر محترم! مشکلات کے باوجود آپ نے اسلامی نظام کے سلسلے میں جو معمولی سی پیش رفت کی ہے وہ قابل داد ہے۔ لیکن اس رفتار پر ہم زیادہ مطمئن نہیں ہیں۔ اس رفتار کو آپ تیز تر کر دیں زندگی میں ایسا کام کر جائیں ایسی بنیاد رکھ جائیں کہ قیامت تک یہ کام باقی رہے ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں ہم اسلامی نظام کو رائج ہوتا دیکھیں۔

آخر میں یہ پھر عرض کروں گا کہ تجاویز تو بہت آ چکی ہیں لیکن چند گذارشات میری بھی ہیں انہیں سماعت فرمائیں پہلی یہ کہ اس ٹوٹل وار کے زمانے میں اگر کم از کم شہری دفاع کی تعلیم و تربیت سب کے لئے لازمی کر دی جائے تو اس سے ڈسپلن پیدا ہو گا' نظم و ضبط پیدا ہو گا اطاعت کا جذبہ پیدا ہو گا اور خود اعتمادی پیدا ہو گی ایسی تربیت سکولوں' کالجوں میں لازمی طور پر ہونی چاہیے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ہمیں دوسری قوموں سے مانگنا پڑتا ہے جسے ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی اس مسئلہ پر زیادہ توجہ دینا چاہیے کہ ہم خورد و نوش اور بنیادی ضروریات زندگی میں خود کفیل ہو جائیں علاوہ ازیں آرام پرستی اور تعیش کی چیزوں پر پابندی لگائی جائے۔ جب تک ہم تعیش کو نہ چھوڑیں گے ہماری بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی۔ اس کے لیے ہمیں سادگی اختیار کرنی چاہئے۔ لیکن ضروری ہے کہ سادگی اوپر سے شروع ہو اور اس کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ امرو نہی بالقوۃ ہے اکبر الہ آبادی نے مزاح کے انداز میں کہا تھا کہ:

ہنس کے قیصر نے یہ فرمایا جناب پوپ سے

Marfat.com

وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن وہاں توپ سے

کہ جناب پوپ صاحب آپ وعظ کرتے ہیں زبانی' مانتا کوئی نہیں۔ ہم توپ سے کہتے ہیں سارے مانتے ہیں۔ قرآن مجید کے ارشاد **تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر** میں یہی نکتہ ہے کہ حکومت کا فریضہ ہے کہ بالقوہ برے کام کو روکا جائے اور بالجبر جو اوامر ہیں ان کو رائج کیاجائے۔

○ صدر محترم! میں یہ عرض بھی کروں گا کہ آپ بحیثیت صدر اگر کبھی کبھی کسی بڑی مسجد میں جمعہ کے موقع پر خطاب بھی فرمایا کریں جس میں دینی اور قومی مسائل پر بھی گفتگو ہو۔ اور یہ خطاب اسلام آباد سے نشر ہو۔ ساری قوم سنے کہ ہمارے صدر محترم خطبہ دے رہے ہیں تو قوم سے آپ کا رابطہ بھی ہو گا۔ اور اسلام کی نشر و اشاعت بھی ہو گی اسی طرح آپ کے نائبین صوبوں اور ضلعوں اور مرکزی شہروں میں خطبے دیں۔ جس کا پوری قوم پر خوشگوار اثر پڑے گا۔

○ تیسری چیز تعلیمی اصلاحات ہیں اس سلسلے میں میری گزارش یہ ہے کہ اسلام واحد مذہب ہے جس کے آقا اور رہبر نے یہ تعلیم دی کہ تعلیم اس وقت شروع کرو جب بچہ پیدا ہو کسی مذہب نے یہ نہیں کہا اور میں حیران تھا کہ جب بچہ زبان نہیں جانتا۔ نہ ماں کو پہچانتا ہے نہ باپ کو پہچانتا ہے اس وقت اس کے کان میں پہلا کلمہ یہ کہا جاتا ہے **اللہ اکبر' اللہ اکبر' اشھد ان لا الہ الا اللہ** اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے۔ تعلیم کا مقصد ہے نظریہ زندگی سے آشنا کرنا تعلیم کا مقصد ہے مسافر کے لیے منزل کا تعین کرنا۔ تعلیم کا مقصد ہے کہ انسان کو بتایا جائے کہ تیری علت تخلیق کیا ہے تو حکم یہ ہوا کہ جب بچہ پیدا ہو تو سب سے پہلا کام یہ کیا جائے کہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے تو جب میں نے سوچا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ تو ویانا یونیورسٹی کی نفسیات کی ماہر ڈاکٹر بوہلر کڑی کی ایک تھیوری میرے سامنے آئی جس نے پچیس سال کی تحقیق کے

Marfat.com

بعد یہ تھیوری پیش کی تھی اور اس کو خاصا انعام ملا تھا اس نے کہا کہ جب بچہ پیدا ہو تو تعین کے ساتھ مقصدی آواز جو پہلی مرتبہ اس کے کان میں پڑے گی اس کا اس کے نظام عصبی اور دماغی پر مدت تک اثر رہے گا۔ اس سے میرا ایمان تازہ ہوا کہ صدیوں کے بعد نفسیات کے ماہروں کو یہ پتہ چلا کہ پہلی آواز کا کیا اثر ہوتا ہے؟۔

پہلی نظر بھی آپ کی کیسی بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پہ لیے ہوئے

لیکن کملی والے مصطفیٰ نے فرمایا کہ جب تیرے ہاں بچہ پیدا ہو تو پہلا کام یہ ہو کہ اس کے کان میں اذان کہی جائے اس سے زیادہ اذان کی اہمیت' دعوت اسلام کی حقانیت اور تعلیم کی جامعیت اور کیا ہو گی؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بعثت معلما

میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

○ اور ہم بڑے شوق سے کہتے ہیں کہ گریٹ وار کے زمانے میں انگریزوں نے کچھ بچے کشمیر میں بھیج دیئے۔ انہوں نے کہا کہ ساری نسل مٹ جائے لیکن ہمارے یہ بچے جو بچ گئے اور اگر انہیں صحیح تعلیم مل گئی تو ہماری نژاد نو پھر وہی ہو گی جو ہم ہیں۔

○ لیکن میرے کملی والے مصطفیٰ کا جنگ بدر میں اور جنگ احد میں اسوہ حسنہ یہ تھا' کہ جو قیدی دس بچوں کو پڑھا لکھا دے وہ آزاد ہے یہ فدیہ تھا تعلیم پر میرے کملی والے نے اتنا زور دیا ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ذہن اور دل بدلنے کے لئے ابتدائی تعلیم بڑی چیز ہے ہمیں اس پہ خاص زور دینا چاہیے اس سلسلے میں ہم نے یہ قرار داد مرتب کی ہے کہ مشائخ عظام کا یہ کنونشن نصاب تعلیم میں بنیادی اسلامی تعلیمات کو شامل کرنے کا مطالبہ

Marfat.com

○ اب رہا اساتذہ کا کردار تو صدر گرامی مجھے اب تک یاد ہے جن استادوں سے میں پڑھتا رہا ہوں ان کا کردار میرے لاشعور میں اب تک موجود ہے۔ تعلیم میں صرف کتاب کام نہیں کرتی بلکہ استاد کی سیرت بڑا کام کرتی ہے۔ اساتذہ کے انتخاب میں سیرت' کردار اور اسلام سے ان کے شغف کو تقرر اور ترقی کے لیے زینہ قرار دیا جائے اور سکولوں اور کالجوں میں باجماعت نماز کا اہتمام کیا جائے۔

○ ایک اور مسئلہ مزدور اور کسان کا ہے جسے اسلام دشمن اور وطن دشمن لوگ ایکسپلائٹ کرتے ہیں میری درخواست ہے کہ اسلام نے مزدور کو جو تحفظ دیا ہے جو مرتبہ دیا ہے وہ کسی مذہب میں نہیں ہے میرے کملی والے آقا نے مٹی کی ٹوکری اٹھائی ہے۔ صدیق اکبر نے کدال لے کر مٹی کھودی ہے جناب فاروق اعظم نے گارا تیار کیا ہے' جناب عثمان غنی نے دیوار کو لیپا ہے' سیدنا علی پاک نے پتھر اٹھائے ہیں۔ آج کوئی امیر کار میں بیٹھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں چرچل کا ساتھی ہوں کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں امریکہ کے پریزیڈنٹ کا ساتھی ہوں لیکن ہمارا مزدور مٹی کی ٹوکری اٹھا کر کہہ سکتا ہے کہ میں مصطفیٰ کا ساتھی ہوں تو جناب مزدوروں کے متعلق آپ خاص توجہ فرمائیں کیونکہ انہیں ایکسپلائٹ کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے بہتر تعلیم بہتر معاوضے ان کے لئے بہتر طبی سہولتیں مہیا کی جائیں علاوہ ازیں کسان اور زمیندار کا مسئلہ بھی طے کیا جائے کیونکہ اسلام میں طبقاتی جنگ کوئی نہیں ہے۔

صدر ذی وقار! آخر میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ یہ دور بلاشبہ مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کا دور ہے۔ لیکن زندگی کے مراحل طے کرنے میں وہ سخت قسم کی ذہنی کشمکش سے دوچار ہے۔ نفاذ اسلام کے عمل میں معاشی اور معاشرتی اصلاحات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ حدود و تعزیرات

Marfat.com

اپنی جگہ پر حق ہیں مگر یہ سزا تو ہیں دوا نہیں پرہیز تو ہیں غذا نہیں۔
مریض جاں بلب ہے' معاشرہ ظلم و استحصال کی چکی میں پس رہا ہے۔
غریب نان جویں کے لیے ترس رہے ہیں۔ ہمارے حکمران و سیاستدان ہنگامی و سیاسی مصلحتوں میں مبتلا ہیں۔ میں کہتا ہوں جب مزاج میں تلخی کے سبب مریض دوا پینے سے انکار کر دے اور ضد میں آکر طبیب کی ہدایت کے بر عکس خود ہی مرضی کی غذا استعمال کرنے لگے تو جو اس کا حشر ہو گا وہ کسی بھی اہل نظر سے مخفی نہیں جب شاخ ہی پر دوسروں کا قبضہ ہو جائے گا تو اس پر آشیانہ کیسے برقرار رہ سکے گا۔

تجھے اے بلبل رنگین نوا سوجھی ہے گانے کی
مجھے ہے فکر دامن گیر تیرے آشیانے کی

دو امر خاص طور پر فوری توجہ کے متقاضی ہیں اور انہی پر نفاذ اسلام کی گاڑی تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ سکتی ہے۔ پہلا امر یہ ہے کہ

(۱) معاشرتی جرائم (یعنی سوشل کرائمز) کا فوری طور پر قلع قمع کیا جائے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ

(۲) عدالتوں میں انصاف مفت اور فوری مہیا کیا جائے۔

اس کے بعد قوم از خود اسلامی اصلاحات پر عمل پیرا ہونے کے جذبے سے سر شار ہو جائے گی (انشاء اللہ) اور یہ حکیمانہ آپریشن ہی معاشرتی انارکی اور معاشی ناہمواری کا واحد علاج ہے۔ آج کاروان امت کو جس جام حیات کی تلاش ہے وہ آپ کے پاس موجود ہے' جرات رندانہ کی ضرورت ہے۔ ہمت کیجئے خود بھی پیجئے اور اہل پاکستان کو بھی پلایئے۔ حکومت کی پروانہ کیجئے یہ آنی جانی چیز ہے' اللہ جل و علا اور اس کے رسول برحق کو راضی کر لیجئے کہ یہ دو جہان کی حکمرانی ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

Marfat.com

آخر میں ایک فیصلہ کن اصلاح کی نشاندہی بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

ہمارے ملک میں مغربی طرز انتخاب کے بجائے اسلامی طرز انتخاب رائج ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے موجودہ طریقہ انتخاب مغربی جمہوریت کا شجرہ خبیثہ ہے۔ جو انتہائی غلط اور بوگس ہونے کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار طبقے کا کھیل ہے جس میں ضمیر خریدے جاتے ہیں۔ آرا فروخت ہوتی ہیں' غریبوں کا استحصال ہوتا ہے اس طریق انتخاب میں اچھے اور برے' شریف اور رزیل' عالم اور جاہل' دانشور اور بے دانش میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

کرتے۔ ضرورت دراصل کسی ایک شعبے میں اصلاح کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کو یکسر بدل دینے کی ضرورت ہے۔ یہ معمولی اور جزوی اصلاحات قابل قدر تو ہیں' کافی نہیں' کنویں سے پانی تو نکالا جا رہا ہے مگر کتا ابھی اندر ہی ہے۔

ہم بدلنا چاہتے ہیں نظم میخانہ تمام
آپ نے بدلا ہے لیکن صرف میخانے کا نام

صدر محترم!

آپ کے پاس نشرو اشاعت کے میڈیا ہیں وہ بہت اہم ہیں ان میڈیا کی طرف بھی آپ توجہ فرمائیں تاکہ ٹیلی ویژن پر جو پروگرام آئیں وہ تعمیری ہوں مثلاً" اس پر ایک پروگرام چل رہا تھا آخری چٹان۔ جو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ایسے پروگراموں سے لطف بھی حاصل ہوتا ہے اور نئی نسلوں کی تربیت بھی ہوتی ہے۔

اپنی تقریر کے اختتام سے پہلے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ان اکابر کی طرف سے جو صاحب نظر بھی ہیں اور اہل دعا بھی اور جن کے ساتھ دین مصطفیؐ کا کام کرتے وقت لاکھوں افراد بھی ہیں کہ ہمارا تن من دھن آپ کے ساتھ ہو گا۔ ہم آپ کے رفیق نہیں ہوں گے بلکہ آپ کے رضا کار ہوں گے۔ اگر آپ نظام مصطفیؐ کا کام کریں گے تو جہاں آپ کا پسینہ گرے کا وہاں ہمارا خون گرے گا۔

Marfat.com

اسلامی آئین کے پیش نظر

امیر کا مقام

امیر کے مرکزی کردار کے تصور کے بغیر اسلامی سوسائٹی کا تصور ہی ممکن نہیں سوسائٹی معاشرہ یا قوم منتشر اور غیر مربوط افراد کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ ایسے افراد کے مجموعے کا نام ہے جو کسی مقصد مشترک کے پیش نظر باہم دیگر پیوست ہوں اور ایک قدر مشترک کے پیش نظر جن میں فکری اور عملی ہم آہنگی پائی جائے یہ مقصد وحید اور قدر مشترک رنگ' نسل' زبان' وطن و مذہب میں سے کسی ایک کو بھی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن بہر حال اس مفروضہ کی اہمیت اپنے مقام پر قائم رہتی ہے کہ ایک قوم کے پیش نظر مقصد مشترک کا شعوری تصور لازم ہے

اسلامی نقطہ نگاہ سے مسلم قوم وہی ہو گی جس کے افراد دین اسلام کے مقصد مشترک کے پیش نظر باہم مجتمع ہوں یہ اجتماع ضروری نہیں کہ کسی جغرافیائی حد بندی کے اندر ہی ہو یا کسی خاص زبان یا نسل کے ذریعہ کی وجہ سے ہو اسلام کے ماننے والے کسی بھی ملک میں مقیم ہوں کوئی سی زبان میں بولیں اور کسی بھی نسل سے متعلق ہوں وحدت فکری اور عقیدے کی ہم آہنگی کے پیش نظر اسلامی قوم کے فرد قرار پائیں گے ملت اسلامیہ ایک نظریاتی ملت ہے اور اس لحاظ سے یہ رنگ کی حدبندیوں سے ماورا ہے یہ حدبندیاں نوع انسانی کے ارتقا کے دور طفولیت کی یادگار ہیں اور شعور' پختگی کے ایک خاص بلند مقام پر اس وقت پہنچے گا جب ان غیر معقول حد بندیوں کی

Marfat.com

گرفت سے کامل طور پر آزاد ہو کر فکری اور اصولی حد بندیوں کے دائرہ میں داخل ہو جائے گا اسلام شروع سے ہی ایک اصولی اور نظریاتی رابطے کی دعوت دیتا ہے چنانچہ اسلام کی دعوت کے نتیجے میں جو نظریاتی قوم وجود میں آئی اس میں ہر طبقے اور ہر نسل کے لوگ یکساں اہمیت کے حامل تھے اور ان میں رنگ نسل یا اقتصادی اختلاف کی بنا پر کوئی بھی مغائرت موجود نہ تھی۔

چنانچہ وہاں صہیب رومی بھی تھے اور سلمان فارسی بھی' بلال حبشی بھی تھے اور ابو بکر قریشی بھی۔ وہاں ابوہریرہ جیسے مفلس بھی تھے اور عثمان جیسے غنی بھی' وہاں سادہ لوح بدوی بھی تھے' اور فصیح وبلیغ شاعر بھی۔ لیکن اسلام کی قدر مشترک نے ان کو تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ہی رشتہ اخوت میں پرو رکھا تھا وحدت منزل نے ان کے فکر عمل میں ایک ہم آہنگی پیدا کر رکھی تھی۔ ان میں فکری واسطہ تھا اور قلبی رابطہ۔ جب نصب العین ایک ہو تو یہ رابطہ پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ اور منزل ایک ہو تو مسافروں میں ہمسفری کا رشتہ خود بخود استوار ہو جاتا ہے۔ وحدت عمل سے مساوات وجود میں آتی ہے اور باہمی تعاون سے اخوت ابھرتی ہے۔

اب اس اصولی سوسائٹی کے افراد میں باہمی ربط و ضبط قائم رکھنے ' انکی نظریاتی ہم آہنگی کو پوری طرح بروئے کار لانے' حصول مقصد کے راستے کے موانعات کو ہٹانے' کے لئے ایک ہیئت حاکمہ کی بھی خاصی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے بغیر نہ تو حصول مقصد کی آسانیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی حصول کے لئے پوری جدوجہد کے وسائل مہیا ہو سکتے ہیں ۔ خارجی تخریب سے بچنے کے لئے داخلی تنظیم ضروری ہوتی ہے۔ حصول مقصد کے لئے بھرپور اور منظم کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ سبھی کچھ ایک مضبوط ہیئت حاکمہ کو چاہتا ہے۔ یہ موجود نہ ہو تو قوم نہ تو باوقار طریق پر زندہ رہ سکتی ہے اور نہ ہی کامیاب منزل ہو سکتی ہے۔

اس ہیئت حاکمہ کا وجود ایک خاص مقصد کے حصول اور ایک خاص مدعا کی تکمیل کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اس ہیئت حاکمہ کی افادیت کی سب سے پہلی شرط یہ ہوگی کہ کیا وہ اس مقصد اور مدعا کی تکمیل کی کماحقہ' اہل ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات

Marfat.com

میں ہو تو پھر معاملہ صاف ہے اور اگر نفی میں ہو تو پھر یہ ہیت حاکمہ بھی سب سے مضر چیز قرار پاتی ہے۔ یہ ایک قطعی معیار ہے۔ اور یہی حتمی کسوٹی ہے۔ جس پر اسلامی حکومت کی موزوں حیثیت یا غیر موزوں حیثیت کو پرکھا جا سکتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے حکومت اسلامی کی تشکیل کا مسئلہ جب بھی زیر بحث آتا ہے تو سب سے پہلے طریق انتخاب پر ہی بحث ہوتی ہے۔ حالانکہ طریق انتخاب تو حصول مقصد کے مختلف ذرائع سے ایک ذریعہ ہے۔ انتخاب کے مختلف طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بھی صحیح مقصد کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر رائے دہندگان خود نیک اور باشعور ہوں۔ تو یہ مدعا کسی بھی طریق انتخاب کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ باشعور سے میری مراد یہ ہے کہ وہ اپنے نصب العین سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ مخلصانہ طریقہ پر اس کے حصول کے خواہش مند بھی ہوں۔ اگر یہ ذہن و فکر موجود ہو تو ایک ناقص طریقہ انتخاب بھی رائج کر دیجئے۔ اس کے باوجود بھی حصول مقصد کامیابی کے ساتھ ممکن ہو گا۔

لیکن اگر نصب العین کا ہی علم نہ ہو اور اگر ہو بھی لیکن اس کے حصول کی تڑپ نہ ہو یا اپنے محدود و مخصوص مفاد نصب العین سے زیادہ عزیز ہوں تو پھر ایک معیاری اور مکمل طریق انتخاب کے باوجود حاصل انتخاب بے مدعا غیر موزوں اور غیر مفید ہی ہو گا۔ اگر نیتیں نیک ہوں اور عزائم درست ہوں تو وسائل کی ناتمامی سے بھی کچھ نہیں بگڑپاتا لیکن اگر شروع سے زاویہ نگاہ غلط ہو تو وسائل کی افادیت بھی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایک نظریاتی قوم میں اصلی مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ ایسا حاکم بر سر اقتدار لایا جائے جو اس قوم کے مخصوص نصب العین کے حصول اور تکمیل کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو۔ وہ اپنے اخلاص ' تقویٰ' ایثار اور عدل میں مثالی کردار کا مالک ہو۔ یعنی جن مقاصد عالیہ کو بروئے کار لانے کے لئے اس کو اقتدار سونپا گیا ہے ان کا سب سے زیادہ عملی طور پر علمبردار ہو۔ اس کے کردار میں کوئی بھی خامی ایسی نہ ہو جو ان کے مقاصد اعلےٰ کے حصول میں رکاوٹ بن سکے اور وہ خوبی موجود ہو جو خصوصی نصب العین کی بافت میں مفید ثابت ہو سکتی ہو۔ اسلامی اصطلاح میں یہ تقویٰ

Marfat.com

کا مقام ہوتا ہے۔ اور مجسم عزت و تکریم کا حقدار بھی ہوتا ہے۔ جو اس مقام تقویٰ پر فائز ہو۔ اور سب سے مکرم وہی ہو گا۔ جو سب سے زیادہ متقی ہو گا۔ **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم**

پس ایسے ہی متقی کو بر سر اقتدار لانا صحیح اسلامی انتخاب ہے۔ اور یہی دستور اسلامی کی اساس ہے اگر بنیادی اور اصولی نکتہ ہی نظر انداز ہو جائے ۔ تو پھر دستور کی تمام کڑیاں درہم و برہم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اسلامی دستور کوئی معین لفظوں کی ایک معین ترتیب کا نام تو نہیں۔ بلکہ وہ صرف قطعی نصب العین کی وضاحت کے پیش نظر اس کے حصول کے لئے ایک منظم سعی' اور اس سعی' میں مصروف افراد کی ذمہ داریوں کے تعین کا نام ہے۔ اور چونکہ امیر یا حاکم اعلیٰ ہی اس تنظیم کی جان ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی خصوصیات اور فرائض کا تعین اور تشریح ہی اسلامی دستور کی جان ہے۔

ایسا حاکم خواہ نامزدگی سے مہیا ہو سکے یا انتخاب عام سے یہ شورائی نظام کا نتیجہ ہو یا کسی اور طریقہ کار کا بہر حال اگر یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور صحیح فرد صحیح مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو انتخاب اسلامی ہے۔ کہیں اگر بظاہر بہتر سے بہتر طریقہ انتخاب کے نتیجہ کے طور پر بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اور غلط آدمی بر سر اقتدار آ جائے۔ تو انتخاب غلط ہے اور غیر اسلامی ۔ اسلامی اور غیر اسلامی کا فتویٰ صرف وسیلہ کے پیش نظر ہی نہیں لگتا بلکہ نتیجہ کے پیش نظر لگتا ہے کیونکہ وسیلہ بھی صرف صحیح نتیجہ کے حصول کے لئے ہی مقصود ہوتا ہے۔ اور جو بھی موزوں وسیلہ مقصد صحیح تک پہنچا دے وہ درست ہے۔

پس جب ایسا فرد بر سر اقتدار آ جائے' جو ان سب خصائص کا حامل ہو' جو اسلامی ضابطہ حیات رائج کرنے کے لئے لازم ہیں۔ تو پھر اس کو زیادہ سے زیادہ بااختیار بنانا ہو گا۔ تاکہ وہ بسہولت تمام پوری قوت سے اپنے نظریات کو بروئے کار لا سکے۔ اس کی راہ میں سے دفتری اور رسمی رکاوٹیں حتی الامکان کم کر دی جائیں ۔ انتظامی ہیئت پر اس کا پورا پورا اختیار ہو۔ اور کوئی بھی ایسا معاملہ موجود نہ ہو جو خواہ مخواہ اس کے اختیار کار کو سست کر دے اور اس کے کندھوں پر خواہ مخواہ کا بوجھ بن کر رہ جائے۔ رائج

Marfat.com

الوقت مغربی جمہورت کا سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ وہ بہت ست ہوتی ہے۔ ضابطہ اور اصطلاحی پابندیوں کی اتنی بھرمار ہوتی ہے۔ کہ کام کی تکمیل ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ پھر جمہوری نظام برپا کرنے والوں کے سامنے کوئی قطعی اور مستقل نظریہ انتخاب بھی نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں تو کثرت رائے کا نام ہی سچائی ہے۔ کثرت رائے سے طے شدہ عوامی فیصلہ ہی قطعی ہوتا ہے۔ پس اسی کو رائج کرنا ہی جمہوری ہیئت حاکمہ کا فریضہ ہوتا ہے پھر انتخابی حلقوں کا تعین اور انتخابی نتائج کے بعد بات بات پر منتخب اراکین کے اجتماعات کا انعقاد' پھر ان اجتماعات میں بات بات پر طویل اور غیر ضروری بحثیں' یہ ایک ایسا طریق کار ہے۔ جس کی موجودگی میں نہ تو حق کا حصول ممکن ہے۔اور نہ ہی مستعدی اور تیزی سے کوئی مسئلہ طے کیا جا سکتا ہے۔۔سوسائٹی پر جمہوری اداروں کا اقتصادی بوجھ ایک بے مصرف چیز ہے جو بہر حال مفید نہیں۔ پھر جس رفتار اور جس انداز سے کام ہوتا ہے وہ بھی محل نظر ہے۔ غرض یہ کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے رائج الوقت جمہوری نظام نہ تو اصولی طور پر اور نہ ہی عملی طور پر مفید مطلب ہو سکتا ہے۔

اسلامی سوسائٹی کے اپنے مخصوص نظریات ہوتے ہیں اور ان کے پیش نظر اس کا اپنا مزاج بھی ایک خاص انداز کا ہوتا ہے۔ جب منزلیں مختلف ہوں تو راستے خود بخود الگ ہو جاتے ہیں۔ جب مقاصد میں اختلاف ہو تو وسائل میں یکجہتی کیسے ہو سکتی ہے۔ ہر فرد اور ہر قوم کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں دوسروں کے مزاج کے تقاضوں پر مبنی طرز حیات اور ہیئت حاکمہ مختلف المزاج قوم کے لئے کبھی بھی موزوں نہیں ہو سکتی۔ طبائع کے اختلاف کے ساتھ نسخے بدل جاتے ہیں ۔ پہلے قوم کے نظریہ حیات کا تعین کیجئے۔ پھر خود بخود اس کے مطابق ہیئت حاکمہ کا تصور ذہن میں آنے لگے گا۔ اور وہ ہیئت حاکمہ ہی ہو سکتی ہے جو فکری اور عملی طور پر اس مخصوص نظریہ کو بروئے کار لا سکے' اور اس کے لئے شرط اول یہی ہو گی کہ اس ہیئت کے اجزائے ترکیبی' یا ذمے دار افراد (خصوصا امیر) اس نصب العین کے سب سے بڑے علمبردار ہوں ۔ اور انہیں اس نصب العین سے شدید لگاؤ ہو۔ اور اسی لگاؤ کے ساتھ ان میں ایسی عملی صلاحیتیں بھی موجود ہوں' جو ایک مفکر اور ایک مصلح میں مابہ الامتیاز ہوتی ہیں۔

Marfat.com

اسلامی اتحاد کے وسائل

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (پ ۴ ع ۲)

ہمارا موضوع اسلامی اتحاد کے وسائل پر غور ہے۔ اتحاد انسانی کے کچھ اور ذرائع بھی ہیں لوگ ان کو آزماتے بھی ہیں اور استعمال میں لاتے ہیں اور کچھ وقت کے لیے' ایک عارضی اور مصنوعی اتحاد و یگانگت کو حاصل بھی کرپاتے ہیں لیکن انجام کار یہ اتحاد ہی فساد کا پیش خیمہ اور یہ غیر طبعی طریقہ علاج ہی ازدیاد مرض کا باعث بن جاتا ہے۔ اتحاد ایک قوت ہے۔ اگر یہ کسی غلط مقصد کے لیے استعمال ہو گی تو انتہائی مضر ہو گی' اور اگر صحیح مقصد کے لیے صحیح طریقہ پر استعمال ہو گی تو انتہائی مفید ہو گی۔ آیئے ذرا غلط مقاصد کے لیے غلط انداز میں اتحاد کی کوششوں اور طریقوں کا تنقیدی جائزہ لیں تاکہ اسلامی اتحاد کے ذرائع کا صحیح حسن و جمال اور صحیح خدوخال واضح ہو سکیں۔

لوگ عموماً" وحدت لسانی' اشتراک وطنی' تعلق نسلی یا مشابہت صوری کی بنا پر متحد ہوتے ہیں اور انہی غیر حقیقی اور مصنوعی تصورات وحدت کی بنا پر' قومیت کی تعمیر کرتے ہیں۔ اور اس تعمیر کی استواری کے لیے ان امور کی عصبیت پر زیادہ سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ تاکہ افراد اس نظریے سے زیادہ سے زیادہ محبت کر سکیں اور اس نظریے کو بہر حال اپنائیں اور اس سے انحراف اور بغاوت نہ کر پائیں تاکہ وحدت اور قومیت کا ڈھانچہ قائم رہے اور انسان اس مصنوعی اتحاد کی عارضی قوت سے بہرہ یاب ہوں اور یہ قوت' عمل اور ایثار کے جذبات کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے۔

Marfat.com

تاریخ کے عہد قدیم سے لے کر آج تک وحدت انسانی اور تصور قومیت کے عناصر ترکیبی کا اگر آپ جائزہ لیں تو آپ کو یہی وطنی، نسلی، لسانی، لونی اور معاشی اجزائے ترکیبی ہی ملیں گے، جن کے امتزاج سے انسانی اتحاد کی عمارت تعمیر ہوئی۔ اب سے دو تین ہزار سال پہلے یونانیت، رومیت، ایرانیت، اسرائیلیت انہی بنیادوں پر قائم تھیں اور آج بھی انگریزیت، جاپانیت، اطالویت، جرمنیت اور فرانسیت کے تصورات قومیت بھی انہیں بنیادوں پر قائم ہیں۔

ان قوتوں نے بے شک انسانی شیرازہ بندی بلکہ گروہ بندی میں بڑا موثر کردار ادا کیا اور انسانوں کو بڑی قوت کے ساتھ مختلف حلقوں میں مضبوط زنجیروں سے باندھ کر مرکوز کر دیا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ غیر طبعی گروہ بندی، عمومی وحدت انسانی کے لیے شدید مصیبت بن گئی ہے۔ اور دائمی شر و فساد کی علت بن گئی ہے۔ انسانی وحدت اور نظریاتی یگانگت کے فطری اور ابدی تصور کو ان متفرق اور غیر حقیقی گروہ بندیوں سے شدید نقصان پہنچا ہے۔ اور ایک دائمی کش مکش اور جنگ و جدال کی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ جس سے رستگاری بظاہر بہت ہی مشکل نظر آتی ہے۔ اتحاد کے ان غلط اصولوں پر مبنی غلط وسائل نے عالم انسانی کو سینکڑوں ہزاروں حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور حصے بھی ایسے کہ ایک حصہ فنا کیا جاسکتا ہے لیکن دوسرے حصے میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا، ایک نسل دوسری نسل میں نہیں بدل سکتی ایک وطن دوسرا وطن نہیں بن سکتا، ایک زبان کے بولنے والے دوسری زبان کے بولنے والے نہیں بن سکتے۔ ایک رنگ دوسرے رنگ کی جگہ نہیں لے سکتا، ایک قوم یا گروہ کے معاشی تقاضے دوسرے گروہ کی معاشی اغراض کا بدل نہیں بن سکتے ایک سلطنت کبھی دوسری سلطنت نہیں بن سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اتحاد کی جو گروہ بندیاں ان بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہیں۔ ان کے درمیان مصالحت کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی، قومی عصبیت کی بنا پر وہ باہم گر مسابقت، منافقت اور مزاحمت کی ایک دائمی کش مکش میں مبتلا رہی ہیں۔ ایک دوسرے کو پامال کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ آپس میں لڑ لڑ کر فنا ہو جاتی ہیں اور پھر دوسری قومیں ایسے ہی ہنگامے برپا کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور یوں یہ شر و

Marfat.com

فساد دائمی طور پر انسانی امن اور اتحاد کو پارہ پارہ کرتا رہتا ہے اور چند افراد کی اتحاد کے نام پر گروہ بندی مستقل فساد کا پیش خیمہ بن جاتی ہے اور تخریب کا یہ عمل امن و آشتی' اتحاد و سلامتی کی کوششوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔

غلط نظریات اتحاد پر مبنی گروہ بندی کا فطری اقتضا یہ ہے کہ وہ انسان میں جاہلانہ عصبیت پیدا کرے اور وہ ایک قوم کو دوسری قوم اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے خلاف بھڑکاتی رہے اور انسانوں میں ہمیشہ کشت و خون اور جنگ و جدال کی صورت حال پیدا کرتی رہے۔ اسے حق و صداقت یا دیانت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ایک شخص کا کالا ہونا ہی اسے گورے کی نظر میں ذلیل بنا دیتا ہے۔ ایک شخص کا ایشیائی ہونا ہی اس بات کا جواز مہیا کر دیتا ہے کہ وہ فرنگی کی نفرتوں اور چیرہ دستیوں کی آماجگاہ بنا رہے۔ جرمن کا جرمن اور فرانسیسی کا فرانسیسی ہونا ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کریں' برہمن کا برہمن کے گھر میں پیدا ہو جانا ہی اسے یہ حق دے دیتا ہے کہ وہ تمام اچھوتوں کو ذلیل اور ناپاک سمجھے۔ غرض یہ جنسی اور نسلی امتیاز وہ چیز ہے جو انسان کو حق و صداقت کی طرف سے اندھا بنا دیتی ہے اور اس کی وجہ سے عالمگیر اصول اخلاق بھی' رنگ و نسل کے سانچوں میں ڈھل کر' کہیں ظلم اور کہیں عدل' کہیں سچ اور کہیں جھوٹ' کہیں دنائیت اور کہیں شرافت کے الگ الگ روپ دھار لیتے ہیں۔ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ مشرق میں جو چیز حق ہو وہ مغرب میں باطل بن جائے کیا کسی قلب سلیم میں اس چیز کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ نیکی شرافت اور جوہر انسانیت کی رگوں کے خون کو' زبان کی بولی یا مسکن اور وطن کی خاک کے معیار پر پرکھا جائے' یقیناً ان سوالات کا جواب عقل نفی میں دے گی۔ لیکن نسلیت' وطنیت رنگ اور نسب کے سحر سے مسحور انسان نہایت بے باکی سے کہتے ہیں کہ ہاں ایسا ہی ہے یہ جتنے نظریات جو بظاہر انسانی اتحاد یا تعمیر قومیت کی اساس بنے ہوئے ہیں۔ خود عقلی اور اخلاقی تنقید کی روشنی میں دھواں بن کر اڑ جاتے ہیں۔ پہلے اشتراک نسل کو دیکھئے۔ اس کا نقطہ آغاز ماں باپ کے مادہ تولید سے ہوتا ہے۔ جس سے چند انسانوں میں خونی رشتہ پیدا ہوتا ہے۔ جو بتدریج پھیل کر خاندان' قبیلہ اور پھر نسل

Marfat.com

پر منتج ہوتا ہے۔ اس مقام تک پہنچتے پہنچتے انسان اپنے نسلی مورث سے اتنا دور ہو جاتا ہے کہ اس کی موروثیت محض ایک نسلی اور خیالی مفروضہ بن کر رہ جاتی ہے۔ نام نہاد نسل کے اس موروثی دریا میں بیرونی خون کے ندی نالے بھی شامل ہوتے رہتے ہیں۔ کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ کسی موروث کا خالص خون وارث کی رگوں میں من و عن موجود ہے تو پھر کیوں نہ اس خون کو بنائے وحدت قرار دیا جائے جو درحقیقت نوع انسانی کا نقطہ آغاز ہے اور کیوں نہ آدم و حوا کے رشتہ سے تمام نوع انسان کی وحدت نسلی کو تسلیم کر کے تمام انسانوں کو ایک ہی خاندان کے افراد قرار دیا جائے۔ پھر آریت اور سامیت کی خانہ ساز تفریق سے کیوں اتحاد انسانی کو پارہ پارہ کیا جائے۔ رنگ کا امتیاز انسانی جماعتوں میں سب سے زیادہ لغو اور مہمل چیز ہے۔ رنگ صرف جلد کی صفت ہے اور انسان جلد یا کھال نہیں بلکہ روح ہے اور روح کا کوئی رنگ نہیں پھر انسانوں میں' اسود و احمر' زرد اور سفید کا امتیاز کیسا؟ ہم گائے اور بکری کو ان کے مختلف رنگوں کی بنا پر باہم دگر فوقیت نہیں دیتے' کیونکہ مقصود ان کا دودھ ہے۔ رنگ نہیں تو پھر انسانوں میں درجہ بندی رنگ و نسل کے بجائے عقل و خرد اور حسن اخلاق کی بنا پر کیوں نہ ہو؟ کیونکہ یہ انسان کی جسمانی نہیں عقلی اور روحانی صفات ہیں۔ وطن کے اشتراک کی حقیقت اس سے بھی زیادہ موہوم ہے۔ انسان کی جائے پیدائش کا رقبہ تو گز بھر زمین سے زیادہ نہیں ہوتا' اگر وہ اس رقبہ کو وطن قرار دے لے تو وہ کسی بھی ملک کو اپنا وطن نہیں قرار دے سکتا۔ لیکن وہ اس چھوٹے سے رقبہ کے گرد سینکڑوں اور ہزاروں میلوں تک ایک فرضی اور وہمی سرحدی خط کھینچ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہاں تک میرا وطن ہے اور اس سے ماورا جو کچھ بھی ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض انسان کی تنگی نظر ہے۔ ورنہ کوئی چیز اسے تمام دنیا کو اپنا وطن قرار دینے سے روک نہیں سکتی۔ جس دلیل کی بنا پر ایک مربع گز رقبہ پھیل کر ہزاروں مربع گز رقبہ بن سکتا ہے۔ اسی دلیل کی بنا پر وہ پھیل کر پورا کرہ ارضی بھی بن سکتا ہے۔ یہ کوہ و دریا اور بحر و بر' حد فاصل نہیں' بلکہ ایک ہی زمین کے اجزا ہیں۔ اگر انہیں حد فاصل کے بجائے رابطہ وصل سمجھ لیا جائے تو جغرافیائی بعد سمٹ کر قرب بن سکتا ہے اور

Marfat.com

ایک وسیع النظر انسان تمام کائنات کو اپنا وطن اور تمام انسانوں کو اپنا ہم وطن سمجھ سکتا ہے۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

نہ رومی و عربی وہ نہ چینی و شامی

سما سکا نہ دو عالم میں مرد آفاقی

اب رہا لسانی اشتراک کا معاملہ تو اشتراک زبان کا فائدہ صرف اس قدر ہے کہ جو لوگ ایک زبان بولتے ہیں۔ انہیں افہام و تفہیم کے زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ مگر ادائے خیال کا مشترک ہونا خود خیال کے اشتراک کو مستلزم نہیں۔ ایک ہی خیال دس مختلف زبانوں میں ادا ہو سکتا ہے اور مختلف زبانیں بولنے والوں کا اس ایک خیال پر متحد ہو جانا ممکن ہے۔ اس کے برعکس دس مختلف خیال ایک ہی زبان میں ادا کیا جاسکتے ہیں اور اختلاف خیال کی بنا پر ایک ہی زبان بولنے والے دس مختلف گروہوں میں بٹ کر باہم دگر دست و گریباں ہو سکتے ہیں۔ تو زبان وسیلہ اظہار تو ہے وسیلہ اتحاد نہیں۔ لہٰذا وحدت خیال جو حقیقی اتحاد کی جان ہے۔ اشتراک زبان کی محتاج نہیں۔ اسلامی اتحاد اور نظریہ قومیت کے پیش نظر حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحدت خیال کی بنا پر ابولہب اور ابوجہل جیسے ہاشمیوں اور قریشیوں کی نسبت (جن میں اشتراک رنگ و نسب اور زبان و وطن موجود تھا) اسلامی اتحاد اور اسلامی قومیت کے دائرے میں ایک وقیع مقام کے حامل تھے۔ لیکن اشتراک رنگ و نسب کے حامل اسلامی قومیت کے دائرے میں شامل نہ ہو سکے۔

حسن ز بصرہ' بلال از حبش' صہیب از روم

ز خاک مکہ بوجہل ایں چہ بو العجبی ست

اسلام نے تمام خود ساختہ' امتیازات اور تفریقات کو مٹا دیا۔ تمام وہمی اور مصنوعی گروہ بندیوں کے ناقص اور کمزور ڈھانچوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ زبان' اوطان' سیاست اور معیشت کے بتوں کو توحید کی ضرب سے چکنا چور کر دیا تمام غیر عقلی اور غیر فطری حد بندیوں کو مٹا کر انسان کو وحدت انسانیت کے آفاقی' اخلاقی اور عقلی رشتہ

Marfat.com

میں منسلک کر دیا اور عصبیت جاہلیہ کے جو پردے' حرص و ہوس نے انسان کے دیدہ دل پر لٹکا رکھے تھے' انہیں اٹھا کر انسان کو صحیح بصارت و بصیرت سے نوازا اور وحدت خالقیت کی بنیان مرصوص پر وحدت انسانیت کی عظیم اور وقیع عمارت کو استوار کیا۔

باطل تصورات اتحاد و قومیت کی تخریب کے ساتھ ہی اسلام نے خالص عقلی اور فطری بنیادوں پر ایک نئی قومیت کی تعمیر کی جس کی بنا مادی اور عرضی امتیاز پر نہیں بلکہ روحانی اور جوہری امتیاز پر رکھی گئی۔ اس نے انسان کے سامنے اسلام کے نام سے ایک فطری' ازلی اور ابدی صداقت پیش کی۔ یہ نظام اور یہ پروگرام' علاقائی یا نسلی گروہوں کے لیے نہیں بلکہ زمان و مکاں کی عارضی حدود و قیود سے گذر کر تمام انسانیت کے لیے ہے۔ اس صداقت کو مان لینا ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے' یہ ایک نظریاتی' اعتقادی اور فکری وحدت میں مربوط ہونا ہے۔ یہ ایک اصولی صداقت کو مان کر ایک اصولی قوم میں شامل ہونا ہے۔ اس نظریاتی جماعت میں شمولیت سے ادنیٰ اور اعلیٰ' شاہ و گدا' اسود و احمر' ابیض و اصفر محمود و ایاز کا امتیاز خود بخود اٹھ جاتا ہے۔ اور ہر انسان ہر عظمت' ہر شرافت اور ہر حرمت کا حقدار بن جاتا ہے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اس نظریہ قومیت میں بنائے اشتراک' نسب اور نسل نہیں' اعتقاد اور عمل ہے اس نظریاتی وحدت میں دو قطعا" اجنبی انسان اشتراک نظریہ کی بنا پر نظریاتی اخوت میں منسلک ہو جاتے ہیں اور دو سگے بھائی' نسلی اشتراک کے باوجود ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں۔ یہ نظریاتی رشتہ تمام رشتوں کو توڑ بھی دیتا ہے اور پھر ایک نئے فکری رابطہ سے جوڑ بھی دیتا ہے۔ یہاں عظمت کا معیار دولت یا حکومت نہیں' بلکہ حسن عمل اور حسن نیت ہے۔ **ان اکرمکم عنداللہ اتقکم** یہاں حبشی غلام عربی سرداروں کی موجودگی میں کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہنے اور توحید و رسالت کی ابدی صداقت کا اعلان کرنے کا اعزاز حاصل کر لیتا ہے۔

○ عقل نے انسان کے جسم کو بلند کر کے چاند تک پہنچا دیا۔ لیکن انسان' انسانی

Marfat.com

روحانی عظمتوں سے محروم ہی رہا۔ اسلام نے غلام کو قعر مذلت سے اٹھا کر سقف بیت اللہ پر کھڑا کر کے انسانی عظمت و شرافت کی بلندیوں تک پہنچایا اور کائنات میں نیابت الٰہی کا عظیم مقام عطا فرمایا اور یوں انسان کی دائمی عظمت و شرافت کا پھریرا کائنات میں لہرایا۔ عربوں نے ایک حبشی کے مقابلہ میں اپنی فصاحت لسانی کا علو پیش کیا۔ تو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر ہی فرمایا کہ یہاں معیار عظمت زبان نہیں ایمان ہے۔ قال نہیں حال ہے جسم کا رنگ نہیں بلکہ اعتقاد و عمل کا رنگ ہے۔ دولت مادی نہیں بلکہ صداقت قلبی ہے۔

معاشی اور سیاسی نظاموں کا اختلاف بھی' ایک نظریاتی اور ایمانی جماعت میں بے حقیقت ہے یہاں جھگڑا دولت زر کا نہیں دولت ایمان کا ہے۔ انسانی سلطنت کا نہیں خدا کی بادشاہت کا ہے۔ اس طرح اسلام نے یگانگت اور قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی حسی اور مادی دائرہ نہیں بلکہ اقتصادی اور عقلی دائرہ ہے۔ ایک گھر کے دو آدمی اختلاف فکر کی بنا پر' اس دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں اور مشرق و مغرب کا بعد رکھنے والے دو مختلف النسل' فکری اتحاد کی بنا پر اس دائرہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

سر عشق از عالم ارحام نیست
او ز سام و حام و روم و شام نیست
کوکب بے شرق و غرب و بے غروب
در مدارش نے شمال و نے جنوب

○ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اسلام نے تمام مادی نسلی' لسانی اور وطنی رشتوں کو بالکل منقطع کر دیا ہے۔ ہرگز یہ معاملہ نہیں۔ انسانی تعلقات کی پائیداری میں ان علائق کی پاسداری سے بھی کام لیا ہے۔ نسب اور وطن کی ایک حد تک محبت والدین کی خدمت اور عزت' ہمسایوں سے محبت و شفقت اپنے جائز حقوق اور اپنی ذاتی جائیداد کی حفاظت' سیاست میں بصیرت و دیانت اور تعمیری امور میں حکومت کی اعانت' ان تمام امور کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا ہے لیکن اگر اپنے نظریہ حیات یا دینی امور میں تصادم ہو جائے تو ان سب تعلقات کو دین کی خاطر توڑ دینا لازم ہو جاتا ہے۔ اگر سیاسی اور

Marfat.com

معاشی مفاد، نظریاتی مقاصد سے ٹکرائے تو اس کو دین کی خاطر نظر انداز کر دینا پڑتا ہے۔

○ اسلامی اتحاد کے رابطے اور اسلامی جماعت کی شیرازہ بندی، رنگ، نسل اور زبان یا وطن کے امتیازات کی بنا پر نہیں۔ اس میں حضرت سلمان ایرانی تھے۔ جب ان سے ان کا نسب پوچھا جاتا تو فرماتے۔ "سلمان بن اسلام" جن کے متعلق سیدنا امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔" یہ بھی حق ہے کہ باذان بن ساسان اور ان کے بیٹے شیریں باذان تھے۔ جن کا نسب بہرام گود سے ملتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے باذان کو یمن کا اور ان کے صاحبزادے کو صفا کا والی مقرر کیا تھا۔ اسی نظریاتی جماعت کے ایک ممتاز رکن حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جن کے متعلق حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بلال ہمارے آقا کا غلام اور ہمارا آقا ہے۔ اسی اسلامی حلقہ مواخات میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جنہیں حضرت عمر نے اپنی جگہ نماز کی امامت کے لیے کھڑا کیا تھا۔ اسی دائرہ میں زید بن حارثہ ایک غلام بھی تھے۔ جن کے عقد میں حضور علیہ السلام نے اپنی پھوپھی زاد ہمشیرہ، سیدہ زینب کو دے دیا تھا۔ اسی اسلامی گروہ میں حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ بھی تھے۔ جنہیں حضور علیہ السلام نے ایک ایسے لشکر کا سردار بنا دیا تھا جس میں حضرت صدیقؓ، حضرت فاروقؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح جیسے جلیل القدر صحابہ کرام شریک تھے۔ انہی اسامہ کے متعلق حضرت عمرؓ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے فرمایا کرتے تھے کہ اسامہ کا باپ تیرے باپ سے اور خود اسامہ تجھ سے افضل ہے۔

دیکھئے اس معاشرے میں نہ رنگ و نسب کا امتیاز ہے نہ زبان و اوطان کا فرق، صرف تقویٰ اور شرافت پر فضیلت کا انحصار ہے۔ **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم** کا قرآنی اصول اس معاشرہ میں عزت کا معیار ہے۔

○ اگر ہم اسلامی اتحاد کی فکری اور جذباتی اساس کا تعین کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور علیہ السلام کی نبوت کے دو اصول سامنے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حضور علیہ السلام کی اطاعت کی مضبوط بنیادوں پر ہی قومیت اسلام کا قصر رفیع

Marfat.com

استوار ہوتا ہے۔ وحدت خالقیت کے عقیدہ سے وحدت ربوبیت اور وحدت حاکمیت کا تصور خود بخود اجاگر ہو جاتا ہے۔ اور ذات نبوت کو مرکز محبت اور مرکز اطاعت تسلیم کرنے سے ضابطہ حیات کی وحدت اور فکر و عمل کی ہم آہنگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی اعتقادی وحدت کی بنا پر استوار ہونے والے رشتہ اخوت کو مضبوط تر کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ کے ارشادات بہ کثرت اور بہ تکرار سامنے آتے ہیں۔ جس سے اسلامی اتحاد کی اہمیت پر یقین بڑھتا چلا جاتا ہے۔

○ اسی فکری اور نظریاتی وحدت کو عملاً بروئے کار لانے اور معاشرتی زندگی میں ظہور پذیر کرنے کے لیے اسلامی عبادات سے بھی موثر انداز میں کام لیا گیا ہے اسلام کے اہم ترین فریضہ نماز کو ہی لیجئے۔ نماز کی صفوں میں' بارگاہ رب العزت میں عبادت کے لیے حاضری کے وقت اسود و احمر' غریب و امیر' عربی و عجمی' رومی و حبشی' چینی اور ترکی بلا امتیاز رنگ و نسل ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نظریاتی وحدت' تمام نسلی اور جغرافیائی امتیازات کو مٹا دیتی ہے۔ دلوں میں اسلامی اخوت و مساوات کا احساس پیدا ہوتا ہے اور ایک ہی امام کے پیچھے قیام و قعود اور رکوع و سجود میں ہم آہنگی مسلمانوں میں داخلی اور خارجی ربط و ضبط پیدا کر دیتی ہے اور یہ عملی تعلیم دن میں پانچ مرتبہ مسلمان کو دی جاتی ہے۔ ترکی کے سلطان بایزید کے دائیں بائیں نماز کی صف میں دو پستہ قد اور سیاہ فام حبشی کھڑے ہو کر با آواز بلند اعلان کیا کرتے تھے کہ اے سلطان تو بلند قامت ہے اور ہم پست قامت ہیں۔ تو سفید فام ہے اور ہم سیاہ فام ہیں تو ترکی ہے اور ہم حبشی تو صاحب جاہ و حشم ہے اور ہم مفلوک الحال لیکن اسلامی صف میں ہم تیرے دوش بدوش کھڑے ہیں کہ اسلامی اخوت اور اتحاد کی بنیاد جاہ و حشم' مال و منال اور رنگ و نسب پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے اور ہمیں وہی مقام شرف حاصل ہے جو ایک بادشاہ کو حاصل ہے۔

○ پانچ نمازوں میں محلہ بھر کے مسلمانوں میں رابطہ' اتحاد و یگانگت پیدا ہوتا ہے۔ اس پانچ وقتی تعارف اور ملاپ سے باہمی یگانگت اور ہمدردی کے تعلقات میں استواری پیدا ہوتی ہے۔ اس سے عام معاشرتی زندگی میں بھی دکھ سکھ میں شرکت اور

Marfat.com

باہمی محبت و رفاقت کی عادت راسخ ہوتی ہے۔ نماز جمعہ کے موقع پر رابطہ کا یہ دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔ کئی محلوں یا پورے قصبہ کے لوگ ایک وقت پر ایک مقام پر، ایک مقصد کے لیے ایک ہی انداز میں اکٹھے ہو کر، فکری اور عملی وحدت کا درس بھی لیتے ہیں اور مظاہرہ بھی کرتے ہیں، پھر سال میں دو مرتبہ عیدین کے موقعہ پر تمام افراد وحدت ملی میں کھو کر، ایک شجر کے برگ اور ایک کل کے جز ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ عبادت اور مسرت کے یہ عظیم اجتماع اسلامی وحدت کی مستقل درس گاہ کا کام دیتے ہیں۔ اسلامی روابط مضبوط ہوتے ہیں اور اجتماعی تعلقات استوار ہوتے ہیں۔

سال بھر کے بعد حج کے بین الاقوامی اجتماع میں، اقصائے عالم سے مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگ، مرکز اسلام بیت اللہ کے طواف اور سعادت حج کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اپنے وطنی اور قومی تشخص کے علامتی لباس کو اتار کر سب ایک جیسا احرام پہن لیتے ہیں۔ یوں ظاہری امتیاز کا ذریعہ لباس بھی اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ ایک اللہ کے بندے، ایک نبی کے امتی، ایک ضابطہ حیات قرآن و سنت کے ماننے والے ایک ہی دن، ایک ہی مقام پر ایک ہی لباس میں ملبوس، ایک ہی زبان میں ایک ہی جیسے اعمال و اطوار کا مظاہرہ کرتے ہیں، حج کا مقدس فریضہ اسلامی اتحاد کا سب سے اہم وسیلہ ہے۔

حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کی ملی زندگی کو جسد واحد سے تشبیہ دی ہے جس طرح ایک زندہ جسم واحد میں، دکھ سکھ اور راحت و کلفت کا احساس مشترک ہوتا ہے اور آنکھ یا سر کے دکھنے سے تمام جسم متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان فرد، یا گروہ کی تکلیف کا احساس تمام مسلمانوں کو ہوتا ہے اور وہ احساس مرض میں بطور ایک جسم واحد کے کام کرتے ہیں۔ شر اور ظلم کے دفعیہ کی اجتماعی کوشش کا نام جہاد ہے۔ حیات اجتماعیہ کے کسی حصے میں بھی یہ مرض نمودار ہو تو اجتماعی رنگ میں اس کا مداوا اور مقابلہ مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ جسم واحد کی طرح ان کی موت و حیات مشترک ہوتی ہیں۔ اصولی طور پر توحید و رسالت کی فکری وحدت اور اس کے بعد، حیات اجتماعی میں عبادات اور حقوق و فرائض کا عملی ضابطہ مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت

Marfat.com

پیدا کرنے کا موثر ذریعہ ہیں۔ نصب العینی وحدت کے پیش نظر نسلی' لسانی اور وطنی امتیازات کی تغلیط سے اسلامی وحدت کا دائرہ زمان و مکاں کو محیط ہو جاتا ہے اور مصنوعی امتیازات نصب العین کی حقیقی وحدت میں گم ہو جاتے ہیں اور یوں اتحاد کی ایک بین الاقوامی اور نصب العینی اساس مہیا ہو جاتی ہے۔ جس پر تعمیر شدہ ملی عمارت محبت' یگانگت اور وحدت کا ایک حسین و جمیل اور پائدار و استوار شاہکار بن جاتی ہے۔

چوں گل صد برگ ما را بو یکے ست
است جان ایں نظام و او یکے ست

Marfat.com

Marfat.com

نفسیات

Marfat.com

طبی اصولوں کے مطابق صبح جلدی اٹھنا امراض قلب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اکثر قلب کے مریض صبح کے وقت دل کے دورے پڑنے سے جان بحق ہوئے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبح کی بیداری قلب و روح کے لیے شفا کا پیغام ہے۔

○

وقت کی مسیحائی اکثر زخموں کو خود بخود اچھا کر دیتی ہے۔ پس آپ بھی اگر کسی جذباتی حادثہ کا شکار ہوں تو جلدی نہ کیجئے۔ وقت کے طبیب کو علاج معالجے کا موقعہ دیجئے۔ تاخیر کی مرہم کو اپنی تاثیر دکھانے دیجئے

(حضرت خطیب الاسلامؒ)

Marfat.com

بھول جائیے۔

ایک نفسیاتی علاج

فراموشگاری بھی عجیب نعمت ہے۔ اگر دل کے زخم ہمیشہ ہرے رہیں۔ اگر صدمات کے چرکے ہمیشہ تازہ رہیں۔ تو زندگی دو بھر ہو جائے' اس کی تلخیاں ناقابل برداشت ہو جائیں۔ درد و غم کی کثرت' دنیا کو جہنم سے بھی زیادہ مہیب بنا دے۔ لیکن صانع کی حکمت بالغہ نے انسان کے دل و دماغ کو کچھ اس طرح بنایا ہے کہ یہ آہستہ آہستہ ہر صدمہ کو بھول جاتا ہے' ہر حادثہ کا زخم بتدریج مندمل ہو جاتا ہے اور بڑی سے بڑی ذہنی اذیت بھی امتداد زمانہ سے کم ہو جاتی ہے۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ ناگوار تجربات جلدی بھولتے ہیں کیونکہ ان کے بھول جانے میں ہی بقائے حیات کا راز مضمر ہوتا ہے۔ یہ فراموشگاری قدرت کا تعمیری عطیہ ہوتی ہے۔ یہ زندگی کی محافظ ہوتی ہے۔ اس میں بقا اور ارتقا کا راز مضمر ہوتا ہے۔ یہ انسان کی قوت برداشت کو بڑھاتی ہے اور صبر و تحمل کی اعلیٰ صفات کے لیے راستہ تیار کرتی ہے۔ اگر کسی ذہنی حادثہ کی تلخیاں ہمیشہ دل و دماغ پر مسلط رہیں تو آپ اندازہ کیجئے کہ زندگی کتنی کٹھن ہو جائے۔ نہ خورد و نوش کا ہوش رہے اور نہ ہی کمانے کھانے کی سکت' انسان کا ذہن مختل ہو جائے اور قوت عمل مفلوج ہو کر رہ جائے۔

Marfat.com

نیند کی حالت میں آپ مکمل طور پر خود فراموش ہوتے ہیں۔ بیداری کی تمام تلخیاں محو ہو جاتی ہیں۔ جب تک شعور کار فرما رہتا ہے۔ نیند کی راحتیں قریب نہیں آتیں۔ نیند کی پر سکون آغوش میں جا کر آپ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ یہ بھول جانا ہی راحت ہے۔ نیند کو سب لوگ آرام سے موسوم کرتے ہیں۔ مثلاً" کوئی آدمی سو رہا ہو' تو ہمارا اسلوب کلام یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں' فلاں آدمی آرام کر رہا ہے۔ نیند کا یہ آرام فراموشگاری کا ہی اعجاز ہے۔ بھولنے میں راحت ہے' مستی میں ہستی ہے اور بعض دفعہ بے ہوشی ہی ہشیاری ہوتی ہے۔

جسمانی تکالیف میں بھی اکثر اوقات یہی نسخہ برتا جاتا ہے۔ شدید درد کی حالت میں کسی خواب آور دوا کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ مریض بیکار تکلیف سے بچ جائے۔ عمل جراحی میں بھی کسی مخدر یا بے ہوش کن دوائی کو ہی برتا جاتا ہے۔ جس سے مریض چیر پھاڑ' کے درد انگیز عمل کی تکلیف دہی سے بچ جاتا ہے۔ جب تک نشہ آور ادویات ایجاد نہ ہوئی تھیں' عمل جراحی نہایت ہی مشکل اور اذیت ناک عمل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ان ادویات کی ایجاد سے اس کی تلخیاں قطعاً" ختم ہو گئی ہیں۔ اسی طرح ذہنی پریشانی کے مریضوں کو بھی خواب آور ادویات کی بدولت ہی بعض اوقات خود فراموشی کی راحتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔ ورنہ مسلسل بیداری اور شعور کی تلخی اکثر اوقات ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

بھول جانے کی ایک صورت تو وہی ہے جو میں نے بیان کی ہے' کہ کسی دوائی کے زیر اثر' عارضی بے ہوشی اور خود فراموشی طاری کی جائے۔ گو بعض شدید صورتوں میں طبی مشورہ کے ماتحت' ہنگامی طور پر اس طرز عمل سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن اس طریقہ میں بہت سے خطرات ہیں' سب سے بڑا خطرہ تو یہی ہے کہ انسان ایسی ادویات کے پیہم استعمال سے ان کا عادی بن جاتا ہے۔ اور اس حد تک ان کے زیر اثر ہو جاتا ہے کہ ان کے بغیر وہ بیکار سا ہو جاتا ہے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کی
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

Marfat.com

پہلے وہ ان کو ضرورتاً" استعمال کرتا ہے اور پھر عادتاً" برتنا شروع کر دیتا ہے پہلے عارضی بے ہوشی ازالہ درد و غم کے لیے حاصل کی جاتی ہے اور پھر بے ہوشی ہی خود مقصد بن جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علاج ہی مرض بن جاتا ہے اور دوا ایک مستقل درد بن جاتی ہے۔ مریض کی قوت ارادی اس حد تک کمزور ہو جاتی ہے کہ وہ زندگی کی معمولی سی تلخیوں کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ زندگی راحت و کلفت' مسرت اور مصیبت اور صحت و مرض کی مختلف کیفیتوں سے ہی معنون ہے۔ یہاں بہار کی مسرتوں اور رونقوں کے بعد خزاں کی اداسیوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ صحت کے مزوں کے بعد' گاہے گاہے مرض کی تلخیوں کو بھی جھیلنا پڑتا ہے۔ آسودگی کے ساتھ کبھی تنگ دستی کی ناگواریوں سے بھی نپٹنا پڑتا ہے۔

ایک ذہنی طور پر تندرست اور جوان آدمی ان تمام صورتوں میں' صبر و اطمینان سے حالات کا مقابلہ کرتا ہے اور غور و فکر اور سعی و عمل سے حالات سے نبرد آزما ہوتا ہے لیکن نشہ کا عادی انسان زندگی کی ذمہ داریوں سے بھاگ کر' خود فراموشی کی آغوش میں جا چھپتا ہے۔ زندگی سے یہ فرار' انتہائی ناگوار اور بیکار فعل ہے۔ اس سے نہ تو کوئی مسئلہ حل ہوتا ہے اور نہ ہی ماحول میں کوئی مفید مطلب تبدیلی ہوتی ہے۔ ہاں انسان اپنے حواس کو کند کر کے حالات کو بھول جانا چاہتا ہے۔ وہ صورت حال کو بدل کر مفید مطلب بنانے کی بجائے' خود اپنے آپ کو حالات کا غلام بنا لیتا ہے۔ وہ احساس کی تلخیوں سے ڈر کر' احساس کو ہی فنا کر لیتا ہے۔ وہ شعور سے تعمیری کام لینے کی بجائے' شعور کو معلوم کر لیتا ہے۔ یہ مردانگی کی موت اور انسانیت کی شکست ہوتی ہے۔ پس ایسی خود فراموشی اور بے ہوشی جو ادویات کی مرہون منت ہو' خطرناک ہوتی ہے اور اس سے بہر حال اجتناب لازم ہے۔

شدت احساس کی تلخیوں کو' کسی مرغوب کام میں مشغول ہو کر بھی کم کیا جا سکتا ہے۔ اس طریقہ میں ادویات کے استعمال کی سی مضرتیں موجود نہیں' بلکہ ایک تعمیری کام میں مصروفیت کی وجہ سے مزاج ارتقا پذیر ہوتا ہے' ذوق تخلیق و تعمیر کے اظہار کی وجہ سے مزاج میں تکمیل پیدا ہوتی ہے۔ ناتمامی کا وہ احساس جو مزاج کے کسی طبعی

Marfat.com

تقاضا کے رکاؤ سے پیدا ہوتا ہے وہ بھی رفع ہو جاتا ہے اور کسی دل پسند شغل میں مصروف ہونے سے مزاج میں ایسا انہماک بھی پیدا ہو جاتا ہے جس سے کسی ناخوشگوار تجربہ کی تلخیوں سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور یہ عارضی سکون' مستقل اطمینان کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ دراصل جب توجہ بار بار' ہر پھر کر ایک ہی نکتہ پر آ کر جمتی رہے تو اسی نکتہ کے متعلقہ احساسات مزاج پر پوری طرح قابض ہو جاتے ہیں۔ جس بھی واقعہ سے جذبات میں شدید ہیجان پیدا ہو اور مزاج اس سے بہت زیادہ متاثر ہو' وہ واقعہ بار بار توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ توجہ کی اسی تکرار سے ہی اس واقعہ کے اثرات قلب و دماغ پر گہرے سے گہرے تاثرات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ تا آنکہ انسان بالکل ہی ان تاثرات میں دب کے رہ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں توجہ کو بالارادہ کسی اور طرف منعطف کر لینا ہی صحت مزاج کے لیے لازم ہے۔ تلخ جذباتی تاثر' کی مقناطیسی قوت کے اثر سے آزاد ہونا آسان نہیں۔ اس کے لیے عزم کی ضرورت ہوتی ہے' شدید کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جب ایک دفعہ شدت احساس کے طلسماتی گنبد سے تھوڑی سی رہائی نصیب ہو جائے تو پھر مستقل آزادی تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کا کوئی نہ کوئی اپنا پسندیدہ شغل ہوتا ہے۔ جس میں مصروف رہ کر اسے ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ دل اس کی ادائیگی سے محظوظ ہوتا ہے۔ طبیعت بلا تکلف اس کام کی طرف مائل ہوتی ہے۔ عام کاروبار کی طرح اس کام میں مصروفیت سے اکتاہٹ یا تھکاوٹ پیدا نہیں ہوتی بلکہ سکون اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ پس ہر وہ کام جو صرف تفریحاً" کیا جائے اور کوئی مادی یا مالی منفعت مقصود نہ ہو۔ وہی Hobby یا شغل ہے۔ جس کی کوئی بھی Hobby نہ ہو وہ انسان اپنے اندر ذہنی عوارض کے جراثیم رکھتا ہے۔ کسی بھی وقت حالات کی مسلسل ناسازگاری یا کسی ہنگامی جذباتی ہیجان سے اس کے ذہنی توازن میں فتور پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی مصروفیات میں کوئی ایسا گوشہ موجود نہیں ہوتا' جہاں اسے ذہنی سکون' اور قلبی طمانیت مل سکے۔ حکمائے نفسیات ایسے خشک مزاج اور سراپا کاروباری افراد کو ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

Marfat.com

غم کا نفسیاتی علاج

حادثات حیات پر مسکرانا سیکھئے

تبسم آمیز خندہ بس مسکراہٹ ہی کا نام ہے' تبسم سنت بھی ہے اور مسرت بھی' فرحت بھی ہے اور صحت بھی'

انسان کی ذہنی کیفیات کا اظہار جسمانی حرکات سے ہوتا ہے۔ ہر جذبہ جسم پر ایک خاص انداز میں اثر ڈالتا ہے۔ غم اور حزن آنسوؤں کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں اور مسرت اور اطمینان مسکراہٹ کے ذریعہ اپنا اظہار کرتے ہیں اکثر یہ اظہار داخل سے خارج کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی پہلے جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ اعضاء و جوارح کو ایک خاص انداز سے متاثر کرتا ہے۔ یہ تقدم اور تاخر بھی ذہنی اور قیاسی ہے۔ ورنہ داخلی ذہنی کیفیت اور خارجی جسمانی حرکت بہ یک وقت پیدا ہوتی ہیں اور ان کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ ولیم جیمز مشہور امریکی ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ داخلی ذہنی کیفیت تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ لیکن اس کی قوام خارجی (جسمانی حرکت) ہمارے قبضہ میں ہوتی ہے اور اس کو ہم ارادی طور پر پیدا بھی کر سکتے ہیں۔ پس اگر ہم اس خارجی جسمانی کیفیت کو پیدا کر لیں تو اس کی متعلقہ باطنی کیفیت بھی خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ مثلاً اگر آپ رونی صورت بنا لیں گے تو خواہ مخواہ آپ پر غم و حزن کی کیفیت طاری ہو جائے گی اور اگر آپ مسکرائیں گے تو اس کی قوام باطنی

Marfat.com

"کیفیت مسرت" بھی پیدا ہو جائے گی۔ پس جب کبھی حالات ناسازگار ہوں' آپ کا دل بجھا بجھا سا ہو۔ طبیعت اداس ہو۔ تو مسکرائیے! خوب مسکرائیے اور دیکھئے کہ کس طرح آناً" فاناً" آپ کے مزاج میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔

مسکراہٹ باطنی مسرت کی آئینہ دار ہے

مسرت و انبساط اور مسکراہٹ کا اس حد تک چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ہی ممکن نہیں۔ مثلاً" مسکراہٹ سے ہی آپ انسان کی دلی کیفیت کا پتہ چلا لیتے ہیں اور کبھی بھی آپ کو یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ ایک مسکراتے ہوئے چہرے کے پیچھے افسردہ اور بجھا ہوا دل موجود ہوگا۔ چونکہ مسکراہٹ خارجی طور پر باطنی مسرت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے مسرت پیدا کرنے کی ایک عملی اور اختیاری صورت یہ بھی ہے کہ آپ مسکرانا سیکھیں۔ ناسازگار حالات میں خلاف طبیعت واقعات پر حزن و یاس کی فراوانی کو کم کرنے کے لیے مسکرائیں غرضیکہ جب بھی افسردگی کو شگفتگی سے بدلنے کی خواہش ہو' جب بھی بجھے ہوئے دل کو زندگی کی تازگی بخشنی ہو۔ جب بھی الجھے ہوئے اور پریشان ذہن کو صاف اور پرسکون کرنا ہو تو مسکرائیے! اس عمل پر آپ کی کچھ بھی دولت خرچ نہ ہو گی۔ آپ کا کوئی بھی مالی نقصان نہ ہو گا۔ آپ کو کچھ بہت زور دار کوشش بھی نہ کرنی پڑے گی۔ صرف چہرہ کے اعصاب کو ایک خاص مانوس انداز میں حرکت میں لانا پڑے گا۔ محض اس مختصر سے عمل سے آپ کے دل و دماغ میں ایک نہایت ہی مفید اور صحت مندانہ انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ قنوطیت کے بادل چھٹ جائیں گے اور امید کی حیات افروز روشنی پیدا ہو جائے گی اور یہ سب کچھ صرف مسکراہٹ کی ہی ساحرانہ تاثیر کا نتیجہ ہوگا۔

انگریزی کا ایک مقولہ

کلی مسکراتی ہے تو پھول بن جاتی ہے۔ ننھا منھا بچہ جب معصومیت کے ساتھ مسکراتا ہے تو کتنا دلکش معلوم ہوتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ بہار مسکراتی ہے' بہار کی

Marfat.com

صبح مسکراتی ہوئی آتی ہے۔ معصوم اور سحر خیز پرندے مسکراتے ہیں۔ غرضیکہ جہاں مسکراہٹ ہوتی ہے وہیں مسرت بھی ہوتی ہے۔ مسکرانے سے صرف مسکرانے والے کا ذہن ہی نہیں بدلتا بلکہ اس کے زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے سارا ماحول بھی بدل جاتا ہے۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے۔

Laugh and the world will laugh with you

weep ! you will weep alone

"مسکراؤ تو تمام زمانہ تمہارے ساتھ مل کر مسکرائے گا۔"

"رو دو! تو تم اکیلے ہی روؤ گے کوئی تمہارا معاون نہ ہو گا۔"

ایک خوش باش، ہنس مکھ، اور پر امید شخصیت کا تصور کیجئے۔ لوگ کس شوق سے اسے ملتے ہیں۔ ہر محفل میں اس کی پذیرائی ہوتی ہے۔ سبھی اس کی محبت کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے پاس بیٹھنے سے ہی تلخی حیات کم ہو جاتی ہے۔ دل بہل جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان خود اپنی افسردگی کی حماقت پر مسکرانے کو تیار ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس آدمی کا بھی تصور کیجئے۔ جو ترش رو ہے۔ بات بات پر بھڑک اٹھتا ہے۔ ذرا سے اختلاف کو بھی گوارا نہیں کرتا، ہر معاملہ کے تاریک پہلو کو ہی دیکھتا ہے۔ افسردگی کا پیکر ہے۔ اس کے گردو پیش قنوطیت کا ماحول ہے۔ بھلا فرمایئے تو! کہ ایسے آدمی کے پاس کون بیٹھے گا۔ سبھی اس سے کنی کتراتے ہیں۔ دامن بچاتے ہیں۔ اور اس کے تاریک سایہ سے بھی بھاگتے ہیں اور جب تک کوئی شدید ضرورت نہ ہو نہ ہی اس کے پاس جاتے ہیں اور نہ ہی اسے کسی محفل میں بلاتے ہیں۔ کیونکہ "افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را"۔ لہٰذا خلوص سے مسکرا کر ماحول میں مسرتیں بکھیر دیجئے۔ ماحول کے اندھیرے میں مسکراہٹ کی قندیلیں روشن کر دیجئے۔ تاکہ مسرت کی روشنی پیدا ہو۔

مسکراہٹ ایک جبلی فعل ہے

یہ تو وثوق سے نہیں بتایا جا سکتا کہ انسان نے مسکرانے کی اولین ادا کب

Marfat.com

سیکھی۔ صرف مسکراہٹ ہی نہیں انسانی کردار کی اکثر اداؤں کا نقطہ آغاز معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض ادائیں انسان کو سیکھنے سے نہیں آتیں بلکہ جبلی طور پر ودیعت ہوتی ہیں۔ وہ انسانی مزاج کا جزو لازم ہوتی ہیں۔ نوع انسانی کا ہزار ہا سال کا تجربہ اور عملی مشق ان کے پیچھے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ مزاج انسانی کا جزو لاینفک ہوتی ہیں۔ انہیں از سر نو سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن انہیں بھلا دینا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ ان کے اظہار و نمود پر ہی انسانی مزاج کی تکمیل و ترقی کا مدار ہوتا ہے۔ مسکراہٹ بھی ایک جبلی فعل ہے۔ آپ دو دن کے بچے کو بھی مسکراتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ جب انسان کا بچہ نطق کے پیچیدہ فعل پر قادر نہیں ہوتا تو وہ اپنی داخلی مسرت کا اظہار معصوم مسکراہٹ سے ہی کرتا ہے وہ ماں باپ کو دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیتا ہے۔ اس سے وہ اپنی آشنائی اور اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ آپ ایک قادر الکلام خطیب ہونے کے باوجود سینکڑوں لفظوں میں بھی اپنی داخلی مسرت کا اس طرح اظہار نہیں کر سکتے جس طرح کہ صرف مخلصانہ مسکراہٹ سے ممکن ہے۔ پس انسانی مزاج میں مسکراہٹ اور مسرت کا اس طرح کا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا حصول مسرت کے لیے' اظہار مسرت کے لیے' ماحول کو مسرور بنانے کے لیے' دوسروں میں اطمینان اور مسرت پھیلانے کے لیے' مسکرانا سیکھئے۔ ایک باوقار اور متین مسکراہٹ' انسان کی شخصیت کو بے حد مقناطیسی بنا دیتی ہے۔ دل بے اختیار اس طرح مائل ہوتا ہے اور مسکرانے والا شگفتہ مزاج انسان ہر محفل میں مقبول ہوتا ہے۔

ذاتی تجربہ

میرے دوست (ن۔ا) اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ گھریلو تنازعات اور مالی مشکلات کی وجہ سے ان کی طبیعت بے حد افسردہ رہنے لگی' ہر طرف مایوسی کے تاریک بادل مسلط نظر آنے لگے۔ زندگی کی تفریحات سے دل اکتا گیا۔ اور وہ ہروقت اداس اداس اور کھوئے کھوئے رہنے لگے وہ کہتے ہیں کہ میں

Marfat.com

نے ایک ماہر نفسیات سے بھی مشورہ لیا لیکن افسردگی اور پریشانی کے متعلق ان کی علمی تفسیر' اور اصطلاحی تشریح مجھے فائدہ نہ پہنچا سکی۔ میں ان کے مشورہ سے' دفتر سے رخصت لے کر' ایک خوش منظر علاقہ میں سیر و تفریح کو بھی گیا۔ لیکن میرا دل نہ بہلا۔ میری قوت ارادی کمزور ہو گئی۔ قوت فیصلہ کی کمزوری کی وجہ سے معمولی معاملات کو سلجھانا بھی ناممکن ہو گیا۔ لیکن حسن اتفاق دیکھئے کہ میری اچانک ہی اک پرانے دوست سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ اسے ملے سالہا سال گزر چکے تھے۔ وہ کالج کے زمانے میں ہی ہنسوڑا اور بے فکرا ہونے کی حیثیت سے مشہور تھا۔ باہم ملتے ہی ایک مخلصانہ قہقہے کی آواز بلند ہوئی اور پھر جو چہرے پر میں نے مسکراہٹ کی بے فکری اور شوخی دیکھی' تو مجھے بے حد مزا آیا۔ ہم چلتے گئے۔ باہم باتیں ہوتی گئیں اور میرا دوست مسکراتا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میرا دل بہلتا گیا۔ اداسی کم ہوتی گئی اور دل میں ایک تازہ گرمی سی پیدا ہو گئی۔ اس کی مسکراہٹ کی آنچ سے' افسردگی کی برف پگھلنے لگی۔ سچی مسرت کی شعاعوں سے قنوطیت کے تاریک بادل چھٹنے لگے۔ حتیٰ کہ دو تین ملاقاتوں میں ہی میں بہت حد تک تندرست ہو کر اپنے کام پر لوٹ آیا۔ دیکھا آپ نے مسکراہٹ کا طلسماتی اثر؟ آپ بھی اس نسخہ کو آزما کر دیکھئے۔

مسکرانے کا فلسفہ

ایک مسکراتے ہوئے آدمی کا تصور کیجئے' اگر اس کی مسکراہٹ بے ساختہ اور پر خلوص ہو۔ تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرے میں روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ یا ویران سے جنگل میں بڑا خوشنما پھول کھلکھلا اٹھا ہے۔ مسکراتے ہوئے چہرے کے ارد گرد' مسرت اور روشنی کا ہالہ سا نظر آتا ہے۔ بلکہ میں نے تو دیکھا ہے کہ ایک سطحی سے خد و خال کا حامل چہرہ بھی مسکراہٹ کی چمک سے منور ہو کر بے حد دلکش بن جاتا ہے۔ شاعر بھی کہتے ہیں کہ حسن کی اداؤں کے بے پناہ ترکش میں' مسکراہٹ کا تیر سب سے زیادہ بے خطا ہوتا ہے۔ میرے ایک دوست نے ایک مرتبہ مجھے اس مفہوم کا حامل شعر سنایا' جو زندگی کے بعض تاریک ترین لمحات میں میرے بے حد کام

Marfat.com

آیا ہے شاید شاعر عظیم آبادی کا شعر ہے۔

کانٹوں سے ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

دیکھئے شاعر کتنی بڑی حقیقت کو کس خوبصورت انداز میں بیان کر گیا ہے اور تشبیہ کتنی مناسب اور حقیقی ہے۔ دوسرا شعر جو بہت بڑے فلسفہ کا حامل ہے بڑا ہی مشہور ہے۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گزار یا اسے ہنس کر گزار دے

ظفر علی خاں بھی کچھ اس کیفیت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

پیرایہ نشاط ہے سرمایہ حیات
بنتی نہیں ہے طبع طرب خیز کے بغیر

پس زندگی کے سفر کو ہنس کھیل کر مردانہ وار طے کیجئے۔ بیشک راستہ میں نشیب و فراز آئیں گے۔ طول سفر کی سختی بھی ہو گی۔ کبھی کبھار خار مغیلاں کی جراحت بھی ستائے گی' لیکن ان سب مشکلات راہ کا مجرب جواب مسکراہٹ ہی ہے۔ اگر آپ مشکلات پر مسکرا سکتے ہیں۔ تو آپ مشکل کو آسان بنا سکتے ہیں۔ مسکراہٹ سے تلخی گوارا نہیں ہوتی بلکہ شیرینی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حادثات حیات پر مسکرانا سیکھئے۔

Marfat.com

پریشانیوں کا نفسیاتی علاج

ہماری اکثر پریشانیاں غلط اندازِ فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں

انسان کی اکثر پریشانیاں غلط انداز فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جذباتی ہیجان ذہن کو اس حد تک متاثر کر دیتا ہے کہ انسان ٹھنڈے دل سے واقعہ پر غور نہیں کر سکتا' یوں وہ معاملہ ایک گورکھ دھندا بن کر رہ جاتا ہے۔ انسان جس طرف سے بھی اسے حل کرنا شروع کرتا ہے' ہر پھر کر پھر وہیں پہنچ جاتا ہے اور اس طرح کسی گھنے جنگل میں بھولے ہوئے انسان کی طرح اس کی پریشانی اور الجھن بڑھتی جاتی ہے لیکن ہمت کم ہوتی چلی جاتی ہے اور چونکہ اس معاملہ کا کوئی واضح حل سامنے نہیں آتا' اس لئے اس کو حل کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر ہر ناکامی' مزید جذباتی فراوانی کا باعث بنتی ہے۔ حتیٰ کہ زیر نظر مسئلہ ایک عقلی معمہ بننے کی بجائے ایک جذباتی حادثہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اکثر لاینحل اور پریشان کن معاملات میں یہی انداز فکر کار فرما ہوتا ہے۔

جذباتی ہیجان کے منفی اثرات

اس مشکل سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ پر جذباتی ہیجان کے عالم میں غور نہ کیا جائے۔ بلکہ واقعہ کے شدید جذباتی اثر کے کم ہونے کے بعد جب دل و دماغ کچھ سکون میں ہوں' اس وقت غور و فکر کیا جائے۔ اس جذباتی ہیجان

Marfat.com

کے کم ہونے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔ لیکن یہی تاخیر بعض اوقات بہت بڑی رحمت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے سامنے ہزاروں ایسے واقعات ہوں گے کہ کسی شدید صدمہ نے انسان کو بالکل بے بس کر دیا' بظاہر وہ یہ سمجھنے لگا کہ اس حادثہ کو برداشت کرنا' اس کے بس کی بات نہیں اور یہ کہ اب اس کی زندگی ناقابل برداشت حد تک تلخ ہو چکی ہے۔ لیکن کچھ وقت گزر جانے پر' اس کے زخم بھرنے لگتے ہیں۔ زندگی کی رعنائیاں پھر سے جاذب توجہ بننے لگتی ہیں۔ امنگیں اور ولولے پھر سے دل میں ابھرنے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ شام زندگی پھر سے صبح حیات کا روپ بھرنے لگتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ وقت کی مسیحائی اکثر زخموں کو خود بخود اچھا کر دیتی ہے۔ پس آپ بھی اگر کسی جذباتی حادثہ کا شکار ہوں۔ تو جلدی نہ کیجئے۔ وقت کے طبیب کو علاج معالجے کا موقعہ دیجئے۔ تاخیر کی مرہم کو اپنی تاثیر دکھانے دیجئے۔ امتداد زمانہ سے ناشاد دل شاد ہو جایا کرتے ہیں۔ آپ بھی اس قدرتی نسخہ کو آزمایئے اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایئے۔ یوں جب ذرا دل کو سکون مل جائے۔ طبیعت کو کسی حد تک قرار حاصل ہو جائے۔ پریشانی کی تلخی' مزاج کی ترشی کو مزید تلخ بنانے سے رک جائے۔ تو پھر عقل کو غور و فکر کا موقعہ دیجئے۔ پھر شعور کی شعاعوں کو یاس و قنوطیت کی تاریکیوں کا جائزہ لینے دیجئے۔ عقل کی دانائیاں مصائب کے مطالب کو سمجھ جاتی ہیں اور فکر کا دست تعمیر' شکست و ریخت کے ملبہ سے نئی عمارت کا مصالحہ حاصل کر لیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ شیرینی کی کثرت ہی تلخی کی صورت اختیار کر لیتی ہے لیکن اس کو سمجھنا آسان نہیں' مزاج کا سکون ہی وہ افسون ہے جو مصائب کے طلسم کو توڑ سکتا ہے۔ عجلت نہ کیجئے حکیمانہ تاخیر سے' زمانہ کی تاثیر کو دیکھئے۔ وقت گزرتا ہے تو زخم بھی بھرتا ہے۔ پودا بڑی آہستگی سے زمین سے ابھرتا ہے اور دانہ بھی کئی دنوں کے بعد پودے کا روپ بھرتا ہے اور خزاں زدہ پودہ' مہینوں کے انتظار کے بعد بہار کی مسیحائی سے رنگ و بو کا لبادہ اوڑھتا ہے۔ امہال کا قانون بھی عجیب ہے یہ درد مندوں کا چارہ ہے اور دلگرفتوں کا سہارا ہے۔ نفسیات میں اصل قانون کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس کو سمجھ لینا دلیل حکم ہے۔

سکون دل سے سامان کشود کار پیدا کر

Marfat.com

کہ عقدہ خاطر گرداب کا آب رواں تک ہے

الجھے ہوئے انداز فکر کی ایک اور وجہ ناتمام معلومات ہیں۔ جب تک مسئلہ کے تمام پہلو سامنے نہ آ جائیں اور جب تک اس کے متعلق پورا مواد مہیا نہ ہو جائے' اس مسئلہ کو کماحقہ حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں بھی بہت کچھ عجلت کا ہی دخل ہوتا ہے۔ ایک معاملہ جب سامنے آتا ہے۔ تو انسان طبعی عجلت پسندی کی بنا پر جھٹ پٹ اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ خود مسئلہ ہے کیا؟ یہ کیوں پیدا ہوا؟ کیا کیا محرکات اس کے پیچھے کار فرما ہیں؟ یہ اور ایسے ہی کئی اور متعلقہ سوالات ہیں جن کا مکمل جواب حاصل کئے بغیر مسئلہ کا پورا پورا حل ممکن نہیں۔

جلد بازی نقصان دہ ہے

عام طور پر انسان کی طبعی سہل انگاری' اس حل کو پسند کرتی ہے جو آسان ہو۔ محنت کم کرنی پڑے۔ زیادہ غور و فکر اور جدوجہد کا سامنا نہ ہو اور پھر جلدی ہی متوقع نتیجہ بھی سامنے آ جائے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ آسان حل صحیح حل نہ ہو اور دراصل اس حل کو قبول کر کے انسان' حل مسئلہ کی عملی ذمہ داریوں سے گریز کی صورت اختیار کر رہا ہو۔ مثلاً" مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے بیٹے نے ارادہ کیا ہے کہ وہ سول سروس کے مقابلہ میں امتحان میں حصہ لے اور وہ اس کے لیے تیاری بھی کر رہا ہے۔ بڑا ذہین بھی ہے اور محنتی بھی' اس کا گذشتہ تعلیمی ریکارڈ بہت عمدہ ہے۔ اس لیے اس امتحان میں بھی اس کی کامیابی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن ابھی اس امتحان میں ایک سال کا عرصہ باقی ہے۔ اور اس کی مناسب تربیت پر ہزار دو ہزار روپے کا خرچ بھی اٹھتا ہے۔ دوسری طرف لڑکے کے سامنے پانچ سو روپیہ ماہوار کی فوری ملازمت کی پیش کش موجود ہے۔ اس ملازمت میں ترقی کے کچھ امکانات بھی موجود ہیں۔ ان حالات میں اگر باپ کی مالی حالت کمزور ہے تو وہ طبعی طور پر چاہے گا کہ فوری ملازمت ہی بہتر ہے کہ اس سے کچھ آمدن ہو گی' اخراجات میں بھی کمی ہو گی۔ مالی بوجھ ہلکا ہو گا اور برخوردار اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا۔ عموماً" ایسے حالات میں فوری ضرورت اور آئندہ کی مالی ذمہ داری کا تصور ہی فیصلہ کن عنصر ہوتا ہے۔ حالانکہ

Marfat.com

ملازمت کی پنشن، مستقبل کی ترقی کے امکانات، عہدہ کا وقار، لڑکے کے مزاج کی کیفیت، ملکی ضروریات اور کئی دیگر ایسے امور ہوتے ہیں جس کو لازماً ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ لیکن کسی مسئلہ کو صحیح طور پر حل کرنے کے لیے لازم ہے کہ حتیٰ الامکان اسے ہر پہلو پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔ جلد بازی سے بچ کر مناسب وقت خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ متعلقہ مواد کو مہیا کرنے کے بعد، غیر جذباتی ماحول میں مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ مسئلہ کا ایک معین حل سامنے آنے کے بعد ستر (۷۰) فی صدی پریشانی خود بخود رفع ہو جاتی ہے۔ مزاج میں سکون آ جاتا ہے۔ خود اعتمادی بڑھ جاتی ہے۔ جب بھی کوئی صورت حال شعوری تجزیہ کی زد میں آ جاتی ہے وہ مہیب اور عجیب نہیں رہتی، آدمی اس سے مانوس بھی ہو جاتا ہے اور اس پر حاوی بھی۔ پریشانی اور الجھن ناتمام اور غلط انداز فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فکر کو صحیح کرنے سے اس کی متوازی جذباتی کیفیت بھی صحیح راہ پر آ جاتی ہے اور معتدل ہو جاتی ہے۔ جس سے لازماً نفسیاتی سکون حاصل ہوتا ہے۔

ایک مجرب صورت

صحیح غور و فکر تک پہنچنے کی ایک مجرب صورت یہ ہے کہ مسئلہ کے تمام امکانی پہلوؤں کو کاغذ پر لکھ لیجئے۔ پھر ان کے متعلق جو جو حل طلب سوالات ذہن میں آئیں وہ بھی کاغذ پر تحریر کرتے جائیے۔ یہ سوالنامہ پوری کوشش اور سوچ و بچار سے تیار کیجئے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ سوال نامہ مرتب کرتے کرتے جوں جوں مسئلہ کے تمام گوشے سامنے آتے جائیں گے، مسئلہ کا الجھاؤ خود بخود کم ہوتا جائے گا۔ الجھاؤ کی کمی کے ساتھ ہی ساتھ سلجھاؤ بھی پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ علمی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ، فکری پریشانی کم ہوتی جائے گی۔ مسئلہ کی گتھیاں کھلتے ہی آپ اس کو صحیح رنگ میں دیکھنے کے قابل ہوتے جائیں گے اور اس کا نتیجہ ہو گا، خود اعتمادی اور سکون، مناسب طریق عمل کے تعین کے ساتھ ہی آپ اپنے آپ کو مسئلہ کے حل کرنے کے قابل پائیں گے۔ یا اس کے متوقع نتائج کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے جب تمام سوالات تحریری شکل میں سامنے آ جائیں تو پھر صبر و سکون سے ان کے جوابات

Marfat.com

لکھتے جائیں۔ جواب مہیا کرنے میں' متعلقہ مواد کو ہمیشہ سامنے رکھیے اور اپنے جذبات کی مداخلت سے حتی الامکان بچئے۔ جب تمام سوالات کے امکانی جوابات سامنے آ جائیں تو پھر ان کی روشنی میں مسئلہ کا کوئی حل تجویز کیجئے۔ غلط فیصلہ کر لیں لیکن فیصلہ ضرور کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس کے بغیر پریشانی رفع نہیں ہوتی۔

تحت الشعور سے کام لیجئے

عام طور پر روزمرہ میں کام آنے والے سطحی شعور اور اس کی کارفرمائیوں کو ہی عقل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور غور و فکر کے معاملات میں' اسی کے فیصلہ کو حرف آخر قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت دراصل کچھ اور ہے۔ ہم شعور کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ شعور اور تحت الشعور' شعور کو تحت الشعور کے بحر ذخار کی ایک موج سمجھئے۔ یا پانی کے نیچے چھپے ہوئے برف کے عظیم تودہ کو تحت الشعور سمجھ لیجئے اور شعور کو پانی سے باہر نظر آنے والی چھوٹی سی چوٹی' اگر تحت الشعور کی عظیم قوتوں سے کام لیا جائے تو غور و فکر میں اور حل مسائل میں عظیم نتیجے پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ تحت الشعور سے کام لینے سے قبل اس کے مزاج اور انداز کار کو سمجھنا لازم ہے۔

ا) تحت الشعور کسی معمولی سے معمول واقعہ کو بھی نہیں بھولتا

ب) یہ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ نیند کے عالم میں بھی اس کی ادھیڑ بن جاری رہتی ہے۔

ج) جو واقعہ جذبات سے زیادہ ملوث ہوگا وہ تحت الشعور میں نمایاں جگہ حاصل کرے گا اور تحت الشعور اس کے حل میں زیادہ مستعدی کا ثبوت دے گا۔

د) عموماً سطحی شعور کے تعطل کے عالم میں تحت الشعور سے رابطہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔

پس تحت الشعور کے متعلق ان معلومات کی روشنی میں اس سے کام لینے کا

Marfat.com

طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی بھی حل طلب مسئلہ کے متعلق پہلے ہر ممکن واقفیت مہیا کریں۔ ہر پہلو سے اس کا امکانی جائزہ لیں' مطالعہ سے مشورہ سے اور پھر غور و فکر سے اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس تمام ذہنی محنت کے بعد اس معاملہ کو عمداً" بھولنے کی کوشش کریں۔ نہ اس طرف توجہ دیں اور نہ ہی مزید غور و فکر کریں۔ ہو گا یہ کہ کچھ عرصہ کے بعد اچانک ہی' سوتے یا جاگتے' اس مسئلہ کا مناسب حل خود بخود آپ کے سامنے آ جائے گا۔ یہ تحت الشعور کی کارفرمائی کا نتیجہ ہو گا۔ یہ اس خاموش' لیکن عظیم مفکر کا مشورہ ہو گا جو چپکے چپکے بغیر نمود و نمائش کے' ہر وقت اپنی خلوتوں میں محو تفکر رہتا ہے۔ جس کی خلوتوں کی پنہائیوں میں بازیابی مشکل سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ جہاں پہنچ کر علم و عرفان' کے نادر موتی حاصل ہوتے ہیں اور جہاں ایک سرمدی روشنی میں کبھی کبھی عالم ملکوت اور لاہوت کی دلکش جھلکیاں بھی نظر آ جاتی ہیں۔

ایک اچھے شاعر کو اچانک صرف شعر کا مضمون ہی نہیں سوجھ جاتا بلکہ بنا بنایا شعر سامنے آ جاتا ہے۔ ایک حکیم اور مفکر اچانک ہی زیر غور مسئلہ کے بہترین حل کو پا لیتا ہے۔ ایک موجد کے سامنے ایجاد کا نمونہ' برقی سرعت کے ساتھ آ موجود ہوتا ہے۔ ایسے واقعات' باکمال حکما' علما اور مفکرین کے ساتھ اکثر پیش آتے رہتے ہیں۔ تحت الشعور کے ساتھ رابطہ میں ہی ان کی فکری' تعمیری اور تخلیقی عظمت کا راز مضمر ہوتا ہے۔ آپ بھی اس نسخہ کو آزما کر دیکھئے۔ ذرا سی آبجو کہاں اور بحر ذخار کہاں۔ کوشش کیجئے۔ ممکن ہے کہ در شہوار آپ کے انتظار میں پڑے ہوں اور کچھ گوہر گرانمایہ آپ کی آغوش طلب کی زینت بننے کے لیے تیار ہوں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دنیا چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

الفاظ کی معنویت

یہ تو ایک واضح حقیقت ہے کہ الفاظ کے بغیر ہم سوچ نہیں سکتے۔ الفاظ کی

Marfat.com

اینٹوں سے زبان کی عمارت وجود میں آتی ہے اور اگر زبان نہ ہو تو غور و فکر اور سوچ و بچار کا امکان ہی نہیں۔ الفاظ سے ہی ہمارے افکار مستقل صورت اختیار کرتے ہیں۔ الفاظ سے ہی ہماری تمنائیں اور خواہشات' قابل فہم صورت اختیار کرتی ہیں۔ الفاظ سے ہی انسانوں میں تبادلہ خیالات ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ کی طلسماتی قوت نے ہی انسان کو معراج کمال پر پہنچایا ہے۔ یہی قوت ہمارے اسلاف کے تجربات اور مشاہدات کو قلمبند کر کے' متاع عزیز کی صورت میں ہمارے سپرد کرتی ہے۔ یہی قوت ہماری تحقیق و جستجو کے نتائج کو پوری دیانت اور وضاحت سے محفوظ کر کے تعمیر مستقبل کا سامان کرتی ہے۔ الفاظ کی قدرت سے ہی عام انسان صاحب علم و عقل بن جاتا ہے' الفاظ کی علاماتی گہرائیوں کو پا کر ہی ایک مفکر تحقیق و جستجو کی نئی وادیوں کی سیر دیکھ لیتا ہے۔ پس پریشانی فکر سے بچنے کا ایک بہت مجرب نسخہ یہ ہے کہ اپنے خیالات کو بہ احتیاط تمام جامہ الفاظ پہنا دیجئے۔ آپ کی پچھتر فی صدی الجھنیں' اسی عمل سے رفع ہو جائیں گی۔ اگر صحیح الفاظ میں آپ نے اپنے الجھے ہوئے خیالات کو نقل کر دیا' تو اس سے آپ کے خیالات میں ایک ترتیب پیدا ہو جائے گی' ایک وضاحت آ جائے گی اور ترتیب و وضاحت' فکری پریشانی کی دشمن ہیں۔ جہاں یہ آئیں' الجھن گئی فکر اور جذبات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر افکار و خیالات میں ترتیب و وضاحت پیدا ہو جائے تو جذبات میں بھی اسی انداز سے ترتیب و وضاحت پیدا ہو جائے گی۔

آپ کبھی غور سے جذباتی الجھاؤ اور فکری پریشانی کے مریضوں کی گفتگو کا اندازہ کیجئے۔ آپ کو ان میں الفاظ کا غلط انتخاب' گفتگو کا الجھاؤ اور بیان کا ابہام سا نظر آئے گا اور یہ لازم ہے کیونکہ واضح گفتگو اور بین تحریر کی موجودگی میں' ذہنی الجھن کے امکانات بہت ہی کم باقی رہ جاتے ہیں۔ پس ہمیشہ گفتگو میں صحیح الفاظ کا انتخاب کیجئے۔ کسی بھی صورت حال کو حل کرنے سے پہلے اس کی درست تفہیم کے لیے اسے واضح الفاظ میں لکھ لیجئے۔ اس سے آپ کو مسئلہ کے حل میں بہت ہی آسانی ہو جائے گی۔ خواہ مخواہ کے تذبذب اور ابہام سے (جو اکثر فکری الجھنوں کی علت ہیں) نجات مل جائے گی۔ و باللہ التوفیق

Marfat.com

سیر و سفر اور صحت مند کھیلیں

ایک نفسیاتی تجزیہ

ماہرین نفسیات سے لے کر عام آدمیوں تک یہ ایک معمول سا بن گیا ہے' کہ ہر پریشان اور مضطرب انسان کو سیر و سفر کا مشورہ دیا جاتا ہے اور بسا اوقات یہ مشورہ مفید ہوتا ہے اور عملاً" حسب پسند نتائج پیدا کرتا ہے۔ درحقیقت ہر واقعہ کا کسی نہ کسی مقام سے تعلق ہوتا ہے۔ جس ماحول میں کوئی تلخ واقعہ رونما ہو' اس ماحول میں رہ کر اس واقعہ کی یاد ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ کوئی نہ کوئی مانوس شے' پھر سے اس واقعہ کو یاد دلا دیتی ہے۔ انسان کسی واقعہ کو فراموش کرنے کے لاکھ جتن کرے ماحول کی وابستگی' پھر سے اسے بار بار یاد دلا دیتی ہے۔ لہٰذا جب اس ماحول کو ہی یکسر تبدیل کر دیا جائے' تو نئے مناظر' کسی گذشتہ تلخ واقعہ کو بھلا دینے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ مناظر بجائے خود حسین اور نظر کش ہوں تو ان کی جدت اور رعنائی مل کر' سونے پر سہاگہ کا کام کرتے ہیں۔ ساحل بحر پر کھڑے ہو کر اس کی بیکراں وسعتوں کو دیکھ کر' اس کے سینہ کے ہیبت آفریں تموج کا نظارہ کر کے' موجوں کے زیر و بم اور مسلسل ترنم میں کھو کر' کون ہے جو اپنے چھوٹے اور محدود سے تفکرات کو بھول نہ جائے' کسی وسیع جنگل' کے سرسبز اور پرسکون ماحول میں پہنچ کر' کون ہے جو اپنے

Marfat.com

چھوٹے چھوٹے غموں کو یاد رکھ سکے؟ طلوع آفتاب کی زر فشانی اور غروب آفتاب کی رنگ بیزی' کے حیات انگیز مناظر' دکھے ہوئے دلوں کے لیے پر سکون مرہم کا کام کرتے ہیں۔

کھیل کود میں مزا لینا اور حرکت کی برکت میں کلفت کو کھو دینا بھی' مزاج انسانی کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ انسان کا معصوم اور مسرور بچپن' کھیل کود کی سرور آفرین گود میں پل کر ہی شباب کی منزلوں تک پہنچتا ہے۔ کبھی غور سے دیکھیے' بچے کس انہماک سے کھیل کود میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان کی مصروفیت وارفتگی کی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ خورد و نوش کے تقاضوں اور والدین کے عتاب تک کو بھول جاتے ہیں۔ بلکہ بچوں کی اکثر تعمیری صلاحیتیں کھیل ہی کھیل میں پروان چڑھتی ہیں۔ بچہ گھروندے بنا کر تعمیری کام سیکھتا ہے' مصنوعی جنگ لڑ کر فتح و شکست کی کیفیات کا اظہار کرتا ہے۔ جھوٹ موٹ کا دکاندار بن کر تاجرانہ ذوق کی تسکین کرتا ہے۔ مصنوعی کھیتی باڑی کر کے ذوق زراعت کی تشفی کر لیتا ہے۔ غرضیکہ جہاں کھیل کود میں طبعی انہماک' غم کو غلط کرتا ہے وہیں انسان کی تعمیری صلاحیتوں کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ پھر اجتماعی کھیلوں میں تو باہمی تعاون' ربط و ضبط' اور اطاعت و پابندی کی تعلیم بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ طویل انسانی داستان کا آپ کہیں سے بھی مطالعہ کریں' آپ انسان کو زندگی کے ہر مرحلہ میں کھیل کود میں مصروف پائیں گے۔ یہ عمل اتنا دیرینہ اور مسلسل ہوتا چلا آیا ہے کہ انسان کا ایک طبعی فعل بن گیا ہے۔ اگلے لوگ کم خرچ اور سادہ' کھیلوں سے دل بہلا لیا کرتے تھے۔ آج کل کی نام نہاد مہذب قومیں' ترقی یافتہ اور گراں کھیلوں میں مصروف ہو کر اپنے ذوق تماشا کی تسکین کر لیتی ہیں۔ بہرحال کوئی قوم پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ' اس کے افراد کھیل کود کے رسیا ہوتے ہیں اور انسانوں کو کھیلنے اور کھیل کا تماشا دیکھنے میں خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ آپ بھی حسب عمر و مزاج کسی مفید کھیل کی دلچسپیوں میں کھو کر اعصابی کھچاؤ کا مداوا کر سکتے ہیں۔ کھیلنے کی مسلسل حرکات' جہاں اعصابی کھچاؤ کو کم کریں گی' وہاں دوران خون کو تیز کر کے' مزاج میں صحت مندانہ فرحت بھی پیدا کریں گی۔ اعضاء ورزش سے مضبوط ہوں گے' صحت

Marfat.com

کی عمدگی سے صحت مندانہ قوت پیدا ہو گی' جس پر یہی جسمانی مسرت کا دار و مدار ہے۔

کھیلوں کی نوعیت

کھیل کی نوعیت آپ کے لیے کیا ہو؟ اس کا مدار آپ کی عمر' جسمانی صحت اور ذہنی کیفیت پر ہے۔ مضبوط جسم کے نو عمر آدمی' ٹینس' ہاکی' فٹ بال' کبڈی' کشتی اور دوڑ وغیرہ میں دلچسپی لے کر' صحت اور مسرت کو بڑھا سکتے ہیں۔ ادھیڑ عمر کے آدمی بھی ان کھیلوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ زیادہ محنت نہ کریں اور تھکاوٹ پیدا ہونے سے قبل ہی کھیل چھوڑ دیں' اس سے جسم کو ہلکی ورزش کے فوائد تو حاصل ہو جائیں گے' لیکن اعضاء و جوراح پر کوئی ناگوار بوجھ نہ پڑے گا۔ پچاس سال کی عمر کے بعد' پیدل سیر کرنا' بہترین ورزش ہے۔ پیدل چلنے سے دوران خون میں کچھ تیزی پیدا ہو جاتی ہے' جس سے زیادہ مقدار میں صاف اور تازہ ہوا پھیپھڑوں میں جا کر' خون کی صفائی اور توانائی کا اہتمام کرتی ہے۔ اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اشتہا تیز ہوتی ہے۔ اس ہلکی پھلکی ورزش سے تقریباً" وہی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو عالم شباب میں' مقابلہ کے کھیلوں میں شامل ہو کر حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ پھر سیر کے شوق کو آپ عمر کے آخری حصہ تک بھی جاری رکھ سکتے ہیں۔ سیر کے لئے' صبح صادق کا وقت بہترین ہوتا ہے۔ ہوا صاف اور گرد و غبار سے پاک ہوتی ہے۔ تمام فضا نکھری ہوئی اور تمام ماحول پر سکون ہوتا ہے۔ سحر کو پرندے اپنے معصوم نغموں سے آپ کا استقبال کرتے ہیں۔ کلیاں چٹک کر اور پھول مسکرا کر' آپ کی مزاج پرسی کرتے ہیں۔ ہلکی ہلکی مدھم مدھم روشنی سے ایک دلفریب طلسماتی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ جس میں کھو کر دل کو سکون اور جسم کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ صبح کی سیر کی عادت نفسیاتی اور طبی طور پر بہت مفید عادت ہے۔ آپ اس عادت کو اپنا کر' اور اس کی مسرت آفرینی اور سکون بخشی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ طبی اصولوں کے مطابق صبح جلدی اٹھنا امراض قلب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اکثر قلب کے مریض صبح کے وقت دل کے دورے پڑنے

Marfat.com

سے جاں بحق ہوتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبح کی بیداری قلب و روح کے لیے شفا کا پیغام ہے۔

انسان کی طبعی سہل انگاری بسا اوقات ورزش اور سیر کی صحت مندانہ عادات میں حائل ہوتی ہے سہل انگاری اور سستی کے اس افسوں کو توڑ کر' ورزش اور سیر کے لیے نکل کھڑا ہونا ہی صحت و مسرت کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ جسمانی حرکات سے اکثر مزاجی کھچاؤ دفع ہو جاتے ہیں۔ مسلسل اور دبے ہوئے رنج سے انسان کے اندر کچھ رطوبات پیدا ہوتی رہتی ہیں جن کا وظیفہ انسان کو شدید عمل کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے۔ اگر انسان مائل بہ عمل نہ ہو تو ان رطوبات کی بے مصرف کثرت دل و دماغ کو نقصان پہنچاتی ہے۔ ورزش اور کھیل میں مصروف ہو کر ان فالتو رطوبات کو قدرتی نکاس مل جاتا ہے۔ جس سے مزاج میں ایک اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ دوران خون کی تیزی' جمود اور افسردگی کو ہٹا دیتی ہے۔ حرکت سے مسرت اور قوت پیدا ہوتی ہے اور ایک نفسیاتی مریض انہی کیفیات کا متلاشی ہوتا ہے۔

اجتماعی کھیل

شخصی کھیلوں کی بجائے اجتماعی کھیل' ہر لحاظ سے زیادہ مفید ہوتے ہیں۔ عموماً" نفسیاتی مریض وہی ہوتے ہیں جو دوسروں سے تعاون و تعامل سے محروم ہوتے ہیں۔ اور اپنی محدود خیالی دنیا' میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں وہ اجتماعی ذمہ داریوں سے خائف ہوتے ہیں۔ دوسروں کو شک اور خوف کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ شک اور خوف' (جو دور طفلی کی نادانیوں کی غیر شعوری یاد کے طور پر دل میں باقی رہ جاتے ہیں) ہی ذہنی عوارض کی علت ہوتے ہیں۔ اجتماعی کھیلوں میں باہمی تعاون کی مشق سے دوسروں پر بھروسا کرنا آ جاتا ہے اور میل ملاپ سے دائرہ فکر و عمل بھی وسیع ہو جاتا ہے دوسروں سے انس اور تعاون ہی نفسیاتی صحت کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ کھیلوں میں کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست' اور شکست کو ہنس کر ٹھنڈے دل سے برداشت کر لینا ایک اچھے کھلاڑی کی نمایاں صفت ہوتی ہے۔ کھیل کے میدان کی یہ عادت زندگی

Marfat.com

کے وسیع تر میدان میں بھی کام آتی ہے۔ جب زندگی کے حادثات' اور ناگوار معاملات کو مسکرا کر مردانہ وار سہنے کی جرات حاصل ہو جائے تو انسان اپنے نفسیاتی بلوغ کو پہنچ جاتا ہے۔ شاید لارڈ و لنگٹن کا مقولہ ہے کہ واٹر لو کے میدان جنگ کی تیاری دراصل ایٹن کے کھیل کے میدان میں ہوئی تھی۔ لہٰذا اجتماعی کھیلوں میں انہماک ایک بہت ہی مفید قومی عادت ہے اس عادت کو مزید پھیلانا چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ تندرست افراد کو اجتماعی کھیلوں میں حصہ لینا چاہیئے۔ تاکہ جسمانی صحت کے ساتھ ہی ساتھ نفسیاتی صحت اور قوت میں بھی اضافہ ہوتا رہے۔

بعض اوقات انسان کا کاروبار اس کے مزاج کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ ایسے کاروبار میں اقتصادی ضرورت کے پیش نظر شامل ہونا پڑتا ہے۔ مزاج کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور ضروریات زندگی کے تقاضے کچھ اور ان حالات میں مزاج کا تکدر جسمانی تھکاوٹ اور ذہنی پریشانی کے رنگ میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ طبیعت کی اس افتاد کے باوجود ہر آدمی میں نہ تو اتنی اخلاقی جرات ہوتی ہے اور نہ ہی مالی وسعت' کہ وہ کاروبار کو ہی تبدیل کر کے حسب مزاج بنا لے اور یا بصورت دیگر مزاج کو بدل کر کاروبار کے مطابق ڈھال لے۔ تبدیلی مزاج پر یہ قدرت تو کسی فلسفی کو ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ورنہ یہ بات عام انسانوں کے بس کی نہیں ہوتی۔ ان حالات میں بھی کاروبار سے علاوہ کسی حسب پسند تعمیری شغل میں مصروفیت لازما" ہونی چاہیئے۔ تاکہ تعمیری صلاحیتوں کو بروئے کار آنے کا موقعہ مل سکے۔ جب بھی کوئی حسب مزاج شغل مل جائے گا مزاج کی دلچسپیاں ساری زندگی کو خوشگوار بنا دیں گی۔ تھکا ماندہ انسان ایک نئے جوش و خروش کا حامل بن جائے گا۔ بے جان قویٰ میں نئی امنگیں پیدا ہو جائیں گی۔ بسا اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کوئی تعمیری کام جو ابتدا میں صرف تفریحا" شروع کیا گیا۔ اس حد تک پسندیدہ ثابت ہوا اور انہماک و توجہ کی وجہ سے اس میں اتنی ماہرانہ قابلیت پیدا ہوگئی کہ وہ تفریح ہی ایک مستقل کاروبار بن گئی اور چونکہ اس کاروبار میں طبعی رجحان شامل تھا اسلیے اس میں ماہرانہ درک پیدا ہوگیا۔ کام میں پوری دلچسپی ہونے کی وجہ سے وہ کام ترقی کرتا گیا اور خود اس کام میں مصروفیت وجہ

Marfat.com

مسرت ہوگئی۔ جس سے کام کرنے والے کی ذہنی اور جسمانی صحت پر بہت خوشگوار اثر ہوا۔ پس آپ بھی کسی ایسی تعمیری تفریح میں حصہ لیں جو آپ کو تفریح کا فائدہ بھی بخشے، اور آپ کی تعمیری صلاحیتوں کے اظہار میں بھی مد و معاون ہو۔ اس سلسلہ میں خطاطی، مصوری، شاعری، باغبانی، موسیقی، کسی نئی زبان کا سیکھنا، علم نجوم، طبقات الارض، جغرافیہ یا تاریخ وغیرہ کا مطالعہ بھی شامل ہیں۔

خود زندگی کو بھی ایک کھیل سمجھئے

زندگی مسلسل حرکت اور عمل پیہم کا نام ہے، مصائب اور مشکلات، زندگی کے کھیل کا لازمہ ہیں۔ اس میدان میں زندگی کا کھیل مردانہ وار کھیلنا چاہیے۔

مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لیے
گردنیں سر کشی حوادث کی جھکانے کے لیے
مرد کہتے ہیں اسے اے بندگان طمطراق
جو جلال برق و باراں کا اڑاتا ہو مذاق
دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے
مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے
تم مگر اس زندگی کے کھیل سے رہتے ہو دور
آفریں! اے عصر حاضر کے جوانان غیور

ہم نے زمین کے وسیع میدان میں ایک معین عرصہ تک زندگی کے کھیل کو بہرحال کھیلنا ہے۔ دوسرے کھیلوں کی طرح عرصہ حیات میں بھی زندگی کے کھلاڑی کو، گوئے سبقت لے جانے کے لیے دھوڑ دھوپ اور تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ کسی کے ساتھ تعاون کرنا ہوتا ہے اور کسی کے ساتھ تقابل، "نتیجتاً" کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست، اچھے کھلاڑی کی طرح فتح پر ضبط اور شکست پر صبر کرنا چاہیے۔ یہاں عجیب چکر چلتے ہیں۔ کبھی کامیابیوں کے بعد ناکامیاں ہوتی ہیں اور کبھی ناکامیوں کے بعد کامیابیاں۔ نہ وہ مستقل ہوتی ہیں اور نہ یہ پائیدار، عقل مند وہی ہے جو حکیمانہ نظر

Marfat.com

اور مومنانہ صبر کا شیوہ اختیار کرے۔ نہ تو خوشی کے عالم میں آپے سے باہر ہو اور نہ ہی مصیبت کے سامنے ہتھیار ڈال دے' زندگی کے کھیل کو بہر حال ایک منجھے ہوئے کھلاڑی کی طرح' فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر ہی کھیلنا چاہیے۔ امکان بھر محنت کے لیے ہمت نہ ہاریے۔ اپنی طرف سے اپنی بہترین کوششیں بروئے کار لائیے اور پھر حکیمانہ استغنا کے ساتھ نتائج کو قبول کیجیے۔ کائنات مجموعہ اضداد ہے۔ یہاں تحقق خیر کے لیے شر کا وجود لازم ہے۔ خزاں کی افسردگی بہار کی رعنائی کو اجاگر کرتی ہے۔ شب کے اندھیرے میں' ستاروں کی چمک زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ جب دکھ اور سکھ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تو دونوں کے لیے تیار رہیے۔ ایک کی طلب اور دوسرے سے فرار' شیوہ فرزانگی نہیں۔ مفید کو حاصل کرنے کی خوب کوشش کیجیے اور مضر کو دفع کرنے میں خوب سعی کیجیے۔ لیکن اگر نتائج حسب خواہش نہ ہوں تو ہمت نہ ہاریے۔ آپ کے علاوہ یہاں ہزاروں لاکھوں قوتیں کار فرما ہیں۔ نتائج کا تعین کون کرے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ' تقدیر کے اٹل قانون کی شکل میں کار فرما ہے۔ اسی پر بھروسا کیجیے۔ اس سے تعاون کیجیے اور جب آپ کی ادھوری کوششیں نتیجہ خیز نہ ہوں' اور آپ کی مرادیں بر نہ آئیں۔ تو سعی و عمل کو جاری رکھتے ہوئے تقدیر کے فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کیجیے۔ اطمینان اور مسرت کی اس وادی میں صرف مومن کو ہی باریابی ہو سکتی ہے۔ زندگی کی تلخیوں کے باوجود صبر و رضا کی حلاوت کے مزے صرف مومن ہی حاصل کر سکتا ہے۔ آپ بھی اپنے مضطرب دل و دماغ کو اس قطعی حکمت کی سکون بخشیوں سے متعارف کرائیے۔ زندگی کے کھیل کو فتح و شکست سمیت ایک اچھے کھلاڑی کی طرح' مردانہ وار کھیلیے' فتح کی مسرتوں میں دوسروں کو بھی شریک کیجیے اور شکست کی تلخیوں پر خود ہی مسکرا کر اسے گوارا بنا لیجیے۔

مصائب سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com